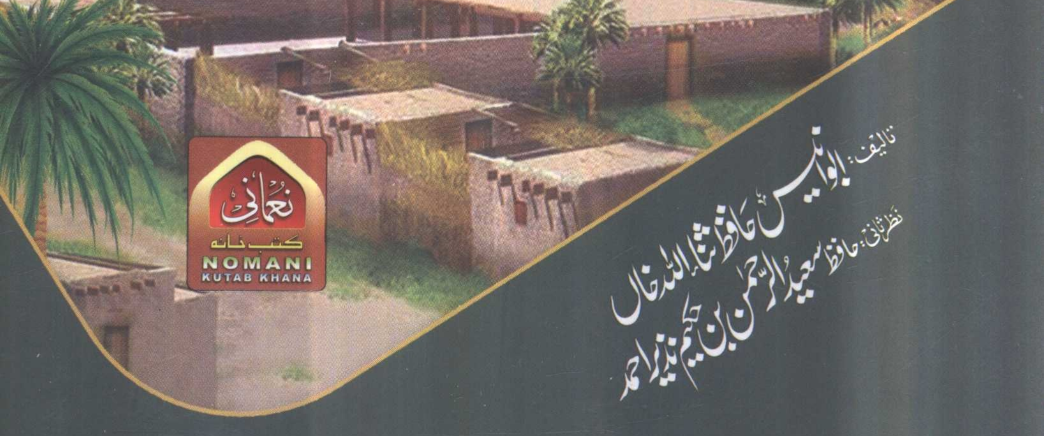
سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر منفرد کتاب

نبی رحمت ﷺ اپنے گھر میں

اللّٰھم صل علی محمد

رسول اللہ ﷺ کے بچپن تا وفات شب و روز
اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حسین تذکرہ



نعمانی کتب خانہ
NOMANI
KUTAB KHANA

تالیف: ابو انیس حافظ ثناء اللہ خاں
نظر ثانی: حافظ سعید الرحمٰن بن حکیم نذیر احمد

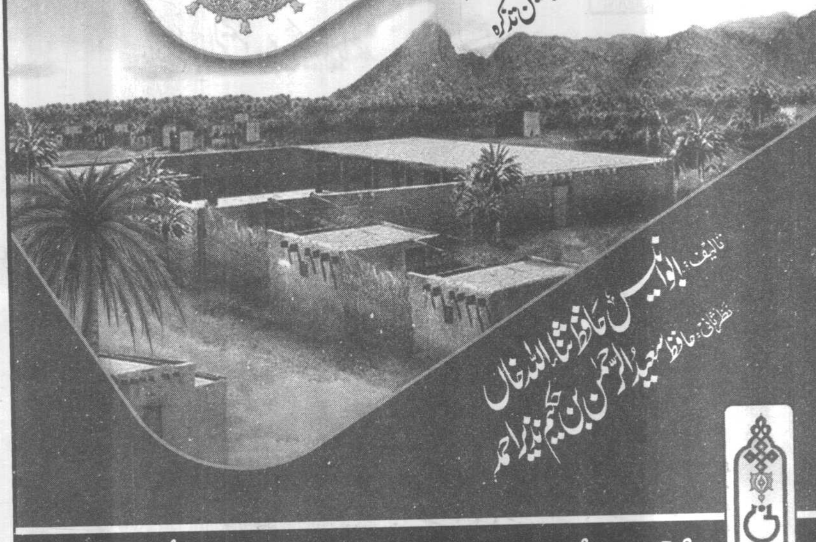
بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر منفرد کتاب

نبی رحمت ﷺ اپنے گھر میں

اللھم صل علی محمد

رسول اللہ ﷺ کے بچپن تا وفات شب و روز
اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حسین تذکرہ



تالیف: ابو انس حافظ ثناء اللہ خاں
نظر ثانی: حافظ سعید الرحمن بن حکیم نذیر احمد

نعمانی کتب خانہ
NOMANI
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
042 37321865

نام کتاب

نبی رحمت ﷺ اپنے گھر میں

از قلم

ابو انیس حافظ ثناء اللہ خاں

نظر ثانی

حافظ سعید الرحمن بن حکیم نذیر احمد

تاریخ اشاعت

اگست 2016ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

ناشر

نعمانی کتب خانہ

NOMANI

e-mail: nomania2000@hotmail.com

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ [الاحزاب: 21]

''بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے جو کوئی اللہ اور روز آخرت کی امید کرتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي)) [رواہ الترمذی]

''تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہترین ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ تم سب میں سے بہترین ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ))

[ترمذی، ابوداؤد]

''کامل ترین ایمان والا مومن وہ ہے جس کا اخلاق سب مومنوں سے اچھا ہوتا ہے اور جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے زیادہ نرم خو ہوتا ہے۔''

پیش لفظ

تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جس کا اپنی کتاب قرآن کریم میں یہ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ [الاحزاب: 21]

"بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہے جو کوئی اللہ اور روز آخرت کی امید کرتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔"

اور اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے رسول اور ہمارے مولا و سردار سرور کونین محمد بن عبداللہ لاتعداد رحمتیں بھیجے جو تقویٰ سے لبریز اور سعادت والی زندگی گزارنے کے خواہش مند بشر کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

اور حدیث صحیح کے مطابق جن کا فرمان عالیشان ہے۔

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے اہل وعیال کا خیرا خواہ ہو اور میں تم میں سے اپنے اہل وعیال کی سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

بعدازیں:

انسان کے لیے گھر سکون اور راحت کا منبع ہوتا ہے، بلکہ ابدی سعادت ایک پرسکون ازدواجی گھونسلے کی مرہون منت ہے۔

اور ہم میں سے کون سا بدنصیب ہے جو اپنا پرسکون گھر آباد کرنا اور اپنی ہم مزاج بیوی کی زلفوں کے سایے میں سکون حاصل کرنا اور ایسی نیک اولاد کا خواہش مند نہ ہو جسے دیکھ کر آنکھوں کو تسکین اور ٹھنڈک حاصل ہو۔ لیکن ایک مثالی اور پرسکون گھر بسانے کی خواہش کی تکمیل ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ ایسے گھر کی تکمیل اینٹ' گارے اور لکڑیوں سے نہیں ہوتی اور نہ ہی دیدہ زیب نقش ونگار زرنگ و روغن اور تزئین و آرائش سے سکون میسر آتا ہے، نیز کثرت مال اور سامان عیش وعشرت کی فراوانی سے بھی سعادت مندی حاصل نہیں ہوتی۔

بلکہ پرسکون اور سعادت مند گھرانہ بسانے میں گھر کے تمام افراد کو انواع واقسام کی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ خاص کر گھر کے سربراہ پر ان قربانیوں میں زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ گھر کا قائد بھی وہی ہوتا ہے، نگران بھی وہی ہوتا ہے۔ کسی حد تک بات بھی اسی کی مانی جاتی ہے اور بہترین نمونہ پیش کرنے کے لیے حکمت ومصلحت سے بھرپور تصرف کا بھی صرف وہی حق رکھتا ہے۔ گھر کی سربراہی اور قیادت کی قبولیت کے اعتبار سے لوگوں کی تین اقسام ہیں۔

① **پہلی قسم:** کچھ لوگ گھر کی سربراہی قبول کرنے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔

② **دوسری قسم:** وہ لوگ جو سربراہی تو قبول کر لیتے ہیں لیکن گھر کو چلانے کے لیے ان کے تمام تصرفات، اقدام حکمت ومصلحت اور منفعت سے عاری ہوتے ہیں جن سے ان کا کھوکھلا اور بوداپن واضح ہو جاتا ہے۔ بلکہ شاید انہیں اس بات کی معرفت حاصل ہی نہیں ہوتی کہ وہ اپنے گھر کے مسائل اور مشکلات کو کیسے حل کریں۔

③ **تیسری قسم:** یہ وہ لوگ ہیں جن کے مزاج وطبیعت میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی گھریلو معاملے کو حکمت ومنفعت اور کسی اچھے تہذیبی انداز سے لیتے ہی نہیں اور گھر کے سربراہ کی اس غیر سنجیدگی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس گھرانے کے تمام افراد

راہ مستقیم سے ہٹ جاتے ہیں۔ان کے ہر معاملے میں خلاء واضح ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ساری زندگی پریشانی اور کرب کے ساتھ گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔لہٰذا ایک پرسکون و ہر پہلو سے اطمینان بخش گھر کی تعمیر صرف وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ یہ سب کچھ عطا کر دے۔جو اپنے گھر کے تمام معاملات نبوی منہج پر استوار کرتا ہے۔وہ ہمیشہ ہر معاملے میں انہیں اپنا اسوہ اور مقتدیٰ بناتا ہے اور سعادت کی اسی شاہراہ پر چلتا ہے جو نبی ﷺ نے بتائی اور عملی طور پر اپنانے سے دنیوی واخروی کامیابیاں اور سعادتیں اس کی مقدر ٹھہریں۔

آپ ﷺ کی متعدد ازواج مطہرات تھیں، وہ مختلف گھرانوں' خاندانوں' قبیلوں اور انواع واقسام کی ثقافتوں کی پروردہ تھیں۔لیکن وہ سب کی سب رسول اللہ ﷺ کے مخلصانہ وہمدردانہ ومصلحانہ سایۂ مراقبت میں سعادت ابدی سے مزین زندگیاں گزارتی رہیں۔

اگرچہ بتقاضائے بشریت بعض اوقات انہیں بھی شوروغل،حسد ورقابت بلکہ جھگڑے اورغم وغصے سے واسطہ ضرور پڑتا تھا۔لیکن انجام کار یہ شوروغل، یہ تو تکار یہ رقابت وجلاپا، امن وصلح پر منتج ہوتا رہتا۔اس سازگار ماحول سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بحیثیت قائد وسربراہ وصاحب خانہ کتنی حکمت بالغہ،نرم خوئی اورعفو ودرگزر سے گدلائی ہوئی فضاء کو صاف کرتے۔لیکن ان سب ہنگامہ ہائے حیات ونسوانی چپقلشوں کو سلامتی وسعادت کے سانچے میں ڈھالنے کے دوران آپ ﷺ اپنے رب کی رضاء سے غافل نہ ہوئے اور نہ ہی آپ ﷺ اپنی ازواج کی محبت اوران کی تربیت سے لحظہ بھر جدا ہوئے چاہے آپ ﷺ کو درپیش معاملے میں قرآن نازل ہوتا یا نہ ہوتا۔

تاہم رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کی اصلاح کے لیے مختلف انداز اختیار کرتے۔جب کبھی آپ ﷺ کو سختی کرنے میں مصلحت نظر آتی تو آپ ﷺ قدرے سختی بھی کرتے۔بلکہ ایک مہربان ومشفق مربی کے انداز میں کبھی کبھی آپ ﷺ اظہار ناراضگی بھی فرماتے،لیکن بہرحال ہرقسم کی سختی زبانی ہوتی، کیونکہ آپ ﷺ نے کبھی اپنے گھر میں

اپنی ازواج پر لاٹھی نہیں اٹھائی اور نہ ہی آپ ﷺ غصے میں بے قابو ہو کر لڑتے اور اپنے گھریلو ملازمین اور غلام لونڈیوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نہایت پیار بھرے شفیق و مہربان انداز سے پیش آتے۔

نہ تو آپ ﷺ نے اپنے گھروں میں کسی پر ہاتھ اٹھایا اور نہ ہی اپنی زبان مبارک سے کسی کو ایذا دی، یا اہانت کی۔ تربیت کے درج بالا اسلوب و انداز کے پہلو بہ پہلو رسول اللہ ﷺ نہایت مشفق، مہربان، نرم دل و نرم خو تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے خدام کا حال تھا۔ آپ ﷺ گھر کے ہر فرد اور ہر خادم کی رائے کو بغور سنتے اور اسے کما حقہ اہمیت دیتے۔ کسی کی رائے کو نظر انداز کر کے آپ ﷺ کسی چھوٹے بڑے کی حوصلہ شکنی نہیں کرتے۔

آپ ﷺ اپنی گھریلو زندگی میں ہر چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ کے معمولات کو بڑے تحمل سے برداشت کرتے۔ بشرطیکہ وہ بھی صلاح و فلاح کی طرف گامزن ہوتے۔ اگر ان سے کوئی بھول چوک ہو جاتی یا بتقاضائے بشریت کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ کمال لطف و کرم سے اس کی اصلاح فرما دیتے۔ خطا کاروں کا عذر قبول کرتے اور انہیں دوبارہ نیکی و بھلائی کے رستے کی راہ نمائی کر دیتے۔

رسول اللہ ﷺ کا گھر اپنے اہل و عیال، اپنے خادموں، اپنے مہمانوں اور آپ ﷺ کے دیدار و ملاقات کے لیے باہر سے تشریف لانے والے وفود کے لیے باعث صحت و تسکین کا منبع تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء: 107]

''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے لیے رسول رحمت بنایا ہے۔''

کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھروں سے ہماری کیا نسبت اور کیا ہم اپنے گھروں میں اس طرح بن سکتے ہیں، جو نبی ﷺ اپنے گھر میں پیش کرتے تھے؟ ہاں،

ہاں! کیوں نہیں؟

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں دیگر انسانوں کی طرح صرف ایک کامل واکمل انسان ہی تو تھے۔ آپ ﷺ کے تمام گھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھروں کی طرح ہی تھے۔ نہ تو ان کا ڈیزائن علیحدہ تھا اور نہ ہی ان میں رہنے والوں کا طرزِ زندگی دوسرے ساکنان مدینہ سے منفرد تھا۔ بلکہ آپ ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کی اقتدا واتباع کرتے تھے اور ہر صحابی کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کا گھر بھی رسول اللہ ﷺ کے گھر کی طرح بن جائے اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اس عزم میں کامیاب بھی ہوئے۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ کی سوسائٹی علم وفضل کے لحاظ سے ایسی مثالی بن گئی کہ اہل فلسفہ ضرور زمانہ کے ساتھ ساتھ جس کے خواب دیکھتے۔

ایک دن میں اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھا۔ اچانک گفتگو کا رخ ایک اچھوتے انداز میں گھریلو مشکلات کی طرف مڑ گیا۔

اور طے یہ پایا کہ ہم میں سے ہر ایک صدق دل وصدق گفتار سے اپنے گھر کے اندر عائلی مشکلات ومعاملات حل کے لیے پیش کرے گا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد محفل میں گرما گرمی اور شور وغل کا غلبہ ہو گیا اور گفتگو کبھی سنجیدگی اور کبھی مزاح کے رنگ بھرتی رہی۔ حتیٰ کہ ایسے ایسے لطیفے اور ذلت آمیز حکایات وواقعات سننے پڑے کہ جن کو قلم کے ذریعے تحریر میں لانا مشکل ہے۔ محفل کا ہر شریک اپنے اپنے انداز میں اپنا اپنا ڈول بھرتا رہا اور ہر ایک نے اپنے اپنے تجربات پیش کیے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اسی کی رائے اور اسی کا تجربہ قبول کیا جائے اور اسی پر سب عمل کریں۔

اسی محفل میں خواتین کے متعلق ایسے ایسے قصے بھی سنائے گئے جن کو سن کر انسانیت باعث عار بن گئی اور دوسرے فریق نے خواتین کے لیے ایسے امتیازات' اوصاف اور ان کا ایسا کردار پیش کیا کہ ہر انسان کی یہ آرزو بن گئی کہ کاش! اسے بھی اپنے گھر میں ایسی خواتین میسر آجائیں۔ ہر دو فریق کا استدلال احادیث نبویہ سے ہوتا۔ اگر ایک فریق

عورتوں کی اصلاح سے مایوس نظر آتا تو دوسرا فریق گھروں میں ہر قسم کے فتنہ وفساد کی جڑ مردوں کو قرار دیتا۔

محفل کے آخر میں ہم سب نے ایک دوسرے سے یہ سوال کیا:

کہ امہات المؤمنین کے حجرات میں اہل خانہ کے شب وروز کیسے گزرتے تھے؟ اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے تقریباً چالیس برس ازدواجی حیثیت سے کیسے بسر کیے؟ آپ ﷺ اپنے اردگرد والوں کے ساتھ معاملات کیسے طے کرتے؟ خصوصاً درجن بھر ایسی خواتین کے ساتھ کہ جن کی تقاضات' طبائع اور قبائل مختلف تھے۔ آپ ﷺ کس طرح زندگی بسر کرتے؟

جب اچانک کوئی خانگی مسئلہ آپ ﷺ کے سامنے آتا تو آپ ﷺ کا ردعمل کیا ہوتا؟ اور آپ ﷺ اس پر کیسے قابو پاتے اور آپ ﷺ کا سلوک آپ ﷺ کے عزیز واقارب اور آپ ﷺ کے پڑوسیوں کے ساتھ کیسا ہوتا؟ بلکہ آپ ﷺ کے خدام وخادمات آپ ﷺ کے مہمان بن کر آپ ﷺ کے پاس آنے والے غیر مسلم وفود کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ کیسا تھا؟

میں نے سوچا ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو صرف بطورِ وعظ وقصہ تو سنتے ہیں لیکن اپنی عملی زندگی میں اسے نافذ نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا عملی سلیبس ہے جس کو نافذ کرنا ناممکن نہیں۔ ہم اپنے گھروں میں اپنے مزاج اور اپنے رسم ورواج کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، لیکن سیرت نبویؐ کے نمونے کو بھول جاتے ہیں۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی اپنے دل سے غور وفکر کرنا چاہیے۔ ہمیں اس کتاب کے مطالعہ سے اس حقیقت سے آشنائی ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے اندر گھر کے ڈیزائن وغیرہ کو کوئی اہمیت نہ دیتے اور نہ ہی آپ ﷺ کے گھر کے اندر رہنے والوں کی آرزوؤں' خواہشات اور اپنے اردگرد رہنے والوں کے طرزِ معاش کی پرواہ کرتے، بلکہ آپ ﷺ صرف اور صرف یہ چاہتے کہ آپ ﷺ کے گھر اور آپ کے دیگر پیروکاروں کے گھروں میں

بسنے والے افراد کی پرورش وتعمیر ایمان فضیلت واخلاق پر مبنی ہو اور یہ کہ اہل ایمان کے گھر سعادت، باہمی محبت وشفقت اور باہمی احترام و اعتماد سے لبریز ہوں۔ ان گھروں سے جو افراد نکلیں وہ تمام لوگوں کے لیے نمونہ ہوں۔ ان کے دلوں میں موذی افکار نہ ہوں۔ وہ ایسے افراد ہوں جو ایسا معاشرہ وجود میں لا سکیں جس کی اساس سب کی خیر سلامتی اور عطا پر ہو۔اس محمدی معاشرے کے برعکس اس وقت روم ایران اور فراعنہ مصر کہ جن کی تہذیبیں جزیرہ عرب کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ تو بلند و بالا عمارتوں و محلات اور گنبدوں کی تعمیر کا زیادہ اہتمام کرتے۔لیکن ان سب محیر العقول کارناموں نے ان کا ذرہ بھر دفاع نہ کیا اور جب ان تہذیبوں پر ایمان وعقیدہ کی برکھا برسی تو یہ اس کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں اور خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں، ایسا کیوں ہوا؟

یہ اس لیے ہوا کہ روم وایران وفرعونی تہذیب وتمدن کے برعکس اسلام ایسے مضبوط افراد تیار کرنے پر زور دیتا ہے جو بوقت ضرورت متحرک قلعے ثابت ہوں، جو ہمیشہ حق اور بھلائی کا دفاع کریں اور اپنے اردگرد سعادت وصلاح کی تمام صورتوں میں رنگ بھر دیں۔وگرنہ ان بلند وبالا محلات اور طویل وعریض شاہراؤں کا کیا فائدہ کہ ان کے اندر بسنے والے انسان بدبختی، نحوست، اضطراب اور قلق وغم کے بادلوں کے سایہ تلے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں۔

اندرونی حالات

رسول اللہ ﷺ کے گھرانے تمام حوادث وواقعات ومشکلات کے باوجود ہر مرد وزن کے لیے بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔غنی کو آپ کے گھرانے سے جود وکرم اور ایثار ومحبت کے خزینے ملتے ہیں۔فقیر کو اپنی محرومیوں کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے اکسیری پھاہے دستیاب ہوتے ہیں۔

یتیم کو اپنی آہوں اور سسکیوں کے لیے تسکین وراحت کامل ملتی ہے اور مصیبت زدہ کو اپنے درد اور دکھوں کا مداوا ملتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمام انسانوں کی طرح اپنی

زندگی گزاری۔ آپ ﷺ یتیم وفقیر بھی تھے، محروم اور مظلوم بھی تھے۔ دوسری طرف آپ شفیق باپ تھے تو محبوب خاوند بھی تھے۔ مالدار وغنی تھے تو مریض وصریع بھی تھے۔ دوستوں کے دوست اور غمخوار بھی تھے اور حاجت مندوں کے لیے حاجت برآ بھی تھے۔

بے شمار حالات آپ ﷺ پر گزرے، جنہیں آپ نے صبر وتحمل اور حکمت ومصلحت کے ساتھ گزارا، تاکہ آپ سب لوگوں کے لیے قدوہ بن جائیں۔

میں اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو نافع بنائے اور یہ کہ وہ مجھے خائب وخاسر اور ثواب سے محروم کر کے نہ لوٹائے اور مجھے اپنے محبوب بندوں کی طرح قبولیت عطا کرے اور میرا زورِ قلم اور پختہ عزم مزید قوی کرے اور مجھے اپنے ہر عمل میں اخلاص نیت کا الہام کرے اور اپنی مغفرت واسعہ کے ساتھ مجھ پر اپنا فضل کرے۔

اے اللہ! اگر میں نے کوئی نیک عمل کیا تو اس کی توفیق صرف تو، اکیلے نے دی اور اگر مجھ سے بدعملی سرزد ہوئی تو یہ میرے عاجز ولاچار نفس کی کوتاہی سے ہوئی اور تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لیے خاص ہیں۔

ابوانیس حافظ ثناء اللہ خاں

۲۱ رمضان المبارک ۲۰۱۶

رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے گھر میں

سیدنا محمد بن عبداللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے اردگرد وسیع اور لق و دق صحرا میں چند درہم کے عوض قریش کی بکریاں چراتے اور عموماً دوراز کار سوچوں میں محو رہتے۔

آپ ﷺ لوگوں کی بکریاں چند درہم کے عوض اس لیے چرانے جایا کرتے تا کہ اپنے بوڑھے چچا ابوطالب کی کچھ معاونت کر سکیں۔

آپ ﷺ کے بوڑھے چچا اپنی زندگی کی تمام بہاریں دیکھ چکے تھے اور ایک بہت بڑے خاندان کے سربراہ کے طور پر اپنی عمر کے الوداعی سنگہائے میل کی طرف خراماں خراماں بڑھ رہے تھے۔ محمد بن عبداللہ ﷺ اپنے چچا کے خاندان کے لیے ضروریات زندگی مثلاً طعام ولباس وغیرہ کمانا چاہتے تھے۔

آپ ﷺ اپنے بچپن ہی میں اپنے اس چچا کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتے۔ آپ چاہتے تھے کہ چچا کے حصے کی کچھ پریشانیاں بانٹ لیں، تا کہ آپ ﷺ اپنے چچا اور ان کے کنبہ پر ناروا بوجھ نہ بن جائیں۔ آپ ﷺ کے ذہن میں ماضی قریب اور ماضی بعید کی یادوں کے دریچے واہو رہے تھے۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے بچپن کے ابتدائی ایام کی باتیں سنی۔ جب سے آپ اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کے گھر میں جلوہ افروز تھے۔ آپ کے ذہن میں بنوسعد کے چٹیل بے آب وگیاہ صحراؤں کا عکس نظر آنے لگا۔ جب آپ اپنے چھوٹے رضاعی

بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چراتے۔ آپ کے چاروں طرف لق ودق صحرا پھیلا ہوتا اور تاحد نظر نیلگوں آسمان اور سفید چمکیلا صحرا معانقہ کرتے نظر آتا۔ بنوسعد کے میدانوں میں اپنے چھوٹے' بہن بھائیوں کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے۔ خصوصاً اپنی بڑی رضاعی بہن شیما کے ساتھ آپ کو گزرے ہوئے واقعات گدگدانے لگتے۔

کبھی کبھار آپ ﷺ چھوٹے بچوں کی طرح اپنی بہن کو اچانک پن سے حیران کردیتے اور کبھی کبھار آپ اس کے ساتھ مزاح کررہے ہوتے۔ کچھ وقت آپ دونوں بہن بھائی مزاح کرتے اور ہنستے مسکراتے گزارتے۔ بعض اوقات آپ اپنی بہن کی پیٹھ پر محبت بھرے انداز میں اپنے دانت گاڑ دیتے۔

نبی ﷺ کو اپنی رضاعی ماں حلیمہ کے ہاں اپنی اہمیت کا احساس وعلم تھا۔ نیز آپ یہ بھی بخوب جانتے تھے کہ رضاعی باپ کے نزدیک بھی ان کا کیا مقام ہے۔ چنانچہ وہ دونوں میاں بیوی اپنی تمام اولاد پر محمد ﷺ کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے لیے ان دونوں کی آنکھوں میں محبت وتکریم کے انمٹ پیغامات واضح طور پر پڑھ سکتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے بچپن کی یادوں کو دہراتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جب آپ کی رضاعی ماں آپ کو لے کر آخری بار مکہ مکرمہ میں آئیں۔ (تب آپ ﷺ پانچ سال کے ہوچکے تھے)۔ تاکہ وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی والدہ محترمہ کے حوالے کردے۔ جو ممتا بھری نگاہوں سے آپ ﷺ کی منتظر رہتیں۔ آپ ﷺ کی والدہ ہمیشہ آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتیں اور اپنی خادمہ ام ایمن کو ہمیشہ آپ ﷺ کے متعلق خصوصی نگہداشت کے لیے توجہ دلاتیں رہتیں۔

رسول اللہ ﷺ کے تصورات میں وہ منظر بھی آنے لگا جب آپ ﷺ اپنی والدہ اور خادمہ ام ایمن کے ہمراہ اپنے ماموؤں سے ملاقات کے لیے وادئ یثرب کی طرف ایک قافلے میں شریک تھے۔ جب آپ کی والدہ محترمہ آمنہ آپ کو لے کر واپسی کے ارادے

سے مکہ مکرمہ کے قریب ابوا کے مقام پر پہنچیں تو وہ بیمار ہوگئیں اور وہیں ان کی بیماری شدت اختیار کرگئی۔ پھر آپ ﷺ کے ذہن میں وہ منظر بھی آنے لگا کہ جب آپ ﷺ نے اپنی والدہ کی آنکھوں میں ممتا کے آنسو تیرتے ہوئے دیکھے۔ جن آنکھوں میں آپ کو محبت وشفقت کے تمام معانی نظر آتے ۔ آپ کو عجیب احساس نے گھیرلیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے آپ کو اپنے ساتھ چمٹالیا۔ اس سے پہلے تو انہوں نے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا تھا۔ پھر والدہ محترمہ آپ کی خادمہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسے رسول اللہ ﷺ کی پرورش کے متعلق خصوصی عنایت واہتمام کے بارے میں وصیت کرنے لگیں اور اس عظیم امانت کی اہمیت بتلانے لگیں۔

وہ لمحات انتہائی دردانگیز تھے۔ جب آپ ﷺ نے اپنی محبوب والدہ کی وہ آنکھیں بے نور ہوتے دیکھیں کہ جن میں ہمیشہ آپ کے لیے پیار و محبت کے دیپ روشن رہتے۔ آپ کے معصوم ذہن کے کسی گوشہ میں یہ تصور پختہ ہونے لگا کہ کوئی بڑا حادثہ رونما ہو چکا ہے۔ خصوصاً جب آپ ﷺ نے ام ایمن کو مضطربانہ حال میں دیکھا کہ وہ چپکے چپکے آنسو بہارہی ہے۔ جن سے ان کا چہرہ بھر جاتا اور وہ آنسو آپ کی والدہ محترمہ کے ساکن چہرے کو چھپالیتے۔

ام ایمن نے آپ کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور جلدی سے قافلے میں پہنچ گئیں۔ قافلے والوں نے خاموش چہروں سے آپ کا استقبال کیا۔ پورے قافلے پر غم کی علامات نمایاں تھیں ۔ وہ سب ام ایمن اور آپ کو عجیب وغریب نگاہوں سے بغور دیکھ رہے تھے۔ آپ کو وہ منظر بھی بار بار یاد آتا کہ جب آپ نے اپنا بقیہ سفر اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہی کے بغیر کیسے طے کیا۔

ام ایمن بھر پور کوشش کرتی کہ آپ کو بہلا سکے۔ باوجود یکہ آپ ساکت وجامد رہتے اور خلاؤں میں اپنی نظریں گاڑے انجانی سوچوں میں گم رہتے۔ آپ چاہتے کہ وہ تمام

سوالات ام ایمن سے پوچھیں جو آپ کے ذہن میں ہجوم بن کر آئے لیکن آپ کی زبان گنگ ہو جاتی۔

آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ ام ایمن نے خادمہ اور والدہ محترمہ کی عبا زیب تن کر لی ہے۔ چونکہ وہ آپ کے ساتھ اور آپ اس کے ساتھ گھل مل گئے۔ خصوصاً جب ام ایمن نے آپ کے متعلق آپ کی والدہ محترمہ کی وصیتوں پر پوری طرح عمل کیا۔ آپ ﷺ کو وہ گھڑی بھی یاد آئی کہ جب قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ سینے سے لگایا۔ آپ نے اپنے بوڑھے دادا کے چہرے اور اپنے سارے چچاؤں کے چہروں پر شفقت ورحمت کے وہ آثار دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ تب آپ کو احساس ہوا کہ آپ کو مستقبل میں اہم ذمہ داریوں سے پالا پڑنے والا ہے۔ جو سہل نہیں اور عام لوگوں کی طرح بھی نہیں ہوں گی۔ بہر حال غم والم کے بادل آہستہ آہستہ چھٹنے لگے اور حیران دپریشان نگاہیں اور ساکت و جامد چہرے سے غم کے بادل غائب ہونے لگے اور وہ محتاط آوازیں جو آپ ﷺ اکثر سنا کرتے تھے، آہستہ آہستہ سنائی دینے لگیں اور زندگی معمول کی ڈگر پر چل پڑی۔

مردوں میں سب سے زیادہ مشفق و مہربان ہستی آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کی صورت میں ملگئی۔ آپ ﷺ کے دادا کا آپ کے ساتھ اہتمام ہنگامی یا عارضی نہ تھا۔

لوگ کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی ولادت پر آپ کے دادا جس قدر خوش ہوئے اس قدر کسی بچے کی ولادت پر اس کا اپنا باپ بھی خوش نہیں ہوتا، حالانکہ عبدالمطلب خود کثیر الاولاد تھے۔ بلکہ ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بکثرت تھے۔ آپ ﷺ کی ولادت کے بعد عبدالمطلب کے خادمائیں آپ کو اٹھا کر عبدالمطلب کے پاس لے گئیں۔

عبدالمطلب آپ کو کعبہ کے اندر لے گئے اور آپ ﷺ کو رب کعبہ کی پناہ میں دیا اور جب عبدالمطلب کو پوری تسلی ہوئی، تب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی والدہ محترمہ کے حوالے کیا اور بیٹے کے متعلق ان کو نیکی و بھلائی کی وصیت کی اور دادا نے اپنے

پوتے کا نام ''محمد'' رکھا اور جب آپ ﷺ کی قوم والوں نے ان سے پوچھا کہ اس نام کی وجہ تسمیہ بتائیں کہ جو نام ان میں پہلے کسی کا نہ تھا۔ عبدالمطلب گویا ہوئے کہ مجھے امید ہے کہ میرے اس پوتے کی لوگ تعریف کریں گے۔ محمد ﷺ کو اپنے دادا کے پیار کو حاصل کرتے احساس ہوتا کہ گویا آپ ان کے بیٹے ہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کو یہ احساس بھی گھیرے رکھتا کہ عبدالمطلب اپنی سب اولاد پر آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔

دادا کی آپ کے ساتھ شدت محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ جب بھی آپ کو پکارتے تو کہتے اے میرے بیٹے! اور کبھی بھی انھوں نے آپ ﷺ کو عبداللہ کے بیٹے کہہ کر نہیں پکارا۔

عبدالمطلب ہمیشہ ام ایمن کو آپ کے متعلق خاص اہتمام کی وصیت کرتے رہتے۔ مزید برآں عبدالمطلب جب بھی کوئی کھانا تناول فرماتے تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ کا پوتا محمد بن عبداللہ آپ کے پہلو میں نہ ہوتا۔ دادا اپنے پوتے کو اپنے کھانے پینے اور اپنی خصوصی محفل میں ضرور شریک کرتے۔

اسی وجہ سے محمد ﷺ کو یک گونہ اطمینان حاصل ہو چکا تھا اور اس شفقت پدری پر آپ ﷺ پوری طرح مطمئن تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنے دادا ٹوٹ کر محبت کی اور انہیں اپنے والد کی طرح احترام واکرام دیا۔ جس سے دادا حضور اور پوتے کی محبت پوری قوم میں ضرب المثل بن گئی۔

ہر روز آپ کو اپنے دادا کے چہرے پر شفقت و محبت کے نئے نئے رنگ بکھرتے نظر آتے۔ آپ ﷺ جب بھی ان سے کوئی چیز طلب کرتے جناب عبدالمطلب آپ کو مہیا کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے دادا کے چہرے پر نفرت یا تیوری کو نہیں دیکھا۔

عبدالمطلب قریش مکہ کا سربراہ تھا۔ ان کا معاشرے میں رعب ودبدبہ اور ہیبت وجلال تھا اور ان کی نگرانی میں بیت اللہ کے اہم امور سرانجام پاتے تھے۔ جس سے ان کی شان بلند ہو جاتی تھی۔ ان کے ذمہ حاجیوں کو پانی پلانے اور ان کی مہمان نوازی کی ذمہ داری تھی۔

اور چاہ زمزم معدوم ہونے کے بعد اس نے ہی دوبارہ دریافت کیا اور اسے آباد کیا۔ پھر حاجیوں کو وہاں سے پانی پلایا اور اہل مکہ کو سیر کیا۔ تب ان کے وقار کو چار چاند لگ گئے۔ اس مقام و مرتبے سے محمد ﷺ کو بھی وافر حصہ ملا اور ان کی نسبت ان کے دادے کی طرف ہی ہوگئی۔ محمد ﷺ کی لوح یادداشت پر یہ نقش بھی ابھرنے لگا کہ آپ کے دادا کی محفل کعبۃ اللہ کے پاس جمتی تھی۔

عبدالمطلب پہلے ان کے بیٹے محفل کا انتظام وانصرام خود کرتے اور اپنے ابا کے لیے تخت شاہی بچھاتے، جس کے اوپر ایک سائبان بھی بناتے جس کے سائے میں عبدالمطلب جلوہ افروز ہوتے۔ سب حاضرین اپنے سربراہ کی آمد سے پہلے محفل میں حلقہ بگوش ہو جاتے۔

محمد رسول اللہ ﷺ بھی جو ابھی تک اپنے لڑکپن کی حدوں کو چھو رہے تھے۔ اپنے چچاؤں کے ہمراہ اپنے دادا کی تشریف آوری کا انتظار کرتے، لیکن کبھی کبھار تخت سربراہی پر بھی بیٹھ جاتے۔ دراصل آپ اپنے دادا کی محبت کی وجہ سے اس جگہ سے بھی محبت کرتے۔

یہ دیکھ کر آپ کے بعض چچا اٹھ پڑتے اور اپنے بھتیجے کو اس ادا سے روکنے کی کوشش کرتے، کیونکہ بڑوں کی موجودگی میں انہیں بچے کی یہ حرکت اچھی نہ لگتی۔ نیز آپ کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی کہ اس محفل میں لوگ حسب مراتب بیٹھتے ہیں' بڑے آگے اور چھوٹے پیچھے جبکہ وہ بذات خود یتیم وفقیر تھے۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے مقام سے بڑھ کر کسی اونچی منزلت کی خواہش کریں۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ سربراہ کی جگہ پر چڑھ دوڑیں۔

ان کا اصل مقام تو خاندان کے چھوٹے بچوں کے ہمراہ ہے کہ جو گلیوں اور صحنوں میں دوڑتے پھرتے ہیں، ممکن ہے کہ کبھی کسی چچا نے آپ کو اشارتاً کہہ دیا ہو کہ انہیں بھی کھیل کے لیے چلے جانا چاہیے اور بڑوں کو اہم فیصلوں کے لیے خلوت مہیا کرنی چاہیے اور انہیں پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ عبدالمطلب نے جب ایک بار محفل سے دور رہ کر دیکھا کہ ان

کا ایک بیٹا چھوٹے بچے کو پکڑ کر تخت سربراہی سے نیچے اتار رہا ہے اوراس کے چہرے پر تیوریاں بھی نظر آ رہی ہیں۔تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کو اشارے سے سمجھایا کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرے۔

عبدالمطلب نے بچے کو اپنی بانہوں میں اٹھالیا اوراضافی شفقت و محبت کے ساتھ تخت پر اپنے پہلو میں بٹھالیا اور بچے کی پیٹھ تھپکنے لگے' تاکہ اس کی ڈھارس بندھے۔ پھر سردار اپنے بیٹوں کی طرف متوجہ ہوکر گویا ہوا کہ تم میرے بیٹے کو میرے تخت پر بیٹھنے سے نہ روکو، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اسے کہاں بیٹھنا چاہیے۔ اللہ کی قسم! اس کا معاملہ بہت خاص ہے۔ اس دن سے قریب وبعید کے سب لوگوں پر واضح ہوگیا کہ عبدالمطلب اپنے یتیم پوتے سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔تب سے وہ محمد بن عبدالمطلب کہنے لگے، بجائے اس کے کہ وہ محمد بن عبداللہ کہہ کر پکاریں۔

اس کے بعد محمد ﷺ کی چشم تصور نے ایک اور دردانگیز منظر دیکھا کہ جس دن آپ کی آنکھیں بہہ پڑی تھیں' یہ وہ کربناک دن تھا کہ جس دن میں ان کے مشفق دادا اس جہان فانی سے رخصت ہوئے تھے۔اس دن سارا مکہ ہی غمگین تھا۔ مکہ میں رہنے والے مردوزن بچے اور بوڑھے سب ہی مغموم تھے۔ بلکہ مکہ کے پہاڑ اور وادیاں اور بیت اللہ اپنے خادم اعلیٰ کی جدائی میں غمزدہ تھے۔ لوگوں کی آنکھیں اپنے عظیم سربراہ کی موت کی وجہ سے پتھرا گئی تھیں۔لیکن محمد ﷺ کا غم سب سے بڑھ کر تھا اورآپ ﷺ کا دکھ درد بھی سب سے سوا تھا۔ یہ اس لیے کہ لوگوں کا تو صرف سربراہ نہ رہا تھا لیکن محمد ﷺ کے لیے دادا کی جدائی کی وجہ سے بہت سی نعمتوں سے محروم ہونا پڑا۔آپ ﷺ کا سب سے بڑا غم تو آپ کی کم سنی تھی، چونکہ آپ ابھی تک بمشکل آٹھ سال کے تھے۔

آل ہاشم کا نیا سربراہ

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آل ہاشم کی سربراہی ابوطالب کو ملی جو عبداللہ کے حقیقی

بھائی تھے، اسی وجہ سے محمد بن عبداللہ ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری بھی انھی کو سونپ دی گئی۔ محمد ﷺ نے وہ منظر بھی یاد کیا جب وہ اپنے دادا عبدالمطلب کے گھر سے اپنے چچا ابوطالب کے گھر میں منتقل ہوئے۔ چونکہ دادا کی وفات سے ان کے اندرون خانہ حالات تبدیل ہوچکے تھے۔ ان کے تمام چچا اپنے اپنے گھروں اور اپنے اپنے معاملات میں مصروف ہوگئے۔

محمد ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ ان کا حقیقی چچا ابوطالب ایک بڑے دل والا وسیع القدر صادق الحب اور نرم خوانسان ہے اور دیگر چچاؤں کی نسبت آپ پر سب سے زیادہ مہربان ہے۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب ہی آپ ﷺ کے کفیل ٹھہرے، کیونکہ ابوطالب اور عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھیں، جن کا تعلق بنومخزوم سے تھا۔ لہٰذا محمد ﷺ کا جتنا مقام و مرتبہ اس کے ہاں تھا۔ اتنا مقام و مرتبہ محمد ﷺ کا دیگر چچاؤں کے پاس نہ تھا۔ باپ کی طرف سے تو عبداللہ کے بھائی تھے لیکن ان کی مائیں مختلف تھیں، لیکن ابوطالب ماں باپ دونوں کی طرف سے عبداللہ کا حقیقی بھائی اور محمد ﷺ کا حقیقی چچا تھا۔

آپ کے دادا کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا تعلق اور لزوم صحبت آپ ﷺ کے چچا کے ساتھ آپ ﷺ کے دادا سے بھی بڑھ کر تھی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اب آپ جوں جوں بڑے ہورہے تھے اور آپ ﷺ کے شعور و احساس میں پختگی آرہی تھی۔ آپ ﷺ اپنے چچا کے بغیر لمحہ بھر بھی سکون سے نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی حال آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا تھا۔

اسی طرح محمد ﷺ اپنی چچی فاطمہ بنت اسد کے ساتھ بھی منسلک ہوگئے۔ آپ ﷺ کو ان کی آنکھوں میں بھی اپنے لیے خلوص بھرے پیار و محبت کی پرچھائیں نظر آئیں۔ آپ کی چچی نے آپ کو اپنی آغوش محبت میں لے لیا اور آپ پر اپنے کسی بیٹے کو کبھی ترجیح نہ دی۔ آپ کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ تھا۔

آپ ﷺ اپنی چچی کو ہمیشہ امی جان کہہ کر پکارتے۔ اسے بھی اس پکار میں اپنائیت محسوس ہوتی جس سے ان کی آنکھوں سے آنسو امڈ آتے وہ یہ کہ یہ خوشی کے آنسو ہیں

یاد کھ کے۔

دکھ تو اس یتیم کا تھا۔ جسے یہ علم نہ تھا کہ وہ پیار بھرے الفاظ سے کس کو پکارے کہ جن الفاظ سے اس کی عمر کے بچے اپنے والدین کو پکارتے ہیں۔ویسے کلمات بچوں کے دلوں کی گہرائی سے نکلتے ہیں۔دن میں کئی مرتبہ ان کی زبانیں یہ الفاظ دہراتی ہیں۔دیگر الفاظ کا وہ اپنی زبانوں سے اس قدر تکرار نہیں کرتے۔

سیدہ فاطمہ جب ماں کا لفظ سنتی تو خوشی سے جھوم اٹھتی ۔سیدنا محمد بن عبداللہ ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ ان کی چچی فاطمہ بنت اسد کسی روز ذرہ بھر بھی مجھ سے غافل نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ تو آپ کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھی۔

اور جو بات اس کو اس بچے کا زیادہ خیال رکھنے پر مجبور کرتی وہ یہ تھی کہ وہ جب بھی دیکھتی وہ ان کو بے شمار سوچوں میں غرق دکھائی دیتا۔تب فاطمہ کی توجہ اس بچے کی طرف سمٹ آتی ۔تو وہ اس سے سوال کرتی کہ اسے کیا چیز پریشان کرتی ہے۔وہ اپنی طرف سے مختلف جوابات دیتے، لیکن فاطمہ کی تسلی نہ ہوتی۔

محمد ﷺ کو یاد آیا کہ میرے جوابات سے جب فاطمہ کو تسلی نہ ہوئی تو پھر وہ اپنے اندیشوں کا اظہار ابوطالب سے کرتی۔ابوطالب سے بھی جب کوئی تسلی بخش جواب بن نہ پڑتا تو وہ کہتے فاطمہ تو تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہے۔ یہ بچہ اللہ کی نعمت کے سائے تلے پرورش پا رہا ہے اور محفوظ ہے۔

محمد ﷺ کو وہ منظر بھی یاد آ گیا کہ جب ان کا چچا ایک دن آپ ﷺ سے اس وجہ سے ناراض ہو گیا کہ آپ ان کے معبود اصنام سے نفرت کرتے تھے۔وہ ان کی تعظیم بجانہ لاتے اور کبھی بھی بتوں کی تعریف ان کی زبان سے نہ سنی گئی۔ چچا کو اس کا ڈر پیدا ہوا کہ کہیں اصنام ناراض ہو کر اس بچے کی وجہ سے ہم سب پر اپنا قہر نہ برسا دیں۔

آپ ﷺ کو یاد آیا کہ میرے چچا کے سب گھر والے اس وقت تک میری منتیں کرتے

رہے جب تک میں ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوگیا۔ میں صرف ان کو خاموش کرنا چاہتا تھا۔

تمام گھر والے اپنی امید برآنے پر بڑے ہی خوش تھے اور آپ ﷺ کو لے کر شاداں و فرحاں اپنے بت کی طرف عید کے دن چل پڑے۔

آپ ﷺ گھر والوں کے ساتھ ان سب مقامات پر گئے جہاں جہاں وہ گئے۔ وہ جب بت پر چڑھاوے چڑھانے لگے اور نذر و نیاز کی طرف ان کا دھیان گیا تو وہ لمحہ بھر کے لیے اس نو آموز سے غافل ہوگئے۔

ابو طالب سمیت تمام گھر والے آپ کی طرف سے مطمئن تھے کہ آپ بھی وہی کر رہے تھے۔ پھر کوئی انوکھی حرکت یا عمل آپ ﷺ سے سرزد نہ ہوا۔

اچانک انہیں احساس ہوا کہ آپ ﷺ ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ وہ سب آپ ﷺ کو تلاش کرنے لگے' نہ تو آپ دیگر لڑکوں کے ساتھ تھے اور نہ ہی خاندان کے دیگر لوگوں کے ساتھ۔

ابو طالب اور ان کے سب گھر والے مغموم اور انتہائی رنجیدہ ہو کر وہاں سے نکلے۔ جب وہ گھر پہنچے تو ان کو پتہ چلا کہ آپ تو بہت جلدی گھر آچکے ہیں، لیکن آپ کا رنگ فق ہے اور آپ نہایت خوفزدہ اور دہشت زدہ ہیں۔ آپ کو دیکھ کر کوئی بھی یہ سمجھنے میں دیر نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ﷺ بتوں کی ناراضگی کا شکار ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کی تمام چچیاں اور چچازادیوں کو یقین ہوگیا کہ آپ بتوں کے زیر عتاب آچکے ہیں اور جلد یا بدیر ان کی نحوست سب گھر والوں کو گھیرے گی۔ آپ ﷺ کے چچا نے نہایت مرعوب ہو کر آپ سے پوچھا: اے میرے بیٹے! آپ کو کیا ہوا ہے، کس چیز نے تجھے خوفزدہ کیا ہے؟ محمد ﷺ نے سہم کر ان کو جواباً کہا مجھے اندیشہ ہے کہ شیطان مجھے نقصان پہنچائے گا۔ کسی پھوپھی نے آپ ﷺ سے سوال کیا۔ میرے بچے آپ کو کیا ہوا، آپ نے کیا دیکھا؟

محمد ﷺ نے کہا: میں نے جوں ہی بت کی طرف جانے کا ارادہ کیا ایک لمبا تڑنگا آدمی سفید چوغا پہنے ہوئے چیخنے لگا۔ اے محمد! اس کو ہاتھ مت لگانا، پیچھے چلا جا۔

چچا اور سب گھر والوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہیں احساس ہونے لگا کہ پیڑ بڑا ہی پراسرار ہے اس کے ساتھ کوئی راز وابستہ ہے۔

اس وقت سے ابوطالب نے آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے سب گھر والوں نے بھی آپ ﷺ کے معاملات میں دخل اندازی ترک کردی۔ پھر آپ ﷺ کے گھر والوں کو آپ ﷺ کی ایک اور حالت کا پتہ چلا کہ آپ ﷺ بتوں پر چڑھاوے والی چیز کو بالکل ہاتھ نہیں لگاتے اور وہاں مذبوح جانور سے نفرت کرتے ہیں۔ گھر میں سب لوگ ان کے بچپن کے باوجود ایسی عادات پر تعجب کیے بغیر نہ رہ سکے۔

محمد ﷺ کو وہ دن بھی یاد آیا جس دن آپ کا چچا ابو طالب ایک قافلے کو لے کر شام کی طرف روانہ ہونے لگا کہ ایک سفر میں آپ نے اپنی والدہ کو گم کر دیا تھا اسی طرح عین ممکن ہو کہ اس سفر میں آپ ﷺ کا مشفق چچا بھی ان سے بچھڑ جائے۔ یہ سوچ کر محمد ﷺ اپنے چچا کے ساتھ چمٹ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے کپڑوں کو پکڑ لیا اور کبھی بھی ان سے علیحدہ ہونے سے انکار کر دیا۔

محمد ﷺ کو یہ تو پتہ نہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کو اپنے چچا کی اس پریشانی کا احساس تھا جو ان کو آپ ﷺ کے اس اچانک رویے کی وجہ سے ہو رہی تھی کہ جب اتنے طویل سفر میں وہ چھوٹے بچے کو ساتھ لے گئے تو کتنی مشکلات پیش آئیں گی۔ یہ اس لیے کہ آپ عمر کے جس حصے میں تھے آپ ﷺ کو گھریلو نگہداشت کی زیادہ ضرورت تھی۔ اگر آپ ﷺ اپنے چچا کے ہمرکاب ہو جاتے تو وہ کس طرح آپ ﷺ کا خیال رکھتے۔ جبکہ وہ اپنی تجارت میں بھی مصروف ہوں گے اور سفر کی دشوار

یوں کو بھی جھیلنا پڑے گا۔ نیز تمام قافلہ والوں کی خبر گیری بھی انہیں کرنا ہوگی لیکن وہ لڑکے کو کسی طرح چچا سے علیحدہ ہونے پر آمادہ نہ کر سکے اور نہ گھر والے اس نوعمر کو بہلا پھسلا سکے کہ وہ قافلے میں جانے کا خیال دل سے نکال دے۔ چچا کے اندیشے جوں جوں بڑھ رہے تھے' بھتیجے کا اصرار بھی زور پکڑ رہا تھا۔ بالآخر چچا کو ہار ماننا پڑی۔ اسے اپنے یتیم بھتیجے پر ترس آ گیا کہ ہوسکتا ہے اس سفر سے میں واپس نہ آؤں تو معصوم بھتیجے کے معصوم دل پر لگنے والا گھاؤ کیسے مندمل ہوگا۔ وہ گویا ہوئے:

''فاطمہ! میرے بھتیجے کو تیار کرو۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ فاطمہ کو دوسرا بڑا دھچکا لگا کہ اول تو بچے کو چچا کے ساتھ نہ جانے پر آمادہ نہ کر سکی۔ پھر چچا خود بچے کو ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو رہا ہے۔''

اس نے بچے کو تیار کیا لیکن دل میں انجانے وسوسے بھی پل رہے تھے۔ بالآخر اس نے بچے کو اللہ عزوجل کے بھروسے پر قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا۔ محمد ﷺ کو سفر کے سب مناظر یکے بعد دیگرے یاد آنے لگے۔ قافلہ مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب رواں دواں تھا۔ یثرب سے گزر کر خیبر پہنچا۔ پھر تیما، پھر تبوک کی طرف گامزن ہوگیا۔ بہت طویل اور پرمشقت سفر تھا۔ بالآخر سفر کی منازل طے کرتا ہوا قافلہ شام کے علاقے بصریٰ تک آ پہنچا جو اس وقت شام کا دروازہ کہلاتا تھا اور یہ شہر سرحدی بین الاقوامی منڈی کے طور پر جانا جاتا تھا۔

محمد ﷺ کو یاد آیا کہ دوران سفر آپ کے چچا نے آپ کو راحت پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور آپ کو یہ احساس بھی تھا کہ دوران سفر آپ کا چچا آپ کی پوری طرح حفاظت کرتا رہا۔ وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کے متعلق تھکاوٹ، مرض، بھوک، پیاس اور سردی گرمی کا احوال پوچھتا رہا۔ بلکہ تمام سفری دشواریوں اور پریشانیوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرتا رہا۔

محمد ﷺ کو وہ دن بھی اچھی طرح یاد آیا جس دن قافلہ شام کے متمدن وترقی یافتہ شہر بصریٰ میں داخل ہوا۔قافلے والوں نے اپنے اونٹ ایک پررونق بازار کے ایک طرف بٹھائے۔جسے کالے ستونوں اور محرابوں سے سجایا گیا تھا۔آپ نے پہلی بار وہاں ایسے ایسے بلندوبالا محلات دیکھے جن کے متعلق آپ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہاں آپ ﷺ نے مختلف طبقات کے لوگ دیکھے۔ان میں آزاد بھی تھے اور غلام بھی تھے۔ دولت مند بھی تھے اور فقیر بھی۔

ایک دن آپ ﷺ کے چچا نے آپ کو چاروں طرف سے عالیشان عمارتوں میں گھرے ہوئے ایک بلندوبالا معبد کے پاس ٹھہرایا اور آپ کے ہمراہ کچھ خادم اور نگران چھوڑے اور انہیں آپ ﷺ کی حفاظت کرنے کی خصوصی ذمہ داری سونپی۔ وہ وہاں گھنے درختوں کے سائے میں بیٹھ گئے۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ابوطالب آپ کے پاس لوٹ آیا۔اس نے آپ ﷺ کے ہاتھوں کو شفقت سے چوما اور ایک دومنزلہ عمارت کی بالائی منزل پر آپ ﷺ کو لے گیا۔ وہاں ایک تنگ سی کوٹھڑی میں ایک محفل منعقد تھی۔ وہاں آپ کی ملاقات ایک آدمی سے ہوئی جس کا چہرہ بارونق تھا۔اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور کچھ دیر تک تھامے رکھا۔اپنی نظریں آپ ﷺ کے چہرے پر گاڑ دیں، پھر اچانک آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر ہٹائی اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ سے کچھ ٹٹولا۔اس نے آپ ﷺ کی گردن اوپر کی اور کافی دیر تک غور سے دیکھتا رہا۔

وہ آپ ﷺ سے مسلسل سوالات پوچھ رہا تھا۔ان کے جوابات وہ پورے انہماک سے سنتا تھا۔محمد ﷺ کو یاد آیا کہ آپ کو اس آدمی سے اس وقت گھن آنے لگی جب اس نے آپ ﷺ کو کہا کہ لات اور عزیٰ کی قسم اٹھاؤ۔آپ ﷺ نے غصے اور نفرت سے ایسے

جواب دیا:

''تم مجھ سے ان دونوں کے متعلق کچھ مت پوچھو۔ جتنی نفرت مجھے ان دونوں سے ہے اتنی اور کسی سے نہیں۔''

محمد ﷺ کو کتنی حیرانگی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اس اجنبی آدمی نے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب سے پوچھا کہ اس لڑکے کا باپ کہاں ہے؟ ابوطالب نے بڑی احتیاط اور متزلزل ارادے سے کہا: ''میں ہی اس کا باپ ہوں۔'' اس آدمی نے ابوطالب کے چہرے کو غور سے دیکھا اور حیرانی سے کہا:

''اس لڑکے کے والد کو زندہ نہیں ہونا چاہیے۔'' اس کی بات سے ابوطالب کو نہایت خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بڑا ہی مضطرب اور پریشان ہوا۔ بالآخر تھرتھراتی زبان سے کہنے لگا: ''میں اس کے باپ کا قائم مقام ہوں۔ میں اس کا چچا ہوں اور وہ میری زیر کفالت ہیں۔ اس کا والد مدت دراز ہوئی فوت ہو چکا ہے۔ تب وہ اجنبی مطمئن انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔'' بعد میں پتہ چلا کہ وہ علاقے کا مشہور عالم کتب سماویہ ''بحیرا الراہب'' تھا۔

کافی دیر تک وہ خاموش رہا، پھر اپنا سر اٹھایا اور سرگوشی کے انداز میں ابوطالب کو کہنے لگا:

''اے مرد دانا! اپنے بھتیجے کی خصوصی حفاظت کر۔ خاص کر یہودیوں سے اسے کوئی گزند نہ پہنچنے دینا۔ اگر وہ اس تک پہنچ گئے تو ضرور اسے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔''

محمد ﷺ کو یاد آیا کہ اس دن آپ کا چچا آپ کے ہمراہ جب اس اجنبی آدمی کے پاس گئے تھے تو ان کے چہرے کا رنگ اور تھا لیکن اس آدمی سے ملاقات کے بعد جب واپس آئے تو چچا کے چہرے کا رنگ بالکل تبدیل ہو چکا تھا اور وہ آپ ﷺ کے لیے پہلے سے زیادہ فکرمند تھے۔

چہرے کی رنگت کی یہ تبدیلی سفر کی مشقت اور تھکاوٹ کی وجہ سے نہیں تھی اور نہ ہی

شدت بھوک و پیاس کی وجہ سے تھی۔ بلکہ ایک ایسے انجانے خطرے کی وجہ سے بھی جس کے متعلق اس سے پہلے ان کو کبھی خیال نہ آیا تھا۔ وہ رات بھر پریشان رہے۔ انہوں نے ایک لحظہ کے لیے بھی اپنے بھتیجے کو اپنے آپ سے جدا نہ کیا۔

اور شاید محمد ﷺ کے دل میں یہ خیال گزرا ہو اور آپ ﷺ نے اپنے آپ سے یہ سوال پوچھا ہو۔ یہود کون ہیں؟ شاید آپ نے مکہ مکرمہ میں ان کے متعلق کبھی کچھ سنا ہو، وہ مکہ جو آپ ﷺ کی ساری دنیا تھی۔ آپ ﷺ نے پھر سوچا ہوگا اب وہ کہاں ہیں اور میرے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے۔ اور وہ مستقبل میں میرے درپے آزاد کیوں ہوں گے؟ میرا اور ان کا کیا معاملہ ہے؟

ابوطالب اس وقت تک بالکل بے سکون رہا جب تک قافلہ واپس مکہ نہ آ پہنچا۔ اونٹوں سے کجاوے اور پالان اتارے گئے۔ انہیں چراگاہوں میں پروانہ کر دیا گیا۔ تمام لوگ اپنے گھروں کو چل دیا۔ ابوطالب بھی اپنی ملکہ فاطمہ کے پاس آ پہنچا۔ تو چند سکون کے سانس بھرے۔ جب ابوطالب کو فاطمہ کے ساتھ خلوت میسر آئی تو وہ اسے بحیرا الراہب سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل بتانے لگا۔ ابوطالب نے اپنی بیوی سے کچھ نہیں چھپایا۔ سب کچھ من وعن ان کے گوش گزار کر دیا۔ اسے بھی ابوطالب کی طرح بڑا تعجب ہوا اور وہ پکار اٹھی ،محمد کا سفر پر آپ کے ساتھ جانا ایک مقدر امر تھا جو اللہ کی طرف سے تھا۔ تاکہ تجھے اس معاملہ کا علم ہو جائے۔ وگرنہ محمد آپ کے ساتھ یوں مل کر نہ رہتے اور تمہارا دل بھی ان کے ساتھ یوں نرم نہ ہوتا اور میں اسے سفر میں آپ کے ساتھ جانے سے کیوں روک نہ سکی۔

اے ابوطالب! ہر آج کے بعد کل آتی ہے۔ بے شک محمد کے پیچھے بہت بڑا راز پوشیدہ ہے۔ کچھ تو ہمیں ماضی میں مشاہدہ ہو چکا ہے اور جوں جوں یہ بچہ بڑا ہوگا اور جوانی

کی حدود کو چھوئے گا ہم پر اس کے دیگر اسرار بھی منکشف ہوتے رہیں گے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی پہلے سے بھی زیادہ احتیاط کے ساتھ حفاظت کریں۔

اب ابوطالب کی باری تھی۔

وہ گویا ہوئے:

''ایسا تب ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور وہ یہود اور دیگر دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے۔اے فاطمہ! اس بچے کی وجہ سے میرا دل دھک دھک کر رہا ہے۔''

فاطمہ نے کہا:

''مکہ میں تو کوئی یہودی نہیں رہتا لیکن کبھی کبھار وہ تجارت کے لیے آ جاتے ہیں۔ میرے خیال میں راہب سے ہونے والی گفتگو کو آپ سب لوگوں سے پوشیدہ رکھیں اور یہ بچہ ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیے۔محمد ﷺ کو یاد آیا کہ شام سے واپسی کے بعد ان کی چچی فاطمہ بنت اسد کا آپ ﷺ کے ساتھ اہتمام اور لطف وشفقت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ بلکہ جوں جوں آپ ﷺ بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کی حدوں کی طرف بڑھنے لگے، گھر والوں کا آپ کے ساتھ حسن سلوک ،اہتمام اور آپ کے متعلق احتیاط وحفاظت بھی بڑھ گئی۔گھر والوں کے اہتمام واحترام کے پہلو بہ پہلو آپ ﷺ کی طرف سے بھی تمام اہل خانہ خصوصاً چچا اور چچی دونوں کے لیے احترام واکرام اور محبت والفت میں قابل دید اضافہ ہوتا گیا۔

فاطمہ سے جب بھی اس کا خاوند آپ ﷺ کے متعلق پوچھتا وہ اپنے خاوند کے سامنے آپ ﷺ کی طرف سے اضافی محبت وتکریم کا صراحت اظہار کرتی بلکہ اسے مزید تعجب تب ہوتا جب آپ ﷺ اپنی چچی سے کوئی چیز طلب کرتے ہوئے شرماتے۔تب وہ اپنے خاوند سے کہتی کہ تمہارا بھتیجا تو پردہ نشین کنواری دوشیزہ سے بھی زیادہ شرمیلا ہے۔

محمد ﷺ کو وہ دن بھی یاد آیا کہ ایک بار فاطمہ کو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے چچا کی وجہ سے کافی خجالت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہوا یوں کہ محمد ﷺ نے سوچنا شروع کر دیا کہ آپ ﷺ اس گھر میں ایک ناروا بوجھ نہ بن جائیں۔ لہٰذا آپ ﷺ یہ کبھی پسند نہیں کر سکتے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے ان کے مشفق چچا مشقت میں پڑ جائیں، کیونکہ وہ کثیر العیال اور معاشی طور پر کمزور حال تھے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ایسے شخص کے ہاں بطور مہمان مستقل ٹھہریں؟ اسی لیے جب فاطمہ اپنے بچوں کے آگے کھانا رکھتیں تو آپ ﷺ ان سے پیچھے کھسک جاتے۔ آپ ﷺ کھانے والوں کی کثرت اور کھانے کی قلت کی وجہ سے کھانے کے برتن کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے جبکہ بچوں کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دلی جذبات اور اپنی جسمانی حرکات وسکنات کو کس طرح قابو میں رکھیں۔

لیکن آپ ﷺ اپنے دلی استغنا فطری حیا اور باوقار مزاج کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو کھانے کی طرف بڑھنے سے روکے رکھتے۔

آپ ﷺ کو یہ لمحات بھی یاد آ گئے کہ آپ ﷺ کی عادات ومعمولات کی وجہ سے فاطمہ بڑی پریشان ہوتی اور جب کھانا تیار کرتی تو آپ ﷺ کو کھانے کی رغبت دلاتی۔ بلکہ بعض اوقات پراصرار طریقے سے فاطمہ آپ کو کھانے کی طرف لے آتی۔ عموماً آپ ﷺ کو کھانے والے برتن کی تہہ سے چند لقمے کھلا دیتی، کیونکہ اسے احساس ہوتا کہ آپ ﷺ نے برضاء ورغبت کھانا نہیں کھایا۔

فاطمہ کے تعجب میں اضافہ یہ سوچ کر ہوتا کہ اس سے اپنے بچے بے تحاشہ ندیدے پن سے کھانے کے باوجود کھانا کم ہونے کی شکایت کرتے اور ان کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی اور ان کے چہرے بے رونق پیلے پیلے اودھے اودھے رہتے۔ ان کے برعکس

محمد ﷺ نے کبھی کھانا کم ہونے کی شکایت نہ کی اور چند لقمے کھانے کے باوجود نہایت پھرتیلے اور مضبوط ہڈی پسلی اور جسمانی طور پر بھرپور انداز میں بڑھ رہے تھے۔ گویا آپ ﷺ ناز ونعم میں پل کر عیش وعشرت کے دلدادہ ہیں۔

محمد ﷺ کو احساس ہوا کہ فاطمہ آپ کی دن بھر نگرانی کرتی ہے کہ شاید آپ کہیں اور سے کھانا کھا لیتے ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور گھرانہ بھی آپ کی پرورش اور نگہداشت کرتا ہے۔

لیکن فاطمہ ایسا کچھ نہ دیکھ سکی اور اسے اپنی بے بسی ولاچاری پر صبر کرنا پڑا۔ تاہم اس کے اس وہم کی تصدیق کے لیے کوئی ثبوت یا مضبوط دلیل کہیں سے نہ مل سکی۔ جس سے وہ مطمئن ہو سکتی۔ محمد ﷺ کو یاد آیا کہ آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ اپنے اہل وعیال میں مشاہدہ کیا کہ جب وہ کھانے سے فارغ ہوتے چاہے وہ اکٹھا کھاتے یا تنہا کھاتے۔ ان کی بھوک ختم نہ ہو پاتی اور جب ان کا بھتیجا محمد ﷺ ان کے ساتھ کھاتا تو سب سیر ہو کر اٹھتے۔ اسی لیے ابوطالب جب بھی اپنے گھر والوں کے سامنے صبح یا شام کا کھانا رکھتا تو ساتھ ہی کہتا جب تک میرا بیٹا نہ آجائے تم میں سے کوئی کھانا شروع نہ کرے۔ تب محمد ﷺ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب کے کھانے کے بعد بھی کھانے کی کافی مقدار بچ جاتی۔

اگر ابوطالب اہل وعیال کو دودھ پلانا چاہتا تو سب سے پہلے دودھ والا برتن محمد ﷺ کو دیتا، پھر دوسروں کو دیتا۔ اس طرح سب پیتے اور خوب سیر ہوتے اور ایک ہی برتن سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ آپ ﷺ کو یاد آیا کہ آپ ﷺ کی مربیہ ام ایمن نے آپ ﷺ کی کم خوری کی عادت ملاحظہ کی۔ اس کے باوجود وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ آپ ﷺ نے بھوک کی کبھی شکایت نہیں کی۔ جب صبح ہوتی تو آپ ﷺ زمزم کے

چند گھونٹ نوش فرما لیتے۔ پھر جب دوپہر کا کھانا آپ ﷺ کے سامنے لایا جاتا تو آپ ﷺ کہتے مجھے بھوک نہیں۔ لہٰذا کھانا میرے آگے سے ہٹا لو۔

محمد ﷺ کے اس درجہ استغناء کے احساس کا منبع آپ کی فطرت سلیمہ کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ لہٰذا جوں جوں آپ ﷺ کی عقل اور شعور پختہ ہوتا گیا۔ آپ ﷺ سوچنے لگے کہ آپ کا چچا آپ پر جو عظیم احسان کرتا ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ میں بھی اس کی مدد کروں اور اس پر فضول بوجھ نہ بنوں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ اپنے دل میں متعدد مواقع پر سوچا ہو کہ میں کس عمل کے ذریعے اپنے چچا کا ہاتھ بٹا سکتا ہوں۔ جبکہ آپ ﷺ کوئی ہنر بھی نہیں جانتے۔ نیز تجارت کے علاوہ سب ہنر غلاموں کے ساتھ مختص تھے لیکن مالداروں اور معززین کا امتیازی پیشہ تھا۔

آپ ﷺ کی سوچ نے آپ کی رہنمائی آپ کی خواہش کے مطابق کر دی اور آپ صحرا میں بکریاں چرانے کے لیے تیار ہو گئے۔ جو مکہ کی آبادی سے دور تھا اور ایسی ہی جگہوں کو آپ پسند کرتے تھے۔ جہاں آپ ﷺ کو تنہائی میسر آتی اور آپ ﷺ غور و فکر کر سکتے۔ آپ ﷺ وہاں فطرت کے جمال کا مشاہدہ کرتے۔

ابوطالب کو اس دن حیرانگی کا شدید جھٹکا، لگا جب آپ ﷺ نے اپنے عزم کے بارے میں ان کو آگاہ کیا۔ اسی طرح ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد کو تعجب ہوا۔ ان دونوں کو مزید تعجب ننھے نوجوان کی منفرد سوچ پر ہوا اور ان دونوں کو آپ کی معصوم حساس اور ملامت گر فطرت پر افسوس ہونے لگا۔ آپ کے چچا طویل عرصے تک آپ ﷺ سے بحث کرتے رہے، وہ چاہتے کہ آپ کو آپ کی اس سوچ کی تکمیل سے باز رکھ سکیں۔ تاہم حسب معمول اس کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور آپ کے طویل اصرار کے بعد وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ قریش کے بعض شریف الطبع گھرانوں سے آپ ﷺ کی سفارش کریں، تاکہ وہ آپ کو کچھ بکریاں چرانے کے لیے دے دیں۔ ابوطالب ایسے گھر والوں

کو جانتا تھا، اپنے معاملات آپ ﷺ کے ساتھ خوش اسلوبی سے طے کیے اور کسی سبب کی وجہ سے یا بغیر کسی سبب کے درشت رویہ نہیں اپنائیں گے اور آپ ﷺ پر کبھی بہتان نہیں لگائیں گے۔

محمد ﷺ کو احساس ہوا کہ ان کی چچی فاطمہ صبح سویرے آپ ﷺ کے نکلتے وقت آپ ﷺ کے لیے خاص اہتمام کرتی اور آپ دیگر چرواہوں کی طرح جب صبح سویرے گھر سے نکل پڑتے تو فاطمہ آپ ﷺ کو دروازے پر الوداع کہتی اور آپ کو ایک تھیلا دیتی جس میں دن بھر کے لیے آپ ﷺ کا زادِ راہ ہوتا اور وہ آپ کو اپنا خیال رکھنے اور احتیاط کرنے کی نصیحت کرتی۔ لیکن اکثر اوقات آپ ﷺ کے ساتھ جانے والے دیگر چرواہوں کو آپ ﷺ کے بارے میں ضروری ہدایات دیتی اور جب تک آپ ﷺ واپس صحیح سلامت گھر نہ آجاتے وہ پریشان رہتی اور جب شام کو آپ گھر لوٹتے تو چچا اور چچی دونوں خوشی سے آپ ﷺ کی بلائیں، لیتے اور آپ ﷺ سے بہت زیادہ سوال کرتے تاکہ ان کو مکمل اطمینان ہو جائے۔

محمد ﷺ کو اپنے ہم جولیوں سے نئی ثقافت ملی جو آپ ﷺ کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں بکریاں چراتے۔ وہ چھوٹے گڈریے حسب عادت گھروں میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق کثرت سے گفتگو کرتے' چھوٹے بچے جب اکٹھے ہوتے ہیں تو ہر معاملے پر ہر بات سے جی بہلاتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ بچے جو افعال وحرکات سرانجام دیتے محمد کو ان کی معرفت نہ ہوتی۔

بعض اوقات کوئی بچہ اپنی جرأت، بے خوفی اور چلالاکی کے قصے سناتے۔ ایک بار دیگر گڈریوں نے آپ ﷺ کو مکہ میں وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والے میلوں کے بارے میں بتایا اور انہوں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ ان میلوں ٹھیلوں میں انواع واقسام کی موج مستی، عیاشی، دھکم پیل اور فرحت وشادمانی کے کثیر مواقع ہوتے ہیں۔ انہوں نے

آپ ﷺ کو بھی ان میلوں میں شرکت کی رغبت دلائی۔ بلکہ کبھی کبھار تو وہ آپ ﷺ کو زبردستی بھی وہاں لے جاتے۔ بالآخر آپ ﷺ نے بھی ارادہ کرلیا کہ آپ ﷺ خوشی کے ان مواقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ان میں اسی طرح شرکت کریں جس طرح آپ ﷺ کے دیگر ہم عمر شرکت کرتے ہیں۔

ایک دن ایک گڈریے نے آپ ﷺ کو حوصلہ دلایا کہ مکہ کے کچھ گھروں میں میلہ لگنے والا ہے۔ محمد ﷺ میلے والے گھروں میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ کو وہاں دف اور بانسریوں کی آوازیں سنائی دیں۔ نیز نغمات اور ترانوں کی آوازیں بھی آپ ﷺ نے سنیں اور دیگر وہ اشیاء و اعمال جو ایسی شاموں میں پیش ہوتے ہیں۔

محمد محفل سے دور ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپ لوگوں میں شامل نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ آپ دور سے ہی آوارہ مزاج بچوں کی اٹھکھیلیوں اور شوخیوں کا مشاہدہ کریں۔

ابھی چند لمحات ہی گزرے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل پر گہری نیند طاری کردی اور آپ ﷺ کو سورج کی کرنوں نے ہی بیدار کیا۔ جو آپ ﷺ کو کوڑوں کی طرح محسوس ہو رہی تھیں۔ تا آنکہ آپ ﷺ اپنے ان دوستوں کے پاس لوٹ گئے جو آپ ﷺ سے آہ وزاری کر رہے تھے کہ آپ وضاحت کریں۔ آپ ﷺ کے ساتھ کیا پیش آیا؟ لیکن آپ ﷺ سے کوئی عذر نہ بن سکا۔ اس پر انہیں بڑا تعجب ہوا۔ دوسری بار پھر انہوں نے آپ ﷺ کو ایک ایسے میلے میں شرکت کے لیے آمادہ کرلیا، لیکن اس بار بھی آپ ﷺ کے نصیب میں وہی کچھ تھا جو کچھ پہلی بار تھا۔

محمد ﷺ کو یہ ساری باتیں یاد آئیں۔ آپ ﷺ کو بکریاں چرانے کے دوران ہی احساس ہوگیا کہ آپ ﷺ کی یہ ملازمت عنقریب ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا آپ ﷺ کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کسی اور عمل کے ذریعے اپنے چچا کی معاونت کریں اور شاید

آپ ﷺ تجارت میں اس کی معاونت کرسکیں۔ چونکہ محمد ﷺ اب تیرہ برس کے ہوچکے تھے۔ اس لیے وہ تجارت کے ذریعے اپنے چچا کے معاون بن سکتے تھے۔

مکہ میں ابوطالب کی ایک دکان تھی۔ شاید محمد ﷺ وہاں اس کے شریک کار بن گئے ہوں۔ اس کے معاملات کی نگرانی کرتے ہوں اور تجارتی سفر یا کسی اور وجہ سے وہ جب مکہ سے باہر ہوتا تو آپ ﷺ اس کی نیابت کرتے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ محمد ﷺ اپنے سب چچاؤں کا احترام کرتے۔ آپ کو آپ کے تمام چچا پسند کرتے۔ آپ ﷺ ان کی خوشی سے خوش ہوتے اور آپ ﷺ ان کے غم سے غمگین ہوتے تھے۔ ان میں سے آپ ﷺ اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بہت قریب تھے جو آپ ﷺ کے ہم عمر تھے۔ دونوں ایک ہی سال پیدا ہوئے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے دادا نے آپ ﷺ کے باپ کی منگنی آپ ﷺ کی امی آمنہ بنت وہب سے کروائی اور آپ ﷺ کی خالہ سے آپ کے دادا نے خود اپنا نکاح کیا۔ آپ ﷺ کی خالہ کے بطن سے حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

بالآخر دیگر اہل مکہ کی طرح آپ ﷺ کو بھی ایک بیرونی پریشانی نے آ گھیرا اور یہ تھی ظالم و تکبر بنوقیس کی۔ اللہ تعالیٰ کے حرمت والے شہر مکہ پر یلغار اور وہ بھی حرمت والے مہینے میں۔ ظلم علیٰ ظلم کے مصداق۔

اہل مکہ آپ ﷺ کے چچاؤں کی زیر کمان اپنے شہر کے دفاع میں ایک غیور قوم کی طرح مصروف ہوگئے۔ آپ ﷺ کی عمر اس وقت چودہ یا پندرہ برس ہوچکی تھی۔ پھر آپ ﷺ کیسے پیچھے رہتے۔ آپ حسب استطاعت اس لڑائی میں شریک ہوئے۔ آپ اپنے چچاؤں کے لیے تیر اکٹھے کرتے اور پھر ان کو پھینکتے وقت اپنے چچاؤں کے شانہ بشانہ ہوئے۔ چار سال میں اس طرح کے چار معرکے ہوئے۔ اطراف سے درجنوں سپوت گھائل ہوئے۔ اس ظالمانہ لڑائی کا نام تاریخ میں ''حرب الفجار'' پڑ گیا۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ محمد ﷺ زیرک تاجر بن گئے اور آپ ﷺ کو اس میدان میں مہارت حاصل ہوگئی۔ آپ ﷺ مکہ کی قریبی منڈیوں میں داخلی تجارت کے لیے آتے جاتے اور شاید مکہ کے اہل ثروت کچھ افراد کے لیے اجرت پر تجارت کرتے ہوں۔ ایک مدت تک آپ ﷺ مکہ کی ایک مالدار خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامان تجارت کی خرید وفروخت بھی کرتے رہے۔

ممکن ہے آپ ﷺ نے کبھی کبھار مکہ کے قریب یمن کے راستے پر حباشہ نامی منڈی میں سامان تجارت کی خرید وفروخت کے لیے جاتے رہے ہوں جو ماہ رجب میں لگتی تھی اور غالباً آپ ﷺ کے ساتھ ایک معاون بھی ہوتا ہو۔ جو سفر کی مشکلات میں آپ ﷺ کی مدد کرتا ہو۔ آپ ﷺ جوں ہی اپنے ہمراہی کے ساتھ حباشہ سے لوٹے فوراً خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تاکہ حساب کتاب ہوجائے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ دونوں کی بڑی قدردان تھی۔ آپ ﷺ تمام حساب ان کو واضح کرکے بتاتے۔ وہ آپ ﷺ کی محنت اور مہارت کی تعریف کرتی اور عام مالدار اپنے کارکنان کی جس قدر تکریم کرتے ہیں، ان سے بڑھ کر وہ آپ کی تکریم کرتی اور آپ کے لیے خصوصی تحائف کا اہتمام کرتیں۔

محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر خیر خواہ کوئی صاحب ثروت نہیں دیکھا۔ ہم جب بھی لوٹتے وہ میرے اور میرے ساتھی کے لیے خورونوش کی کوئی چیز تحفہ کے طور پر چھپا رکھتی۔ اسی لیے جب شام کی طرف جانے والے قافلے کی روانگی کا وقت ہوا تو اہل مکہ قافلہ میں لے جانے کے لیے سامان، سواریاں اور دیگر لوازمات جمع کرنے لگے۔ ابوطالب نے اپنی خواہش کا اظہار کردیا کہ وہ اس قافلے میں اپنے بھتیجے کو تنہا بھیجے۔ چونکہ اسے اب خرید وفروخت اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے میں مہارت حاصل ہوچکی ہے۔

وہ اپنے بھتیجے سے یوں گویا ہوا:

''اے میرے بھتیجے! اب تم بیس سال سے اوپر کی عمر کو پہنچ چکے ہو۔ میرا ارادہ ہے کہ اس دفعہ تم مستقل طور پر اپنی خاص تجارت کے لیے قافلہ کے ساتھ جاؤ۔ نیز ہم پر یہ وقت انتہائی دشوار ہے اور ہمیں قحط سالی کا بھی سامنا ہے۔'' محمد ﷺ چپ چاپ سوچوں میں گم ہو گئے۔ اچانک آپ ﷺ گویا ہوئے:

چچا جان! گرمیوں کے اس قافلے میں میں سامان تجارت کہاں سے حاصل کروں گا؟

چچا کہنے لگا: آپ ﷺ کے سامنے نوجوانان قریش دوسرے مالداروں کا سامان لے کر تجارت کی غرض سے جا رہے ہیں۔ آپ ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

اپنے چچا کی تجویز سن کر محمد ﷺ کو انشراح صدر حاصل ہو گیا، لیکن پھر بھی آپ سوچنے لگے۔ میں مال دار لوگوں تک کیسے رسائی حاصل کروں گا؟ اور مجھ پر کیسے اعتماد کریں گے؟ اہل مکہ تو بذات خود فطری طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ بہت کم امکان ہے کہ وہ اپنے کاموں کے لیے دوسروں پر اعتماد کریں گے۔ یہ سوچ کر آپ نے اپنے چچا سے کہا: مجھ پر کون بھروسا کرے گا کہ میں اس کا سامان تجارت کے لیے لے جاؤں؟ ابو طالب نے کہا: مکہ میں ایک امیر عورت خدیجہ بنت خویلد تمہاری قوم کے لوگوں کو اپنا سامان تجارت دے کر بھیجتی ہے۔ وہ منافع حاصل کرتے ہیں۔ اگر آپ اس کے پاس جائیں تو وہ یقیناً آپ ﷺ کو دوسروں پر ترجیح دے گی، کیونکہ حباشہ میں آپ نے اس کے لیے جو تجارت کی ہے، اس حوالے سے وہ آپ پر اعتماد کرتی ہے۔

محمد ﷺ نے اپنے چچا کا مشورہ پسند کیا، البتہ آپ ﷺ کو یہ بات کچھ زیادہ اچھی نہ لگی۔ آپ ﷺ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ لوگ آپ ﷺ کو قبول کریں گے یا ٹھکرا دیں گے یا مناسب بہانہ تراش لیں گے۔ اس مشورہ پر عمل کرنے میں آپ ﷺ کا

ضمیر اور مزاج آمادہ نہیں تھے۔ فطرتی طور پر آپ ﷺ نہایت خود دار واقع ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا کو کہا: شاید خدیجہ رضی اللہ عنہا بذات خود اس معاملہ میں مجھ سے بات کرے۔

ابوطالب کو آپ ﷺ کا یہ جواب کچھ زیادہ اچھا نہ لگا۔ وہ سوچنے لگا۔ اس امیر عورت کو کیا پڑی کہ اتنی بھیڑ میں وہ میرے بھتیجے کو طلب کرے۔ لہٰذا وہ آپ ﷺ کو کہنے لگا: نہیں بلکہ آپ ﷺ کو چاہیے کہ آپ ﷺ اس سے اپنی غرض بیان کریں اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ خدیجہ نے دیگر خواتین کے ساتھ کسی محفل میں چچا بھتیجے کا یہ باہمی مکالمہ سن لیا ہو۔ شاید فاطمہ بنت اسد یا اس کی کسی بیٹی نے خدیجہ سے ملنے والی کسی خاتون کو یہ بات بتائی ہو۔ انہوں نے خدیجہ تک یہ کہانی پہنچادی ہو۔ وہ سن کر کھل اٹھی، کیونکہ اسے یہ تجویز بہت پسند آئی کہ وہ اپنا سامان تجارت ایک آزمودہ دیانت دار اور شریف آدمی کے حوالے کرے۔ وہ بذات خود بھی شریف اور رحمدل تھیں۔ اسے محمد ﷺ کی مروت ووفا اور امانت و دیانت پر پورا بھروسا تھا۔ اس کی آرزو تھی کہ موسم گرما کے اس قافلہ میں وہ اپنا سامان تجارت کی غرض سے شام کی طرف محمد لے جائیں۔ اس نے یہی فیصلہ کیا۔ تمام نوجوانانِ مکہ مایوس لوٹے۔ یہ فیصلہ خدیجہ بنت خویلد کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ ثابت ہوا۔

رات گزرنے کی دیر تھی۔ صبح سویرے ہی خدیجہ کا خادم محمد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کہنے لگا کہا گر آپ پسند کریں تو ابھی خدیجہ کے پاس پہنچ جائیں۔ آپ کو دلی سکون میسر آیا اور اپنے چچا کی پسند کو قبول کرلیا جو اللہ کے لطف وکرم سے ثمرآور ثابت ہوئی۔ اسی لمحے اس بوڑھے جہاندیدہ سردار کے اندر جلد ہی ایک اندیشہ نے سر اٹھانا شروع کیا۔ اس کی بیوی فاطمہ نے جلد ہی پہچان لیا کہ اس کا سرتاج کچھ پریشان ہے۔ بالآخر اس نے خاوند سے

پوچھ ہی لیا۔ اے ابو طالب! کچھ پریشان اور گھبرائے ہوئے لگتے ہو؟

باوقار سردار نے غمزدہ آواز میں کہا۔عنقریب بے شک محمد ﷺ شام جانے والے قافلے میں شامل ہوگا۔وہ کہنے لگی: اے چچازاد! اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ تم نے ہی اس قافلے میں شمولیت پر اسے آمادہ نہیں کیا اور اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی؟

سردار نے جواب دیا: بالکل ایسے ہی ہے لیکن......! اے فاطمہ! میں اس کے لیے خوفزدہ ہوں۔ وہ کہنے لگی، ابو طالب! تم پر بھی حیرانگی ہے، ابھی تک اپنے بھتیجے کے متعلق خوفزدہ ہو حالانکہ وہ بیس سال سے اوپر کے ہو چکے ہیں۔

ابو طالب کافی دیر تک خاموش کھڑا رہا، لیکن پریشانی اور غم کے بادل اس کے چہرے پر چھائے ہوئے تھے۔ فاطمہ ڈر گئی اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ وہ ابو طالب کی اس پریشانی کو ابو طالب کی دونوں آنکھوں میں دیکھنا چاہتی ہے جنہیں وہ ماضی بعید کی طرف سفر کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر سردار نے کہا:

''فاطمہ! کیا تجھے وہ بات یاد ہے جو میں نے تقریباً دس سال پہلے شام کے ایک شہر بصریٰ کے راہب کے حوالے سے تجھے بتائی تھی۔ اس نے میرے اس بھتیجے کے متعلق کیا کہا تھا؟ فاطمہ نے جواب دیا، ہاں! مجھے وہ قصہ لفظ بلفظ یاد ہے۔ بے شک اس نے مجھے محمد کے متعلق یہودیوں سے ڈرایا تھا۔''

سردار بولا! اس وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس راہب کی پیشین گوئی پوری نہ ہو جائے۔فاطمہ بھی حیران اور پریشان خاموش ہوگئی اور تمنا کرنے لگی کہ کاش! خدیجہ اپنے عزائم کی تکمیل نہ کرے یا کم از کم محمد ہی اپنے ارادے سے باز آجائیں، یا ابو طالب اپنی چاہت واپس لے لیں اور محمد مکہ میں ہی امن وسکون سے رہنے لگیں۔تاہم خدیجہ محمد کی انتہائی گرویدہ ہوگئیں اور پیش کش کر دی کہ وہ میرا سامان تجارت شام لے جائیں اور میں

آپ کو دیگر لوگوں سے زیادہ معاوضہ دوں گی۔

اس نے آپ کے وقار وتکریم میں مزید اضافہ یہ کہہ کر دیا کہ آپ کو میسرہ نامی اپنا غلام معاونت کے لیے ہمراہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ اپنے سردار محمد کی ہمیشہ اطاعت کرنا اور اس کی ہر قسم کی خدمت بجالانا۔

محمد نے اس خاتون کے اس عمل کا شکریہ ادا کیا۔ یہ واقعہ دونوں کی نئی زندگی کی چابی ثابت ہوا۔اس کے عظیم نتائج برآمد ہوئے جو تاریخ اسلامی کا ایک سنہرا باب ہے۔ جب شام کے لیے قافلہ مکہ چھوڑنے لگا تو ابوطالب کے اندیشے اور وسوسے دن بدن پھلنے پھولنے لگے۔ نہ تو اسے کھانے پینے کی فکر تھی اور نہ راحت وسکون سے کوئی غرض تھی۔ فاطمہ کی پوری کوشش ہوتی کہ سردار کو مطمئن کرے، اس کا دل بہلائے اور وہ اسے خوشگوار امیدیں دلاتی، لیکن ابوطالب کی پریشانی کم ہونے میں نہ آتی اور نہ ہی اس کا دل سکون پاتا، تا آنکہ قافلے کی واپسی کی بشارت سنائی دی، خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور اہل مکہ کے بچوں، بوڑھوں اور خواتین کے چہرے کھل اٹھے۔

اس دن بیت اللہ میں میلے کا سماں تھا۔ قریش مکہ طویل مدت کے بعد اپنے بیٹوں سے مل رہے تھے۔ ان کی سلامتی پر مطمئن تھے اور ان کی تجارت کی بارآوری سے ان کی امنگیں جوان ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ ابوطالب کی خوشی اور مسرت دیگر سب سے سوا تھی۔ دراصل اسے دو خوشیاں مل رہی تھیں، جن کا مقابلہ کسی اور کی خوشی نہیں کر سکتی تھی۔ پہلی خوشی تو اپنے بھتیجے کی صحیح وسالم واپسی تھی ......اور دوسری خوشی منافع کثیر کی درآمدگی کہ جس کے بل بوتے پر وہ اپنے مستقبل کے خاندانی منصوبے مکمل کرنے والے تھے۔

محمد سب سے پہلے خدیجہ کے گھر گئے۔ مکمل حساب وکتاب کے ساتھ اس کو اس کے اموال لوٹائے۔ جس کی تجارت آپ ﷺ نے شام میں کی تھی اور آپ کو اس تجارت میں

توقع سے بہت زیادہ منافع حاصل ہوا تھا اور وہاں سے آپ ﷺ نے جو چاہا خریدا اور وہ سامان مکہ میں فروخت ہوگیا، جس سے آپ ﷺ کا نفع دوچند ہوگیا۔ اس کے بعد ابوطالب کے گھر میں نہایت سرعت کے ساتھ اہم واقعات پیش آنے لگے۔

محمد ﷺ کی منگنی خدیجہ بنت خویلد سے ہوئی۔ دونوں کی شادی ہوئی۔ آپ ﷺ اپنے چچا کے گھر سے جسمانی طور پر تو جدا ہو ہی گئے، لیکن اپنے دل وجان کے ساتھ وہیں رہے۔ آخر اس گھر کے بھی کچھ حقوق تھے جہاں آپ ﷺ نے اپنا بچپن اور اپنی جوانی کے کچھ ایام گزارے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے نفس سلیمہ کے تمام گوشوں میں اپنی چچی فاطمہ بنت اسد کی محبت وتکریم رچ بس گئی تھی۔ وہ آپ ﷺ کی حقیقی والدہ کے بعد ماں کا ہی ایک روپ تھی۔ آپ ﷺ کے دل سے اس کی محبت ہمیشہ راسخ رہی۔ آپ ﷺ جب بھی ان کے گھر جاتے اپنی اس ماں سے جدا نہ ہوتے۔ آپ ﷺ اس کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتے اور بعض اوقات اس کی تکریم کے لیے آپ ﷺ اس کے ہاں قیلولہ بھی کرتے۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے محمد ﷺ کے معاملات ومعمولات کے متعلق جو کچھ سنا وہ حیران نہ ہوئی۔ شام کو جانے والے قافلے میں بھیجنے سے پہلے ہی وہ محمد کے متعلق بخوبی جانتی تھیں۔

اس خاتون کی نگاہوں میں آپ ﷺ کی امانت، طہارت اور عفت کی وجہ سے آپ کا خاص مقام تھا اور آپ کی مروت سے بھی وہ بے حد متاثر تھیں۔ انہی صفات کی وجہ سے ہر پہلو سے آپ ﷺ مرد کامل کے روپ میں تھے۔ اسی لیے ہر حسب ونسب والی خاتون آپ کے حصول کی متمنی تھی۔

جب آپ ﷺ شام کے پرمشقت قافلے سے ایک مدت کے بعد واپس آئے تو

خدیجہ کے دل میں آپ ﷺ کا وقار و احترام مزید بڑھ گیا۔ نیز میسرہ نے آپ ﷺ کے متعلق جو خصوصی باتیں ان کے گوش گزار کیں، ان سے بھی وہ بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔

میسرہ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ آپ کس طرح خرید وفروخت کرتے اور لوگوں کے ساتھ آپ کا معاملہ کیسا تھا۔ نہ آپ کسی پر ظلم کرتے، نہ دھوکہ کرتے اور نہ جھگڑتے۔ میسرہ نے بتایا کہ آپ کے خورونوش کا انداز کیسا تھا اور آپ کی راحت ونیند کے لمحات کیسے گزرتے۔

میسرہ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات خاص طور پر بتائی کہ ہر وقت آسمان پر ایک بادل آپ ﷺ پر سایہ فگن رہتا۔ جہاں آپ جاتے وہ بادل آپ کے ساتھ ساتھ چلتا۔ کڑکتی دوپہر میں وہ بادل آپ ﷺ کے اور سورج کے درمیان حائل ہو جاتا۔ تاکہ سورج کی تپش آپ ﷺ کو ایذاء نہ دے، یا آپ ﷺ کو پریشان نہ کرے۔ میسرہ نے خدیجہ کو یہ بھی بتایا کہ شام کے شہر بصریٰ کے ایک راہب نے اسے یہ بتایا کہ جب اس نے محمد ﷺ کو اپنے معبد کے سامنے ایک درخت کے سائے میں قیلولہ کرتے ہوئے دیکھا کہ اس درخت کے نیچے نبی یا رسول ہی بیٹھتا ہے۔ خدیجہ کے ذہن میں ایک اور خیال فوراً آیا۔ اسے اس کے چچا زاد ورقہ بن نوفل کی باتیں یاد آ گئیں۔ وہ ایک برگزیدہ، زاہد و عابد اور صاحب ورع وتقویٰ تھا جو دین ابراہیمی پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔

وہ تورات وانجیل کا عالم تھا۔ دین قریش کو معیوب سمجھتا اور کہتا تھا۔ خدیجہ کے ذہن میں اس وقت اس نبی کے متعلق سنی ہوئی باتیں امڈ آئیں جو آنے والا تھا کہ وہ آئے گا اور بتوں کو پاش پاش کر دے گا۔ وہ ایک معبود کی عبادت کی طرف بلائے گا۔ وہ لوگوں کو مکارم اخلاق کی ترغیب دے گا اور بد اخلاقیوں سے انہیں نفرت دلائے گا۔ خدیجہ کے ذہن میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا کہ وہ نبی محمد ﷺ ہی ہیں۔ خدیجہ نے شب و روز محمد ﷺ کے معاملے پر غور وفکر کرتے کرتے بتا دیے۔

خدیجہ اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے پاس دوبارہ گئیں۔تا کہ آنے والے نبی کے متعلق جو کچھ سن رکھا تھا اس کی توثیق کروالے۔خدیجہ نے ورقہ کو وہ سارے واقعات بتلائے جو میسرہ نے آپ ﷺ کے متعلق خدیجہ کو بتائے تھے۔خصوصاً بصریٰ کے راہب کی باتیں اور بادل والی بات۔

یہ سب سن ورقہ بن نوفل مبہوت ہوگیا۔تھوڑی دیر کے بعد کہا مجھے سارے واقعات دوبارہ سناؤ۔خدیجہ نے لفظ بہ لفظ سب واقعات دہرادیے۔ یہ بوڑھا زاہد ساکت وجامد ہوگیا اور وفور جذبات سے کہنے لگا:

اے خدیجہ! جو کچھ تو نے بتایا اگر یہ صحیح ہے تو یہ صفات اس امت کے نبی کی ہیں اور اس کے انتظار کا یہی زمانہ ہے۔پھر وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے دعائیہ اور استفہامیہ انداز میں زور زور سے کہنے لگا: آخر کب تک؟ آخر کب تک؟ (میں جیوں اور انتظار کروں)۔

خدیجہ اپنے چچازاد کو حیران و پریشان چھوڑ کر چلی آئی۔اس واقعہ کے بعد ان پر متعدد خیالات اُمڈ آئے اور ان کے سینے میں ایک وسوسہ نشو ونما پانے لگا۔جونہی وہ اس سے اپنا پیچھا چھڑاتی اپنے دل سے نکالتی وہ فوراً ان کے ذہن میں گھس آتا۔اس خیال نے نہایت لجاجت سے خدیجہ کی منت سماجت شروع کردی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ذات سے بھی اس مسئلہ پر بات کرنے سے شرماتی۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ خیال اپنی کسی راز دار وہمدرد خاتون کو بتائے۔

پھر وہ اپنے اس خیال کو اپنی دلی تمنا بنانے پر آمادہ ہوگئی، تا کہ اسے سکون مل جائے اور یہ آرزو کرنے سے اسے کوئی نقصان نہ تھا۔اسے حق حاصل تھا کہ وہ سہانا سپنا دیکھے۔ جب تک یہ سپنا دل کے نہاں گوشوں میں رہتا ہے کوئی دوسرا اسے نہیں جان پاتا۔پھر یہ خیال مزید اُٹھنے لگا اور سپنا واضح ہونے لگا۔حتیٰ کہ خدیجہ گھٹن محسوس کرنے لگی اور آرزو

کرنے لگی کاش! وہ اپنی ذات کے ساتھ سرگوشی کرسکتی۔ تو اپنی ہمراز سہیلی نفیسہ بنت منیہ سے یہ راز ضرور کہتی۔ کیونکہ وہی سب لوگوں سے زیادہ اس کے قریب تھی۔ خدیجہ اس کے متعلق بہت کچھ جانتی اور اس کی آراء کو پسند کرتی تھی۔ مکہ کی ایک پرسکون شام میں دو سہیلیاں مکہ کی ایک قریبی گھاٹی کی طرف چہل قدمی کے لیے گئیں۔ دونوں ایک دوسری کے ساتھ خوش گپیاں اور اٹھکیلیاں کرتی جا رہی تھیں۔ اچانک نفیسہ کہنے لگی:

خدیجہ مجھے آپ کے چہرے پر پریشانی کی پرچھائیاں نظر آ رہی ہیں تو مجھ سے کچھ چھپا رہی ہے، یا مجھے خوامخواہ وہم ہوگیا ہے، جب نفیسہ نے دیکھا کہ خدیجہ خلاف معمول کافی دیر سے خاموش ہے، تو اس نے کہا: اے میری ہمراز! مجھے اپنے دل کی بات بتا دے شاید میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں اور آپ کی اس پریشانی کو دور کرسکوں جو چند روز سے مجھ پر عیاں ہے۔ خدیجہ نے ایک لمبی آہ بھری اور کہا: ہاں یہی بات ہے مجھے ایک غیر فطری سوچ نے پریشان کر رکھا ہے۔ نفیسہ نے جواب دیا:

خدیجہ! تجھ جیسی خاتون کی سوچ غیر فطری نہیں ہوسکتی۔ خدیجہ نے [اپنا ہاتھ نفیسہ کو چپ کرانے کے لیے اس کے لبوں پر رکھ دیا۔ پھر کہنے لگی:

اے میری ہمراز! وہ بات نہیں جو تو نے سمجھی ہے اور نہ ہی جو تجھے گمان ہے۔ تو پھر؟ نفیسہ بولی۔ خدیجہ نے طویل سکوت کیا اور نفیسہ کی پریشانی میں مزید اضافہ کیا۔ پھر اپنی ہمراز سے کہا: محمد بن عبداللہ کے بارے میں میرا کیا خیال ہے؟

نفیسہ نے تعجب سے پوچھا: تیری پریشانی سے اس بات کا کیا تعلق ہے؟

لیکن سوال کرنے کے بعد نفیسہ نے موضوع کی اہمیت کا ادراک کرلیا۔ جو مسئلہ خدیجہ کو پریشان کیے ہوئے تھا، اس میں کافی روشن نقاط بھی تھے۔ دونوں خواتین کو چپ لگ گئی اور اس خاموشی کو مکہ میں کعبہ کے اردگرد میلوں دور تک پھیلے ہوئے ٹیلوں کی خاموشی نے مہمیز دے دی جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک خاموش ایستادہ تھے۔ نیز ان ٹیلوں پر پھیلی ہوئی شام کا سکون اور سکوت نہلے پر دہلا تھا۔

سہیلی پر اس کو پریشان کرنے والا راز آشکارا ہو چکا ہے، تو اب اس نے مزید جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک اور سوال نفیسہ کی طرف اچھال دیا۔ محمد ﷺ کے مقابلے میں میری کیا حیثیت ہے؟

وہ تو چڑھتی جوانی سے لیث ایک صحت مند اور کڑیل گبھرو ہے۔ اپنی قوم کا شریف زادہ ہے۔ کریم الطبع ہے۔ حسب ونسب والا ہے۔ جبکہ میں ایک عورت ہونے کے ناطے ڈھلتے سائے کی طرح چالیس کے پیٹے میں ہوں۔ اس سے پندرہ سال بڑی ہوں۔ پھر مزید یہ کہ میں بیوہ ہوں۔ اس سے پہلے دو بار شادی کر چکی ہوں، تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے قبول کر لیں؟ نفیسہ نے کہا:

خدیجہ! ذرا سنو! اگرچہ تو کبرسنی میں داخل ہوگئی ہے لیکن تجھے اپنی قوم میں حسب ونسب کا شرف حاصل ہے اور تو ابھی تک مضبوط جسم والی ایک صحت مند خاتون ہے۔ ایسے لگتا ہے گویا تو ابھی تیس سالہ یا اس سے بھی کم عمر دوشیزہ ہے اور تو یہ مت بھول کہ تجھے مختلف مردوں کی طرف سے منگنی کے پیغامات ملتے رہتے ہیں اور شہر کے نوجوان ابھی تک تجھے اپنانے کو تیار ہیں اور روزانہ تیری باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن تو انکار کرتی رہتی ہے۔

مخلص سہیلی کی گفتگو سن کر خدیجہ کو اطمینان حاصل ہوا اور وہ مکمل پرسکون ہوگئی۔ یہ اس لیے ہوا کہ اسے اپنے خوابوں کی تعبیر ملنے کی امید پیدا ہوگئی۔ یا کم از کم وہ اس موضوع پر کسی سے مشورہ لینے کے قابل ہوگئی۔ پھر اچانک اس کی بان پر سوالات اور وسوسوں کی یلغار ہونے لگی۔ وہ کہنے لگی:

یہ سب خوبیاں اپنی جگہ، لیکن میرا محمد کے ساتھ کیا مقابلہ ہے؟ اور اس کی تمنائیں میری تمناؤں کا ادراک کیسے کر پائیں گی؟ اور وہ میرے متعلق معلومات کیسے حاصل کریں گے اور میں ان کے متعلق کیسے جان سکوں گی؟

اے نفیسہ! ہم جو گفتگو کر رہے ہیں وہ تو محض سہانے سپنے ہیں۔ مکمل بیداری ہی ان

کی تعبیر ملے گی۔ یہ رہے میری پریشانی کا سبب جو تو میرے چہرے پر کئی روز سے دیکھ رہی تھی۔ نفیسہ اپنا چہرہ خدیجہ کے چہرے کے قریب لے گئی اور کھلکھلا کر ہنس دی اور پورے وثوق سے کہنے لگی:

یہ معاملہ تو میرے سپرد کر دے۔ ضرور وہی ہوگا جو تو چاہتی ہے اور جس پر تو خوش ہے۔

جونہی نفیسہ خدیجہ سے علیحدہ ہوئی' خدیجہ کے ذہن میں ایک گزرے ہوئے واقعہ نے انگڑائی لی اور خدیجہ حیران ہوگئی کہ اس موقع پر یہ بھولا بسرا واقعہ مجھے کیوں یاد آیا؟ وہ تو اسے مکمل بھول چکی تھی۔ اس کے حافظے کی لوح پر محفوظ کیسے ہوا؟ قصہ یوں ہے کہ لڑکپن کے ایام میں خدیجہ اپنی چند ہجولیوں کے ساتھ مکہ کی وادیوں میں سیر کرنے کے لیے گئی۔ اچانک ان کا سامنا ایک یہودی سے ہوا۔ کسی لڑکی کو یہ علم نہ ہوا کہ اس یہودی کے ساتھ اچانک ان کی مڈ بھیڑ کیسے ہوگئی۔ شاید مکہ کے اس بھلے موسم میں اس کے پاؤں اسے یہاں کسی اہم کام کے لیے کھینچ لائے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کے بالمقابل کھڑا ہوگیا اور طنزیہ انداز میں ان کی طرف ایک قہقہہ اچھال دیا اور نفرت بھرے لہجے میں انہیں مخاطب ہو کر کہنے لگا: عنقریب آخری نبی آنے والا ہے۔ تم میں سے جو بھی اس کی بیوی بننا چاہے ضرور بن جائے۔

لڑکیوں کو اس کے اس بدویانہ پن سے بڑا دکھ ہوا۔ وہ اس پر چیخنے چلانے لگیں ،اسے اپنی دشنام اور لعن طعن کا نشانہ بنالیا اور خدیجہ کے علاوہ سب نے اسے پتھروں سے مارا۔ خدیجہ تو اس کی گفتگو سن کر مبہوت ہو چکی تھی۔ اب خدیجہ سوچنے لگی کہ یہ واقعہ اب مجھے کیوں یاد آیا؟ اس کے پیچھے کون سا راز پوشیدہ ہے۔ بہرحال وہ انتظار کرنے لگے کہ آنے والے دنوں میں سب کچھ واضح ہو جائے گا۔

جہاں تک نفیسہ بنت منیہ کا تعلق ہے وہ رات گئے تک اپنے اس منصوبے کے گیسو سنوارتی رہی۔ وہ صبح ہونے سے پہلے ایک حتمی نتیجے پر پہنچ چکی تھی۔ صبح ہوئی وہ کعبۃ اللہ

کی طرف چل پڑی اور محمد بن عبداللہ کی راہ تکنے لگی۔ جب اس نے آپ کو ایک راستے پر جاتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ بھی پورے عزم کے ساتھ آپ کے پیچھے ہولی اور آپ ﷺ سے ہم کلام ہونے کا موقع تلاش کرنے لگی۔ اچانک محمد مکہ کے اس الگ تھلگ رستے پر کسی وجہ سے رک گئے تو نفیسہ چپکے سے آگے بڑھی اور سرگوشی کے انداز میں آپ کے کان میں کہنے لگی:

اے محمد! میں نفیسہ بنتِ منیہ ہوں۔ میں آپ ﷺ کو ایک عالی شرف، حسب ونسب والی عورت کے بارے میں بتانے آئی ہوں جو آپ کی ہم پلہ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ ﷺ کے آگے اس کا تذکرہ کروں۔

محمد ﷺ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئے، کیونکہ نفیسہ نے بالکل غیر متوقع بات کی تھی۔ آپ ﷺ نے بڑے محتاط انداز میں پوچھا: وہ کون ہے؟ نفیسہ نے کہا: وہ خدیجہ بنت خویلد ہے اور آپ ﷺ اسے سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

محمد ﷺ کے معصوم اور نورانی چہرے پر نفیسہ کو مختلف النوع پر چھائیاں نظر آئیں۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کوئی بے وقوف ہمارے درمیان نہ آ گھسے، یا محمد جلدی میں انکار نہ کر دیں۔ لہٰذا اس نے بات بنائی۔

میں آپ ﷺ کے پاس کل یا پرسوں آؤں گی۔ آپ ﷺ میری پیشکش پر غور کر کے کوئی بہتر رائے دے دینا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں۔ محمد نے اس پیشکش کے متعلق سوچا اور اس خاتون کے انداز پر حیران ہوئے۔ آپ ﷺ کے دل میں اس سے پہلے کبھی ایسا خیال تک نہ آیا تھا۔ آپ ﷺ نے سوچا کیا خدیجہ نے اسے بھیجا ہے؟ یا یہ ایک آوارہ مزاج عورت ہے۔ جن کی فضول اور بے کار باتیں لامحدود ہوتی ہیں اور جو دوسروں کے معاملات میں زبردستی گھسنا اپنی معاشرتی مجبوری سمجھتی ہیں اور خود بخود بڑھ چڑھ کر اپنی طرف سے دوسروں کو پیشکش کرتی رہتی ہیں۔ اگرچہ انہیں کہتا کوئی بھی نہیں۔ آپ ﷺ

نے اپنے آپ سے پوچھا:

کیا خدیجہ مجھے پسند کرسکتی ہے۔ وہ ایک دور اندیش عقلمند' اونچے شرف وعزت والی اور مکہ کی ایک مالدار خاتون ہے۔ کیا وہ مجھے بطور خاوند قبول کرلے گی۔ ماضی قریب میں ہی میں نے اس کے آگے درخواست کی تھی کہ اپنا سامان تجارت مجھے دے، تاکہ میں اس کے لیے تجارت کرسکوں۔ ہاں...... یہ بات تو ٹھیک ہے۔ اکثر اوقات اس نے مجھ پر احسان کیا اور مجھے ان لوگوں سے زیادہ معاوضہ دیا جو اس کے لیے کام کرتے تھے۔

بہر حال یہ سارا فضل وکرم اس کی طرف سے تھا۔ البتہ اس کا یہی احسان ہی آپ ﷺ کو یہ سوچنے پر مجبور کرنے لگا۔ کیا وہ احسان کسی مقصد کے لیے تھا اور کیا اس کے پیچھے کوئی خاص غرض وغایت تھی۔ کیا اس سے خدیجہ کا منصوبہ ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اسی فیصلہ کو ترجیح دی کہ اس قاصد عورت کو خدیجہ نے ہی بھیجا تھا۔ اس بات کا سب سے مضبوط ثبوت اس عورت کے لہجہ کی پختگی ہے۔

ابو طالب کو جب ان خاتون کی پیشکش کا علم ہوا تو پہلے مرحلے ہی میں وہ اسے شرف قبولیت نہ دے سکا اور نہ ہی آپ نے اس پیشکش کو فوراً ٹھکرایا۔ سوچنے لگے کہ خدیجہ کی بہت سی منفرد خوبیاں ہیں۔ جو کسی پر مخفی نہیں لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی سب کے سامنے تھا۔ خدیجہ کو ڈھلتی عمر کا سامنا تھا اور وہ اس سے پہلے دو بار شادی بھی کر چکی تھی اور اس کے بطن سے متعدد اولاد بھی تھی۔ تصویر کا یہ رخ خوبیوں والے پلڑے کے برعکس تھا۔ اس کے برعکس محمد ﷺ نے اپنی عمر کی ابھی پچیس بہاریں دیکھی تھیں اور وہ دن بدن جوانی کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔ محمد ﷺ نے اس معاملے میں اپنے دیگر چچوں کے ساتھ بھی مشورہ کیا اور اپنے دیگر چچوں کو اس مشورہ میں خاص طور پر شامل کیا اور ان کی رائے کو ترجیح دی۔ آپ ﷺ کے یہ دو چچے عباس اور حمزہ رضی اللہ عنہما تھے۔

سب نے بیک زبان یہ فیصلہ کیا کہ محمد کو یہ پیشکش قبول کرلینی چاہیے اور خدیجہ کو منگنی کا پیغام بھیج دینا چاہیے۔ انہیں اس کی یہ پیش قدمی خوشگوار محسوس ہوئی اور سب نے خدیجہ

کے لیے اسے مبارک سمجھا۔ خدیجہ کے پاس جب اس فیصلہ کی سن گن پہنچی اور جو کچھ انہوں نے محمد ﷺ کو مشورہ دیا تھا تو خدیجہ انجانی مسرت سے کھل اٹھی اور اپنے نصیبے پر شاداں فرحاں جھوم اٹھی۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے آپ ﷺ کی طرف بلاوا بھیج دیا کہ آپ فوراً اس کے پاس آئیں۔ آپ ﷺ جب اس کے گھر پہنچے تو اس نے آپ کو خوش آمدید کہا اور باوقار انداز میں آپ کا استقبال کیا۔ خدیجہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرے پر نور نبوت ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اسے میسرہ اور اپنے چچازاد ورقہ اور اس اجنبی یہودی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس نے آپ ﷺ کے چہرے پر جمال وجلال اور نورانیت کے جو جلوے دیکھے۔ ان سے اس کے جذبات بھڑک اٹھے اور وہ کہنے لگی: اے میرے چچازاد! میں نے آپ کو آپ کی قوم میں سطوت اور آپ ﷺ کے ساتھ قرابت داری کی وجہ سے قبول کرلیا اور آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور حسن گفتار و کردار نے مجھے متاثر کیا۔

محمد ﷺ نے بھی اس کے لیے ایسے ہی محبت واحترام بھرے جذبات کا اظہار کیا اور آپ ﷺ نے بھی فوراً دلی طور پر اس کو شرف قبولیت بخشا۔

منگنی کی رسوم کی ادائیگی کے لیے محمد ﷺ اپنے چچا ابوطالب اور اپنے دوسرے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں روانہ ہوئے۔ وہ تینوں خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد اور اس کے بھائی عمرو بن خویلد کے ہاں تشریف لائے اور انہوں نے خدیجہ کے رشتے کی ان سے بات کی۔ بالآخر دونوں طرف سے رضامندی کا اظہار ہوا۔

ورقہ بن نوفل کے ہمراہ سب معززین اکٹھے ہوئے۔ اپنے اندر روحانی منزلت رکھنے کی وجہ سے خدیجہ کے قبیلہ نے نکاح کی ذمہ داری اسے سونپی۔ ابوطالب نے ابتدائی خطبہ میں کہا اس اللہ کی تعریف جس نے ہمیں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے بنایا۔ اپنے حرمت والے گھر کی رکھوالی اور اپنے امن والے شہر کی مجاوری کے لیے ہمیں

خاص کیا اور ہمیں پوری امانت اور اقامت حق کے لیے فیصلہ کے لیے چنا۔

بعدازیں: شرف وکرم اور فضل وعقل کے لحاظ سے اپنی قوم میں **محمد** ﷺ کو وہ مقام ومرتبہ حاصل ہے جس کا مقابلہ کوئی جوان نہیں کرسکتا۔ اگرچہ مالی لحاظ سے وہ کمزور ہیں لیکن مال تو آنے جانے والا ہے۔ انھوں نے خدیجہ کو اور خدیجہ نے ان کو پسند کرلیا ہے، پھر وہ بیٹھ گئے۔ ساری قوم نے اس کی گفتگو کی تحسین کی اور جواب میں خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے کہا:

''بے شک محمد کا ساتھ ہمیں منظور ہے۔''

خطبہ نکاح کے بعد ایک عظیم الشان محفل منعقد کی گئی جس کی خاطر تواضع انہوں نے دل کھول کر کی۔ تاریخ کے اوراق میں یہ عظیم الشان محفل محفوظ کردی گئی، اب محمد ﷺ اپنی زوجہ محترمہ کے پاس منتقل ہوگئے۔

خدیجہ نے اپنے آنے والے شریف وعظیم خاوند کی راحت کا خیال کرتے ہوئے ہرلحاظ سے اپنے گھر کو سجایا۔ خدیجہ نے ان کی جو صفات ومحاسن سنے تھے، ان میں ذرہ بھر تبدیلی نہ دیکھی۔

خدیجہ محمد ﷺ کی ہم مزاج بیوی تھی۔ وہ ہمیشہ آپ کی خوشنودی کو مقدم رکھتی۔ آپ کی کسی خواہش کو ناپسند نہ کرتی اور آپ ﷺ کا کوئی حکم رد نہ کرتیں۔ بے شک اس کی خواہش اس کے خاوند کی خواہش کے برعکس ہی کیوں نہ ہوتی۔

آپ ﷺ گھر میں موجود ہوتے یا غائب۔ خدیجہ نے اپنے منہ سے کبھی کوئی بری بات نہ نکالی اور نہ ہی وہ آپ ﷺ کو کسی طرح پریشان کرتیںبلکہ آپ ﷺ جو کچھ پسند کرتے، وہ بھی لامحالہ پسند کرتی۔ حتی کہ آپ کے مہمانوں، دوستوں اور قرابت داروں سے خدیجہ اپنے خاوند کی جلالت وتکریم کی خاطر عزت کرتی اور آپ ﷺ کی محبت کی وجہ

سے ان سے محبت کرتیں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت واحترام کے بدلے محمد ﷺ نے بھی اسے محبت واحترام دیا اور اسے وہی مقام ومرتبہ دیا جس کی وہ مستحق تھی۔ آپ اپنے گھریلو کام ویسے ہی کرتے جس طرح کوئی بھی سمجھ دار وصاحب وفا اپنے گھر میں کرتا۔ آپ ﷺ نے اپنی تکریم میں یوں اضافہ کیا کہ خدیجہ کی سابقہ اولاد ہند اور ہالہ کو پالا پوسا اور ان کو آپ ﷺ نے پدری محبت دی۔ وہ دونوں آپ ﷺ سے حد درجہ مانوس ہوگئیں اور آپ ﷺ سے اس طرح دونوں بچوں نے ٹوٹ کر محبت کی جس طرح کوئی بھی بچہ اپنے حقیقی باپ سے محبت کرتا ہے۔

آپ ﷺ اور خدیجہ نے ایک پرسکون، ہر لحاظ سے مکمل اور سعادت مندی کی بنیاد رکھی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ خدیجہ نے محمد کی راحت کا سامان میسر کیا۔ آپ کے خلوص پر اسے کبھی شک نہ ہوا اور خدیجہ نے آپ ﷺ پر اس قدر اپنی محبت وشفقت نچھاور کی کہ آپ ﷺ کو ان تمام دکھوں اور پریشانیوں سے یک گونہ چھٹکارا مل گیا کہ وقتاً فوقتاً آپ کو جن مشکلات نے بچپن ہی سے گھیر رکھا تھا۔

نفسیاتی راحت کے ان طویل لمحات کے میسر آنے سے محمد ﷺ کو مستقبل میں اس وحی کے استقبال کی تیاری کا موقع مل گیا جو آپ ﷺ کی وفات تک جاری رہی اور جب آپ ﷺ اپنے رب کے جوار رحمت میں فروکش ہوگئے۔

اس کے برعکس خدیجہ کا معاملہ حل ہوگیا، کیونکہ نئے خاوند کا ساتھ ملنے سے اس کی نفسیاتی الجھنیں اور پریشانیاں خود بخود ختم ہوگئیں اور اس نے اپنی تمام صلاحیتیں بلکہ اپنا تن، من اور دھن محمد بن عبداللہ ﷺ کے قدموں میں نچھاور کردیا اور اسے سعادت ابدی حاصل ہوگئی۔

محمد ﷺ کے خدیجہ کو زوجیت میں لینے کے بعد مکہ میں تجارت کے ساتھ مصروف ہوگئے۔ آپ ﷺ کا ایک ساتھی سائب بن ابوسائب بھی آپ ﷺ کا مددگار ومعاون تھا

اور شاید وہی قرب جوار کی منڈیوں مثلاً حباشہ، دبا اور الشجر وغیرہ میں بغرض تجارت جاتا۔ دونوں ہمراہی ایک دوسرے کے ساتھ نہایت مخلص تھے۔ دونوں معاملہ فہمی میں ایک دوسرے کی تعریف کرتے تھے اور باہمی احترام واعتماد کے نتیجے میں حلال منافع کو وہ اپنے گھروں پر خرچ کرتے تھے۔

محمد ﷺ اور خدیجہ کی زندگی بیٹوں اور بیٹیوں کے ملنے سے مکمل ہوگئی۔ خدیجہ کے بطن سے آپ ﷺ کو دونوں بیٹے قاسم اور عبداللہ عطا ہوئے، ان کے بعد خدیجہ نے زینب، رقیہ اور ام کلثوم کو جنم دیا اور سب سے آخر میں فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نامی بیٹی خدیجہ کی آغوش میں نمودار ہوئی جو مستقبل میں محمد ﷺ کی سب سے لاڈلی بیٹی بنی۔

ان بچوں کے حصول کے بعد محمد ﷺ اور خدیجہ کے گلستان میں بہار آ گئی۔ ان کے گھر کے چاروں کونوں میں نور وسرور کو زبان مل گئی۔ ہر وقت بچوں کی چہکاریں اور کلکاریاں والدین کے کانوں میں رس گھولتی رہتیں۔ قدرت کو بھی یہی منظور تھا کہ یہی گھرانہ تاریخ انسانیت کا سب سے خوش نصیب اور سعادت مند گھرانہ بنے گا اور زمانہ سے ثابت ہوگیا کہ محمد ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے یہی بچے سب بچوں سے ممتاز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کا کیا خوب نقشہ کھینچا۔

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾ [الاحزاب:33]

”بے شک (اے مبارک) گھر والو! اللہ تم سے نجاست دور کر کے تمہیں اچھی طرح پاک صاف کرنا چاہتا ہے، پاک صاف کرنا۔“

اسی گھر میں نورِ نبوت طلوع ہوا جس سے رہتی دنیا تک زمین کے ذرّے ذرّے کو منور کر دیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دل ایمان کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ اپنی سادہ فطرت کے ذریعے سے انہیں اللہ کی معرفت مل گئی اور اس معرفت کو مہمیز اس کے چچازاد ورقہ بن نوفل کے مبارک

الفاظ سے ملی۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا تمنا کرنے لگی کہ کاش! محمد ﷺ بشارت دیے گئے رسول ثابت ہو جائیں۔ گویا محمد کو اعزاز نبوت ملنے سے پہلے ہی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رغبت ظاہر ہو گئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب محمد ﷺ کی اصرار بھری رغبت دیکھی کہ آپ غارِ حرا میں جا کر تنہائی میں بیٹھ کر غور وفکر کرنا چاہتے ہیں۔ جو کوہستان مکہ میں ایک جانب واقع ہے۔ تو خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے اس عزم کے آڑے نہ آئی، بلکہ آپ ﷺ کی مزید حوصلہ افزائی کی اور شاید اس نیک خاتون نے اس عزم کے پیچھے نور نبوت کی شعائیں محسوس کر لی تھیں۔ تو ان کرنوں سے اس نے اپنی ذات کو منور کر لیا۔

محمد ﷺ جب بھی غار میں جانے کی خواہش ظاہر کرتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا فوراً آپ ﷺ کا زادِ غار تیار کرنے لگ جاتیں جو آپ ﷺ کو متعدد راتوں کے لیے کافی ہوتا۔ وہ یہ توشہ آپ ﷺ کے سپرد کرتی اور آپ کو اپنا خیال رکھنے کا مشورہ دیتیں اور وہ خود بے چینی سے آپ ﷺ کی ملاقات کا انتظار کرتی۔ جب تک آپ ﷺ واپس نہ لوٹتے انہیں سکون نہ ملتا اور جب آپ ﷺ لوٹتے تو وہ آپ کا استقبال ہشاش بشاش چہرے سے کرتی اور آپ ﷺ کی خبریں سننے کے لیے بے چین ہو جاتی۔ وہ چاہتی کہ آپ ﷺ کی خیریت سن کر اسے اطمینان حاصل ہو جائے اور آپ کے ستانے تک آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہتی۔ پھر نئے عزم کے ساتھ آپ ﷺ روانگی کا عندیہ دے دیتے۔

ماہ رمضان ۶۱۰ھ کے ایک دن کا واقعہ ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سرتاج محمد بن عبداللہ کانپتے ، ہانپتے ،خوف زدہ اور پریشانی کے عالم میں گھر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کے چہرے پر خوف ودہشت کی وہ علامات نظر آئیں جن سے خدیجہ رضی اللہ عنہا بالکل مانوس نہ تھی۔

آپ ﷺ کی چوڑی پیشانی پر پسینہ مسلسل بہہ رہا تھا۔ ابتدا میں خوف ودہشت کے یہ مناظر دیکھ کر خدیجہ رضی اللہ عنہا خود بھی پریشان اور خوف زدہ ہو گئیں ،انہیں ڈر ہوا کہ توقع سے

زیادہ بڑا اثر آپ ﷺ کو نہ پہنچا ہو۔

اب خدیجہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔ وہ بار بار سوال کر رہی تھی لیکن آپ ﷺ مسلسل خاموش تھے۔ صرف اتنا کہا: مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ آپ ﷺ پر وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے جس کے نتیجے میں آپ ﷺ تھرتھرانے لگے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے آپ ﷺ کو ایک لحاف میں لپیٹ دیا۔ آپ ﷺ کا پسینہ پونچھا بلکہ سب بدن صاف کیا۔ بالآخر آپ ﷺ سے خوف کے بادل چھٹنے لگے اور آپ ﷺ کی پریشانی دور ہونے لگی۔ آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو ایک احسان مند، قدردان کی نظر سے دیکھا۔ پھر آپ اسے بتانے لگے کہ ایک آنے والے نے آسمان سے آکر آپ کو ڈھانپ لیا، تاحد نگاہ آپ کو صرف وہی نظر آتا تھا۔ آپ گھبراہٹ میں ہی وہاں سے بھاگ آئے۔ آپ ﷺ جدھر رخ کرتے وہ شخص سامنے آجاتا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! تو پڑھ! آپ ﷺ نے کانپتی اور لڑکھڑاتی آواز میں کہا: میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس لیے کہ آپ شروع سے امّی تھے۔ لکھنا اور پڑھنا آپ ﷺ نے سیکھا ہی نہیں۔ تب اوپر سے آنے والے مجھے اپنے ساتھ لپیٹ لیا اور زور سے بھینچا۔ آپ ﷺ کو اپنا سانس اپنے دونوں پہلوؤں میں گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ نیز آپ ﷺ کو محسوس ہوا کہ آپ ﷺ کے دونوں پہلوؤں کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو چکی ہیں۔ پھر اس شخص نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور آپ ﷺ کو کہنے لگا: ''اے محمد! تو پڑھ۔'' آپ کا وہی پہلے والا جواب تھا۔ اس اجنبی شخص نے اسی طرح آپ ﷺ کے ساتھ دوبارہ کیا جس طرح اس نے پہلے آپ ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور پھر آپ ﷺ کو کہا: اے محمد! تو پڑھ۔ گزشتہ دوبار کی طرح آپ کا جواب وہی تھا۔ اس شخص نے پھر آپ ﷺ کو پہلے کی طرح اپنے ساتھ چمٹا لیا اور زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ دیا۔ پھر خود ہی

پڑھنے لگا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ [العلق:1-5]

"اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا۔انسان کو اس نے ایک بوند سے پیدا کیا۔تو پڑھ اور تیرا رب نہایت معزز ہے۔جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا انسان کو وہ علم عطا کیے جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بتایا یہ واقعات سن کر میرا ڈر جاتا رہا اور اس کے بجائے مجھے تعجب نے گھیر لیا۔وہ گویا ہوئی، اے محمد! یہ کتنی اچھی گفتگو ہے۔اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی گفتگو نہیں سنی۔پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ سے ہمکلام ہو کر کہنے لگی، کیا یہی وہ فرشتہ ہے جو اوپر سے اترا ہے یا کوئی جن آپ ﷺ کے سامنے نمودار ہوا؟ اسے وسوسوں نے گھیر لیا کہ کہیں شیطان آپ ﷺ پر قبضہ کر کے آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچائے۔خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نہایت لجاجت سے کہا:

"اے چچا زاد! جب وہ اجنبی شخص دوبارہ آئے تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ محمد ﷺ نے جواب دیا: جی ہاں! میں ایسے ہی کروں گا۔

جب خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے سرتاج کے آرام کے لیے بستر درست کرنے لگی اور آپ ﷺ کا بچھونا بچھایا تو اچانک آنے والا آ گیا۔

آپ ﷺ نے جلدی سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا۔اس نے آپ سے کہا: آپ میری بائیں ران پر بیٹھ جائیں۔آپ ﷺ بیٹھ گئے۔تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا وہ اب تک موجود ہے؟ آپ ﷺ نے ہاں میں جواب دیا۔خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کہا: آپ اٹھیں اور میری دائیں ران پر بیٹھیں۔آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا وہ موجود ہے؟ آپ نے ہاں میں جواب

دیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر سے کپڑا اتار دیا اور آپ ﷺ سے پوچھا: کیا وہ اب تک موجود ہے؟ آپ ﷺ نے بتایا کہ وہ چلا گیا ہے۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی: اے چچازاد! آپ خوش ہو جائیں یہ نہ تو جن ہے اور نہ شیطان ہے مجھے پورا یقین کہ یہ فرشتہ ہے۔

اے چچا زاد! آپ کمزور کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں تو اللہ کی قسم! وہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو سن کر محمد ﷺ کو ایک گوشہ سکون واطمینان حاصل ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کا سینہ ٹھنڈا ہو گیا اور آپ ﷺ اپنی فطری حالت پر لوٹ آئے۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تجویز پیش کی کہ ہم دونوں کو اکٹھے ہی ورقہ بن نوفل کے پاس جانا چاہیے۔ آپ ﷺ پر جو حادثہ رونما ہوا ہم دونوں اس کے گوش گزار کریں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ اس واقعہ کو کس زاویہ سے دیکھتا ہے اور پھر دونوں اس کی طرف چل پڑے۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابن نوفل! تو اپنے بھتیجے کا واقعہ اس کی زبانی سن لے۔ شاید آپ کے پاس کہنے کے لیے کوئی اچھی رائے یا اچھا مشورہ ہو۔ ورقہ نے محمد ﷺ سے غار میں پیش آنے والے واقعات سنے۔ آپ ﷺ نے آسمان سے آنے والے کی بابت تفصیل بتائی۔

تمام قصہ سن کر ورقہ کا بوڑھا چہرہ سیاہ رات میں چودھویں کے چاند کی طرح دمکنے لگا۔ وہ اٹھا اور محمد ﷺ سے معانقہ کیا اور آپ ﷺ کو بتانے لگا۔ اے بھتیجے! آپ ﷺ کو خوشخبری ہو۔ اے خدیجہ! تیرے لیے بھی خوشخبری ہے۔ اللہ کی قسم! یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا۔ آپ اللہ کی قسم! اس امت کے وہی نبی ہیں جس کی خوشخبری پہلے انبیاء دے چکے ہیں۔ پھر ورقہ محمد کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا ''کاش میں اس وقت آپ

کے ساتھ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ میں آپ کے ساتھ ہجرت کرتا۔ جہاں آپ جاتے، میں بھی آپ کے ساتھ جاتا۔ ہائے افسوس! میں ان دونوں تنومند نوجوان ہوجاؤں۔"

ورقہ کی گفتگو سن کر خدیجہ رضی اللہ عنہا دہشت زدہ ہوگئی اور کہنے لگی۔ وہ اسے کیسے نکالیں گے حالانکہ وہ اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور آپ کو امین کہتے ہیں۔ آپ کے فیصلوں کو پسند کرتے ہیں۔ آپ کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں۔ آپ کے وجود سے محبت کرتے ہیں۔

اے چچا زاد! آپ نے دیکھا نہیں ۔حجراسود رکھتے وقت وہ آپ کے فیصلے پر کس قدر خوش ہوئے۔ اگرچہ آپ سے پہلے ایک دوسرے پر تلواریں سونت چلے تھے۔ جس کا نتیجہ انتہائی بھیانک نکلتا۔ آپ نے کبھی غور کیا وہ کیسے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے ہیں۔ ورقہ کی باتیں سن کر محمد کو بھی حیرت ہوئی۔ آپ ﷺ نے ورقہ سے پوچھا: "کیا میری قوم والے مجھے نکالیں گے؟"

ورقہ نے وقار و تمکنت سے کہا: ہاں! تیری طرح جو نبی بھی آیا اس کی قوم والوں نے اس کے ساتھ عداوت کی اور جنگ لڑی۔ لیکن اے محمد! آپ کے لیے نصرت (لکھی جاچکی ہے)۔ لہٰذا آپ اس شرف و مقام پر نازاں و فرحاں رہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعزاز بخشا ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی اپنے دل کی گہرائیوں سے تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اس نعمت پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی تھی اور اس نعمت میں مزید یہ اضافہ ہوا کہ مستقبل کے خاتم الانبیاء کی وہ زوجہ اولیٰ کہلائیں اور آپ ﷺ کی قوم کی دیگر بیٹیوں میں کسی کو یہ شرف و تکریم نہ مل سکی۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو جب پتا چلا کہ آپ ﷺ سچے رسول ہیں تو سب نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے۔

غلاموں میں سے زید رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ غلام آپ کو تحفتاً دیا تھا۔ بچوں میں سے علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تمام اولاد ایمان لائی۔ نبی ﷺ کی ساری بیٹیاں ایمان لائیں اور گھر میں جتنے بھی خدام اور آزاد کردہ غلام تھے وہ سب ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ آنے والی صبح اہل ایمان کے گھر میں طلوع ہوئی۔ جبکہ شہر مکہ کے دیگر گھروں میں شرک اور ضلالت کے دیگر اعمال وعقائد پروان چڑھ رہے تھے۔ نبی ﷺ پر وحی کا تسلسل قائم ہوگیا، جس گھر میں آپ کو ہر طرح کی راحت، سکون، انس اور کامل محبت اور پیار ملے تھے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے غار حرا والے دن کے بعد اپنی کوشش جاری رکھی کہ وہ اپنے اس خاوند کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرے گی، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کی ذمہ داری سونپی۔ انھوں نے اپنی اضافی فطانت سے سمجھ لیا تھا کہ اس کی اپنی ذمہ داریوں میں گونا گوں اضافہ ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس نیک وپاکباز خاتون نے رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں اپنا مال ومتاع نچھاور کردیا اور خاندان میں اپنی علو مکانی سے آپ ﷺ کو مضبوط کیا۔

اور آپ ﷺ کے ساتھ ہر مشکل میں اپنی وسعت سے بڑھ کر صبر کیا۔ جب ابولہب کے دونوں بیٹوں نے ان کی دونوں بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح فسخ کیا تو بھی ان کی ماں ہونے کے ناطے صبر عظیم کیا۔ اس خاتون نے اس وقت بھی صبر کیا جب اس کی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت حبشہ کے لیے رخت سفر باندھا۔

ابتدائے اسلام کے زمانے میں اس خاتون نے اپنی ساری راحتیں کلفتوں میں تبدیل ہونے پر صبر کیا اور یہ اس لیے کہ قریش مکہ نے بھرپور قوت کے ساتھ جنگ وجدال کے سارے دروازے ان کے اوپر کھول لیے۔ شاید اسی لیے جبریل علیہ السلام سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ڈھارس بندھانے کے لیے اور ان کی عظیم ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ان سے

ہمدردی کے لیے نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: آپ خدیجہ کو جنت میں موتی سے بنے ہوئے ایک ایسے محل کی خوشخبری دیجیے جس میں نہ شور وغل ہوگا، نہ تھکن اور مشقت ہوگی۔

چونکہ اس پاکباز، حوصلہ منداور جرأت وشجاعت کی پیکر خاتون نے اپنے گھر کو اطمینان وسکون اور محبت وراحت سے بھر دیا تھا اور قاعدے کے مطابق جیسا عمل ہوگا، ایسی ہی اس کی جزا بھی ہوگی اور اسلام کا معاملہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پہلا اور آخری معاملہ بن گیا۔ اس کے بعد ہر چیز اس خاتون کے آگے بے قیمت ہوگئی۔ اس نے کبھی بھی حسرت بھری آہ یا منہ سے اف تک کا لفظ دکھ بھرے لہجے میں نہیں نکالا۔ جب بھی نبی ﷺ اپنی قوم سے ستائے ہوئے آپ کے پاس آتے تو وہ صبر سے آپ کی حوصلہ افزائی کرتیں۔

اور جب آپ ﷺ کی قوم والے آپ سے استہزاء کرتے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوتیں۔ آپ ﷺ کے دکھوں کا مداوا کرتیں اور آپ کے ضعف کو سہارا دیتیں اور آپ ﷺ رسالت کی ادائیگی میں معاونت کرتیں جس کو وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی تھیں۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک تھا کہ وہ عام عورتوں کی طرح محض ایک گھریلو خاتون نہیں ہیں۔ پہلے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔ انہیں طرح طرح کے عذابات کا سامنا کرنا پڑتا اور عبرتناک سزائیں جھیلنی پڑتیں۔

یہ اس لیے ہوا کہ قریش کے نوجوانوں اور کمزور طبقے میں اسلام کی نشرواشاعت نے تسیخ پا کر دیا۔ کیونکہ انہی دو طبقوں نے زندگی میں انقلاب لانا تھا اور ضروری تھا کہ اس قدر ردعمل ظاہر کیا جاتا۔ حتی کہ نئے دین کا چراغ گل ہوجاتا اور مومنین کا کام تمام ہوجاتا۔

قریش مکہ کے بڑے بڑے اہل رائے اور دانشوروں نے یہ فیصلہ کیا کہ آل محمد کا مکمل اقتصادی بائیکاٹ کرنا چاہیے اور ان کو ہر طرح سے تنگ کیا جائے اور ان کے ساتھ ہر قسم کی خرید وفروخت ختم کردی جائے۔ نیز ان کے ساتھ عقد ونکاح کے تمام معاملات بھی ختم کر دیے جائیں اور خور ونوش کی اشیاء ان تک نہ پہنچنے دی جائیں۔ تا کہ آل محمد کو

درختوں کے پتے کھانے پڑے جس سے وہ نہایت لاغر و کمزور ہو گئے۔

اس ظالمانہ قرارداد کی وجہ سے بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہنا پڑا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس عرصے میں مضبوط اور باوقار موقف اپنایا اور پہاڑوں جتنا بلند کیا۔ حالانکہ وہ خاتون ایک امیر خاندان میں پروردہ تھی، ناز و نعم میں پلی بڑھی تھی۔ جود و کرم اس کے آگے ہاتھ بندھے غلاموں کی طرح کھڑے رہتے، اس کی زندگی میں ایک دن بھی تنگی نہ دیکھی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اس ظالمانہ محاصرے کے اختتام سے ابھی تک کما حقہ خوشی پا نہیں سکے تھے کہ آپ کو آپ کی زندگی کے افسوسناک اور دکھ بھرے حادثے کا سامنا کرنا پڑا کہ جس کے آثار آپ ﷺ کی زندگی کے آخر تک نمایاں رہے۔ یہ حادثہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موت تھا۔ آپ ﷺ اپنے غمگسار رفیقہ حیات سے محروم ہو گئے۔ خصوصاً جب آپ ﷺ اپنی قوم سے نفسیاتی جنگ کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کو اس مرحلے پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تعاون کی انتہائی ضرورت تھی۔ اس مرحلے میں ان کی آپ سے جدائی کا صدمہ آپ ﷺ اپنی زندگی کے بقیہ ماہ و سال میں لحہ بھر بھی نہ بھلا سکے۔ چونکہ آپ ﷺ کے گھر کا مرکزی ستون گر چکا تھا۔ آپ ﷺ کو مصائب و شدائد کے وقت تسلی دینے والا نہ رہا اور آپ ﷺ ازدواجی شفقتوں اور محبتوں سے محروم ہو گئے۔ اس لیے پورا نبوی گھرانہ غمگین ہو گیا کہ جب وہ بھڑکتا شعلہ بجھ گیا جس نے تمام گھر کا کونہ کونہ روشن کر رکھا تھا۔ اب ہر کونے سے مایوسی اور حوصلہ شکنی کے اژدھے منہ کھولے دکھائی دیتے اور نبی ﷺ اپنی مونس و غمخوار زوجہ کی جدائی کے بعد گھر میں تمام دکھ جھیلنے کے لیے اکیلے رہ گئے۔ بلکہ آپ ﷺ نے بقیہ عمر بیوی کے بغیر بھی گزارنے کے لیے شاید سوچا بھی کیونکہ آپ ﷺ نے سمجھا ہوگا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دنیا کی ہر عورت محض عورت ہی ہوگی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شرافت طبیعت کے علاوہ اگرچہ ہر چیز موجود ہو۔ آپ ﷺ ہر وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا

کی یاد میں کھوئے رہتے اور عورتوں سے آپ ﷺ بے رغبت ہو گئے۔

آپ ﷺ کے اردگرد جو لوگ ہوتے انہیں آپ ﷺ کے دکھ کو دیکھ کر آپ ﷺ پر ترس آتا اور ہر شخص سوچتا کہ مرد کے پاس کسی نہ کسی عورت کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ چنانچہ خاوند کی مہمات اور عزائم کے متعلق اس کی بیوی ہی بہترین تدبر و تفکر کر سکتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ اس موضوع پر لب ہی نہ کھولتے اور شاید آپ ﷺ نے سوچا ہو کہ آپ ﷺ کی دکھ بھری زندگی کے ان لمحات میں شادی کے متعلق سوچنا بھی نامناسب ہے۔ خاص کر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صورت جب ہر وقت آپ ﷺ کی آنکھوں کو چندھیا رہی ہو۔ گویا وہ آپ ﷺ کے سامنے مجسم مورتی کے طور پر موجود ہے۔

تاہم بیت نبوی بھی دیگر سب گھروں کی طرح تھا۔ وہ کسی عورت کا سرتاج تھا جبکہ گھر کی مالکن غائب تھی۔ تاکہ آنے والی خاتون نبی ﷺ کی بیٹیوں کی پرورش کر سکے۔ خصوصاً ان سب سے کم سن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک مشفق ماں کی زیادہ حاجت مند تھی۔ ان سب مشوروں اور حقائق پر غور کرنے کے بعد نبی ﷺ نے اپنی قرابت دار خواتین میں سے ایک خاتون کا مشورہ قبول کر لیا کہ آپ ﷺ سیدہ سودہ بنت زمعہ کو اپنے زواج میں لے لیں۔

وہ ایک عقل مند اور سلجھی ہوئی خاتون تھی۔ انھیں اپنے اسلام کی وجہ سے ایذائیں دی گئی تھیں نیز آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر کو بھی منگنی کا پیغام بھیج دیا۔

نبی ﷺ نے جلد ہی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد متعدد خواتین کو یکے بعد دیگرے اپنے صبالہ عقد میں سمو لیا، لیکن آپ ﷺ کی کم سن اور کبر سن زوجات کی موجودگی کے باوجود کہ جنھوں نے آپ کے گھر کے خلا کو پُر کیا، آپ کبھی بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد سے غافل نہ ہوئے اور نہ ہی آپ کی کسی بیوی کو یہ ملکہ حاصل ہوا کہ وہ آپ کے دل کے اس حصے پر قبضہ کر لے کہ جس میں صرف خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کی محبت اور یاد بھری ہوئی تھی۔

آپ ﷺ اس کے متعلق ہر چیز کو چھوتے ہوئے اسے یاد کرتے، چاہے وہ اس کے زیورات ہوتے، کپڑے ہوتے یا برتن ہوتے بلکہ آپ اس کے تخیلات کی نہروں میں اس کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے محسوس ہوتے۔ آپ ﷺ کے پاس خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کوئی رشتہ دار یا سہیلی یا خادمہ وغیرہ آجاتی تو آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نسبت کی وجہ سے اس کا بھی اسی طرح احترام وتکریم کرتے۔

غارِ ثور میں جلوہ افروزی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد پے در پے واقعات میں بہت جلد انقلاب سا آ گیا۔

حالانکہ قریش مکہ اسی ٹوہ میں رہتے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کوئی بیرونی مسافر تعلق نہ پیدا کرلے۔ وہ آپ کی ہمہ وقت کڑی نگرانی کرتے، لیکن اہل یثرب نے آپ کو منیٰ میں تلاش کرہی لیا۔ انھوں نے دو تفصیلی ملاقاتوں میں نبی ﷺ اور آپ کے ہمراہیوں کی یثرب ہجرت کا راستہ ہموار کیا۔

اہل مدینہ آہستہ آہستہ اپنے دین کو ساتھ لے کر اپنے یثربی بھائیوں کے پاس پہنچنے لگے۔ قریش مکہ کو بھی اندیشوں نے آلیا کہ نبی اکرم ﷺ بھی جانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور وہ مسلسل کھوج کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے اختتام کا وقت آ گیا ہے۔

مدینے تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ ہی گزارا ہوگا کہ آپ نے اپنے پاس انصار مدینہ کو جمع کیا۔ ان کی تربیت کی۔ پھر کچھ ہی عرصے بعد مکہ کی طرف چل پڑے۔ اگرچہ یہ عرصہ لگ بھگ آٹھ سال کے دورانیے پر محیط تھا۔ بالآخر آپ نے آٹھ ہجری میں مکہ فتح کرکے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک صاف اور اہل مکہ کو نفسیاتی طور پر توڑ پھوڑ دیا۔

آپ ﷺ ہجرت مدینہ سے پہلے اہل مکہ نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور یہ فیصلہ بھی ہوگیا تھا قتل میں ہر قبیلہ کے افراد شامل ہوں تاکہ بنو ہاشم انتقام نہ لے سکیں۔ انہوں نے اپنی سازش کی چھان پھٹک کی اور اپنے معاملے پر خوب غور کیا۔ انھوں نے ہر قبیلہ سے نوجوانوں کا انتخاب کیا جنھوں نے فیصلے پر عملدرآمد کرنا تھا۔ ابتدا میں انہوں نے آپ ﷺ کو گھر کے اندر ہی گھیر کر مارنے کی پلاننگ کی کہ جب آپ ﷺ گھر سے روانہ ہوں سب اپنی تلواروں، نیزوں اور بھالوں سے آپ پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں، تو اس طرح آپ کا خون متعدد قبائل کے ذمہ ہوگا اور کسی ایک قبیلہ کو بنو ہاشم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جب آپ ﷺ روانہ ہوئے تو جن نوجوانوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنا تھا، ان پر نیند کا غلبہ ہوگیا اور وہ اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ ہوگئے۔ انھیں سورج کی کڑکتی کرنوں نے بیداری کا پتہ بتلایا۔ یہ جولائی (تموز) کے مہینے کی جھلستی دوپہر تھی۔ اس دوپہر نے سازشیوں کے منہ استہزائیہ طمانچے سے ٹیڑھے کر دیے۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے اندر جانے کے لیے بے تاب ہوگئے۔ وہاں جا کر انہیں آپ ﷺ کے چچازاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پالا پڑا۔ آپ نے اپنے پیچھے علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے چھوڑا تھا تاکہ وہ قریش مکہ کی وہ امانتیں واپس کردیں جوان ظالموں نے آپ ﷺ کے پاس امانت ودیانت کی وجہ سے رکھ چھوڑی تھیں۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ز مخالفین اپنی قیمتی اور نفیس چیزوں کے لیے تو رسول اللہ ﷺ پر بھروسا کرتے تھے لیکن دین کے معاملے میں وہ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے۔

سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور وہاں سے دونوں نفوسِ قدسیہ کوہِ ثور کی چوٹی پر واقع ایک غار میں چلے گئے اور پہاڑ پر چڑھنے سے

پہلے نبی اکرم ﷺ شہر مکہ کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ دوری کی وجہ سے بہت چھوٹا سا نظر آ رہا تھا۔ آپ ﷺ گویا ہوئے:

''میرے لیے تو سب سے پاکیزہ اور سب سے محبوب تر ہے اور اگر میری قوم مجھے تم سے جدا نہ کرتی تو میں تیرے علاوہ کہیں اور نہ رہتا۔'' (ترمذی)

آپ ﷺ کو محاصرے میں لینے والے حیران و پریشان ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے آپ گئے کدھر؟

وہ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ ان کے شکنجے سے نکل نہ پائیں گے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آپ ز کے قدموں کے نشانات کا صحراء میں کھوج لگائیں گے، کیونکہ وہ بلا کے قیافہ شناس اور کھوجی تھے اور اس فن میں نہایت تجربہ کار، دور اندیش اور ماہر ترین تھے۔ انہیں اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ ضرور آپ کو گرفتار کر لیں گے اور پھر قتل کر دیں گے۔ البتہ اگر وہ دو پر لگا کر اڑ جائے تو ہم کو جل دے سکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے۔

قدموں کے نشانات نے انہیں دو آدمیوں کا پتا دیا۔ لازی بات ہے کہ ان کے ساتھ دوسرا (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہوگا کیونکہ وہی ان کے ساتھ ہر وقت ہوتا ہے۔ کھوجی ان دونوں کے قدموں کے نشانات دیکھتے دیکھتے غار ثور کے دھانے پر پہنچ گئے۔

وہ چھوٹی سی تنگ دہانے والی ایک غار تھی۔ اس کا اندرونی منظر وحشت ناک اور تاریک تھا۔ اس کے منہ پر ایک پودا اگا ہوا تھا۔ اس کے اندر کوئی گھٹنوں کے بل رینگ کر ہی جا سکتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غار کے اندر پہنچے تو گھبرا گئے کہ کہیں نبی اکرم ﷺ کو کوئی موذی چیز ڈس نہ لے۔ یا کوئی بچھو یا سانپ کو کاٹ نہ لے۔ لہٰذا وہ آپ سے پہلے ہی غار کے چاروں کونوں میں جگہ ہموار کرنے لگے۔ انہوں نے

غار میں موجود ایک سوراخ کے علاوہ سب سوراخ بند کر دیے۔ کپڑے یا پتھر وغیرہ سے جس طرح بھی ہو سکا جب انھیں اطمینان حاصل ہوا تو ان کے بعد نبی اکرم ﷺ بھی اندر آ گئے۔

مستقبل میں رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہی کے ساتھ یہاں تین دن قیام کرنے والے تھے۔ یہی غار ان کے گھر بننے والا تھا۔ دونوں مہمان اس گھر میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آپ دونوں کی تلاش جاری رہتی۔

اس گھر میں رہنے کی کوئی سہولت نہ تھی۔ آپ ﷺ کو یہاں پناہ لینے کے لیے قریش نے مجبور کر دیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ سارے آپ ﷺ کا پیچھا کر رہے تھے اور سب اقوام عالم قریش کی ہمنوا و مؤید تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الصف:8]

''وہ (کافر) چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کرنے والا ہے۔ اگرچہ کافر ناپسند کریں۔''

نبی اکرم ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں تھکاوٹ کی وجہ سے اپنا سر رکھ کر سو گئے۔ جبکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہیں غار میں موجود بلوں پر تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک بل بند کرنے سے رہ گیا ہے تو اپنا پاؤں اٹھایا اور بل کے منہ پر رکھ دیا۔ اس بل میں سانپ کسی کی تاک میں بیٹھا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کوئی اور یہاں آ گیا ہے تو وہ پھنکارا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ڈنگ مار دیا۔ انہیں شدت سے تکلیف کا احساس ہوا لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہ کی کہ کہیں تاجدار نبوت کے آرام میں خلل نہ آئے۔ تاہم ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر آ

گرے۔ آپ ﷺ بیدار ہو گئے اور فوراً پوچھا ابوبکر تمہیں کیا ہوا ہے؟

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے تکلیف والی جگہ پر اپنا لعاب لگایا تو درد فوراً کافور ہو گیا اس دوران باہر سے شور وشغب کی آوازیں سنائی دیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خوفزدہ ہو کر سوچنے لگے۔ بالآخر یہ کافر ہم دونوں تک پہنچ ہی گئے اور انہیں ہمارا پتا چل گیا۔ اب تو سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔ یہ بالکل آخری گھڑی ہے۔ نماز کی تاریکی میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی نے ان مشرکوں کے پاؤں دیکھ لیے جو غار کے دہانے پر حیران و پریشان کھڑے تھے۔

کوئی کہہ رہا تھا...... میں نہیں سمجھتا کہ وہ دونوں یہاں آئے ہوں گے، کیونکہ یہ پرانی بے آباد غار ہے۔ اس کا منہ بند ہے اور مکڑی کا جالا اور کبوتری کا گھونسلا بھی ہے۔ جس میں اس نے انڈے بچے رکھے ہیں اگر کوئی یہاں آتا تو یہ جالا اور گھونسلا یہاں نہ رہتے۔

قوم کے سارے افراد وہاں جا کر پریشان ہو گئے کہ اپنے سابقہ تجربہ کی روشنی میں قدموں کے نشانات یا کُھرا تو یہاں تک آیا ہے، لیکن یہاں کی صورت حال نا قابل تسلیم ہے کیونکہ غار متروک ہے۔ اس کا منہ تنگ ہے اور اس کے دہانے پر مکڑی کا جالا اور کبوتری کا گھونسلا صحیح سلامت موجود ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہاں ہم سے پہلے کوئی نہیں آیا۔

ہر شخص عقل کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے مضطرب تھے کہنے لگے اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھ لیا تو ہم نظر آ جائیں گے۔ تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب پر پورا اعتماد کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال جن میں تیسرا ان کا اللہ ہو۔ اے ابوبکر! تو غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر سکینت نازل

کی۔ تلاش کرنے والے غائب وخاسر اور ذلیل ورسوا ہو کر لوٹ گئے۔ شرمندگی وندامت سے ان کے سر جھکائے ہوئے تھے۔ غیض وغضب میں وہ پھنکار رہے تھے۔ چار وناچار انہوں نے دونوں مفروروں کے سروں کی قیمت کا اعلان کر دیا کہ جو بھی انھیں کو زندہ یا مردہ گرفتار کرے گا یا ان کا پتا دے گا اسے سو اونٹنی انعام میں ملے گی۔ جلاوطنی کی ان تین راتوں میں نبی ﷺ مکہ کے حالات کی خبر لیتے رہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ کو اپنے کام کی خبریں مسلسل مل رہی تھیں جو آپ ﷺ کے لیے نہایت اہمیت کی حامل ہوتی تھیں۔

وہ خبریں آپ تک سیدنا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پہنچاتے تھے۔ وہ مکہ میں لوگوں کی ساری معلومات اکٹھی کر کے آپ دونوں کے پاس شام کو لاتے اور وہ غار میں ہی آپ ﷺ کے ہمراہ آدھی رات تک انتظار کرتے۔ جب ہر طرف سے رات کی تاریکی چھا جاتی تو وہ چپکے سے مکہ واپس آ جاتے کہ کسی کو ان کے متعلق کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ اہل مکہ کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتا۔ پھر شام کو وہ اپنی بکریاں غار کی طرف لے جاتا تو وہاں جا کر نبی اکرم ﷺ اور ابو بکر صدیق کو دودھ پلاتا۔ حتی کہ وہ سیر ہو جاتے۔ وہ عبداللہ بن ابوبکر کی وہاں سے روانگی کا انتظار کرتے۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوتا تو عامر بھی اپنی بکریاں لے کر ان کے پیچھے پیچھے مکہ واپس آ جاتے اور اس طرح عبداللہ کے پاؤں کے نشانات بکریاں مٹا دیتیں۔

اسی طرح سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہر روز نبی ﷺ اور اپنے ابا کے لیے حسب ضرورت کھانا تیار کرتی اور اپنے بھائی کے ساتھ واپس آ جاتی۔ گویا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ بیٹا، بیٹی اور غلام یہ کام انتہائی رازداری سے سرانجام دینے میں مشغول تھے اور سب کو اس راز کی اہمیت اور اپنے اپنے رول کا بخوبی علم تھا۔ تین دن بعد نبی تلاش کی

سرگرمیاں ماند پڑ گئیں، تو آپ ﷺ کا گائیڈ عبداللہ بن اریقط آ گیا۔اس کے ساتھ دو اونٹنیاں بھی تھیں ۔یہ دونوں اونٹنیاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہیا کی تھیں۔ وہ دونوں غار سے نکلے اور مدینہ منورہ کی طرف سفر شروع کردیا۔تاکہ دعوت کے مراحل میں سے نئے مرحلے کی ابتدا کریں۔

ام معبد کے گھر میں

حجاز کے ان تپتے صحراؤں کے موسم گرما میں یہ مختصر قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا کہ انہیں دور افق میں دو خیمے دکھائی دیے جو رستے سے ہٹ کر ایک جانب تھے اور ان کے پاس مزید خیمے نہیں تھے۔ دونوں خیمے بنو خزاعہ کی ایک شریف، صحت مند اور متوسط حال خاتون کے تھے جسے ام معبد کہا جاتا تھا۔وہ بڑی مہمان نواز تھیں۔جب بھی کوئی قافلہ اس کے ہاں پڑاؤ کرتا وہ ان کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوجاتی۔

اس کے یہ دو خیمے زمانہ جدید میں مسافروں کے لیے سرائے کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہاں وہ ستاتے اور صحراء کی سختیوں کو تھوڑی دیر کے لیے وہاں جاکر بھلاتے تھے، پھر سفر پر روانہ ہوجاتے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے قافلے کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے بھی وہاں قیلولہ کرنے کے لیے پڑاؤ کیا۔

ام معبد آپ ﷺ کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی، لیکن اس نے قافلے والوں کو خوش آمدید کہا، اسے آپ کی ہجرت کے متعلق بھی بالکل کچھ معلوم نہ تھا۔قافلے والوں نے ام معبد سے پوچھا کہ اگر اس کے پاس کھجوریں اور گوشت ہو تو وہ خریدنے پر تیار ہیں لیکن انہیں وہاں سے کچھ نہ ملا کیونکہ قحط سالی کا زمانہ تھا اور وہ سال لوگوں پر تنگی کا تھا۔لوگ بڑی مشکل سے جی رہے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے خیموں کے پیچھے ایک مریل سی بکری بندھی ہوئی دیکھی تو مالکن سے پوچھا کہ اس بکری کا کیا قصہ ہے؟

وہ بتانے لگی یہ بکری ہماری ہے۔ریوڑ کے ساتھ کمزوری کی وجہ سے نہ جاسکی۔

آپ ﷺ نے پوچھا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ام معبد کہنے لگی:

یہ تو کم عمر بکری ہے۔آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

اے ام معبد! کیا تو مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دے گی؟ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ ﷺ کو اس کے پاس دودھ نظر آتا ہے تو دودھ لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے تھنوں پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور اس کی بہتر حالت کی دعا کی۔ نبی ﷺ نے برتن طلب کیا۔

اور دودھ دوہنا شروع کیا۔ دودھ ٹھاٹھیں مارتا ہوا تھنوں سے امڈ آیا، حتی کہ برتن بھر گیا اور دودھ کے اوپر جھاگ نمایاں ہوگئی؟

اس نے پیالا اپنے منہ کی طرف اٹھایا اور پینے لگی۔ پیا پیا حتّٰی کہ لذت آمیز دودھ سے وہ سیر ہوگئی۔ اتنا مزیدار دودھ زندگی میں پہلی بار اس نے دیکھا تھا۔

پھر پیالہ قافلے والوں پر گھومنے لگا۔سب نے سیر ہو کر پیا۔بالآخر پیالہ نبی ﷺ نے لے لیا اور سب سے آخر میں دودھ پیا۔ تب نبی ﷺ دوبارہ بکری کے پاس گئے اور دوبارہ برتن میں دودھ دوہنا شروع کیا۔یہاں تک دیا کہ وہ بھر گیا۔آپ ﷺ نے وہ پیالا ام معبد کو تحفتًا دے دیا۔آپ ﷺ تاریخ کے اس منفرد واقعہ کے بعد وہاں سے روانہ ہو لیے کہ یہ واقعہ دوبارہ ان خیموں کے پاس پیش نہ آیا۔

آپ ﷺ وہاں سے اپنی منزل کی طرف نکل پڑے۔شام کو حسب معمول ابو معبد اپنا مختصر ریوڑ لے کر واپس آیا جو کہ چند کمزور و لاغر بکریوں کا مجموعہ تھا۔

جب ابو معبد نے دودھ سے لبالب بھرا برتن دیکھا تو اپنی بیوی سے دریافت کیا۔

جب ام معبد نے ابو معبد کو پیش آنے والے سب واقعات سنائے اور قافلے کی بابت اسے بتایا۔ام معبد نے رسول اللہ ﷺ کے نورانی چہرہ،آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور خوبصورت

جاہ وجلال والی شخصیت کے متعلق ابومعبد کو بتلایا تو وہ فوراً ام معبد سے کہنے لگا۔ تیرا یہ موصوف قریش کا مطلوبہ شخص تھا۔

رسول اللہ ﷺ ابوایوب انصاری کے گھر میں

انجام کار نبی ﷺ ایک دن اپنے ہم سفر کے ساتھ یثرب پہنچ گئے۔ وہاں انصار و مہاجرین اپنے بچوں بوڑھوں سمیت آپ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر روز صبح سویرے اپنے گھروں سے نکلتے اور مدینہ کے مغرب میں واقع الوداعی گھاٹیوں کے پاس آکر آنے والے مسافروں میں اپنے محبوب آقائے دوجہاں کے قافلے کی راہ تکتے اور شام کو واپس چلے جاتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یثرب میں رہتے ہوئے جب سے پتا چلا کہ نبی ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے نکل آئیں ہیں تو ان کے شب وروز، ان کے جذبات میں تلاطم آگیا تھا۔ وہ گن گن کر دن گزارتے۔ بالآخر وہ لمحات بھی آگئے جنھیں تاریخ نے اپنے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سمونا تھا، بلکہ انھی لمحات نے نئی تاریخ رقم کرنی تھی۔ اس دن ساکنان مدینہ کے چہروں کی رونقیں دیدنی تھیں جس دن رسول اللہ ﷺ کی سواری دور صحراء مدینہ کے اس پار انھوں نے دیکھ لی۔ آپ ﷺ کے پایہ رکاب آپ کے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

بنونجار کے ننھے منے بچے اور بچیاں ان اشعار کے ساتھ نغمہ سرا ہوئے جنھوں نے رہتی دنیا تک تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ اس وقت سے لے کر اب تک بلکہ مستقبل کے انجام تک انسانوں کی زبانوں میں رس گھولتے رہیں گے۔ چھوٹے اور بڑے برابر یہ اشعار گنگناتے ہیں۔

① الوداعی گھاٹیوں سے ہمارے اوپر چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔

اس نے جو اللہ کے دین کی دعوت دی ہے تو ہمارے اوپر اس کا شکر کرنا واجب ہے۔

ہماری طرف مبعوث کیے جانے والے اے عظیم انسان، آپ ﷺ اطاعت گئے (اللہ) کے حکم سے یہاں آئے ہیں۔

آپ ﷺ تشریف لائے تو مدینہ منورہ کے بھاگ جگا دیے اور اس کی بزرگی کو چار چاند لگا دیے۔ اے بھلائی کی دعوت دینے والے ہمارے سینے آپ ﷺ کے لیے کشادہ ہیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

جئت شرفت المدینۃ مرحبا یا خیر داع

ایک ہی کوشش تھی کہ وہ اونٹنی اس کے گھر کے سامنے بیٹھے۔ وہ ایک دوسرے سے اونٹنی کے مسئلہ پر الجھ رہے تھے، تاکہ آپ ﷺ کی خدمت کا شرف اسے ملے۔ ہر کوئی یہ امید لیے بیٹھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے مہمان بنیں گے۔

ان لوگوں میں آپ ﷺ کے ننھیال بھی تھے، وہ بنو نجار تھے اور وہ جیسے بھی تھے سب لوگوں سے زیادہ حق بھی انہی کا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس ٹھہرائیں۔

قائد اعظم محمد رسول اللہ ﷺ جو ایک منفرد عبقری شخصیت تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی مہار ڈھیلی کر دی اور بڑا ہی لطیف و شریف انتہائی پیارا انداز اپنایا۔ آپ ﷺ کے سامنے یہ وہ لمحات تھے کہ آپ کی نگاہوں کے آگے ساری دنیا ہاتھ باندھے کھڑی تھی، اور تاریخ کے اوراق میں یہ منظر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

آپ ﷺ فرمانے لگے: اے لوگو! میری اونٹنی سے مڈبھیڑ نہ کرو۔ اسے حکم دیا جا چکا ہے میں وہیں اتروں گا۔ اللہ تعالیٰ جہاں مجھے اتارنا چاہے گا۔

تمام لوگوں نے آپ ﷺ کی ہدایات نہایت تعجب سے گوش گزار کیں۔ پھر آپ ﷺ کے فرمان پر عمل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نازک اور انتہائی حساس موقع پر بڑا ہی پر حکمت اور دھیما انداز اپنایا۔ عین ممکن تھا کسی ایک لفظ کی وجہ سے لوگ ناراض ہو جاتے یا ان کے جذبات شکستہ ہو جاتے اور سرداران قریش اور یہودیوں کے سرغنے ان سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے نوافروز شگوفے کو جڑ سے ہی کچل دیتے اور نئے نئے مسلمانوں کے دل بھی کینے سے بھر جاتے اور وہ بھی احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے کہ آپ ﷺ اور ان کے ساتھ آنے والے دیگر مہاجرین نے اپنی قربت سے دور بھگا دیا۔

اونٹنی خراماں خراماں چلتی رہی۔ پھر ایک مکان کے سامنے جا کر لمحہ بھر کے لیے رکی۔ اپنے دائیں بائیں گردن گھما کر دیکھنے لگی۔ گویا مقررہ جگہ کی تصدیق کر رہی ہو۔ پھر وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دل میں اس سے پہلے کبھی یہ خیال شاید ہی آیا ہو کہ ایک دن وہ اپنے گھر میں سید الکونین والاولین والآخرین ﷺ کی مہمان نوازی کریں گے۔ اولاد آدم کے سردار کی میزبانی کا شرف انہیں بھی مل سکتا ہے۔ انہوں نے کبھی اس کی تمنا بھی نہ کی تھی، نہ ہی آپ کے دل میں اس بات کا شائبہ تک تھا جبکہ صف اول کے معززین اس شرف کو اپنے صحن میں لانے کے لیے ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے رسول کائنات ﷺ کی میزبانی کا شرف ملنے پر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خوشی دیدنی تھی۔ اس سے پہلے کہ فرصت کے ان لمحات سے کوئی اور فائدہ اٹھا لے، ابوایوب رضی اللہ عنہ فوراً آپ ﷺ کے ہودج کی طرف لپکے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جلوہ افروز تھے اور ان دونوں مہمانوں کو کمال ادب سے اپنے گھر کی طرف اترنے کے لیے درخواست کی۔

پھر مہمانوں کے ہمراہ سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ گھر کے اندر تشریف لے آئے۔

دوسری طرف ام ایوب رضی اللہ عنہا کے دل میں اتنی زیادہ خوشی موجزن تھی کہ پورے یثرب کو یہ سمیٹنے میں اتنی وسعت نہ تھی۔ اس نے اتنے بڑے شرف کو کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا کہ دنیا کی تمام عزتیں اور رونقیں ان کے صحن میں فروکش ہونے والی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں بنونجار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں آپ ﷺ کے استقبالیہ نغمے گاتی ہوئیں آ گئیں۔

نحن جوار من بنی نجار

یا حبذا محمد من جار

''ہم بنونجار کی شہزادیاں ہیں......ہم کتنی خوش نصیب ہیں کہ محمد الرسول اللہ ﷺ ہمارے پڑوسی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ننھی کلیوں کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا:

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر بہت وسیع نہ تھا اور یثرب کے تمام گھروں سے ہٹ کر اس میں کوئی ایسی خصوصیت اور انفرادیت نہیں تھی جو دور سے پہچانا جاتا۔ یہ دومنزلہ چھوٹا سا مکان تھا جو پتھروں اور کھجوروں کے تنوں سے بنایا گیا تھا اور چھت کھجور کی ٹہنیوں سے ڈھانپ دی گئی تھی جو زیادہ مضبوط بھی نہیں تھی۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ صاحب ثروت نہیں تھے اور نہ ہی عام مالداروں کی طرح ان کے پاس مال کثیر تھا اور نہ ہی دیگر امیروں کی طرح جاہ وحشم والے تھے۔ وہ اس بستی کے ایک عام سے آدمی تھے۔ مناسب گزران والے اور متوسط ظروف کے مالک تھے۔

اس گھر میں رسول اللہ ﷺ کا پڑاؤ اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک زیادہ مال ودولت کی کوئی خاص اہمیت اور نہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ دولت مندوں کے سائے میں زندگی گزاریں اور نہ آپ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ

آپ ﷺ کسی فاقہ کش کے مہمان بنیں اور اس کے بوجھ میں اضافہ کریں۔ بس آپ ﷺ ایک درمیانے اور متواضع سے گھرانے کے مہمان بننے کے خواہشمند تھے۔ جہاں محبت، احترام، رضامندی اور اعتماد کے گھنے سائے ہوں اور یہ سارے خزانے سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں وافر وفروزاں تھے۔

نیز ابو ایوب رضی اللہ عنہ بنو نجار کے ایک فرد تھے جو نبی ﷺ کے ننھیال بنتے تھے۔ تو وہ قرابت اور نسبت کے لحاظ سے بھی اس شرف کے زیادہ مستحق تھے۔ پھر اس گھر میں یہ خصوصیت بھی تھی کہ وہ مدینہ کے وسط میں واقع تھا۔

ابتدا میں نبی ﷺ گھر کے زیریں حصے میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے دیدار و سلام کے لیے آنے کی وجہ سے ہمارے میزبانوں کو کسی قسم کی پریشانی اٹھانی پڑے اور نہ ہی آپ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ آنے والے مہمان بالائی منزل پر چڑھتے اور اترتے رہیں۔ لہٰذا ابو ایوب انصاری اور ام ایوب رضی اللہ عنہما بالائی منزل پر منتقل ہو گئے۔

ایک دن کی تھکاوٹ سے بھرپور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اونگھ سے مغلوب ہونے کے قریب ہوئیں کہ اچانک وہ دہشت زدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ گویا انھیں کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا ہو۔ وہ ام ایوب رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کے کہنے لگے:

کیا یہ ہمیں اچھا لگتا ہے کہ ہم خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نیچے محو استراحت کریں کیا یہ جائز ہے؟

ام ایوب رضی اللہ عنہا نے حیران ہو کر پوچھا پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ وہ دونوں کچھ دیر کے لیے حیران و پریشان سوچتے رہے۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ کمرے کے اطراف و اکناف میں آرام کریں۔ جتنا بھی ان کے لیے ممکن ہو سکے۔ نبی ﷺ کے ٹھہرنے والے مقام

سے دور ہو جائیں۔ جونہی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کمرے کے ایک کونے کی طرف جانے کے لیے حرکت کی وہاں پڑا ہوا پانی کا ایک مٹکا الٹ گیا۔اچانک وہ ایک جانب لڑھک گئے اور مٹکے سے پانی باہر چھلک پڑا۔

دونوں میاں بیوی کے دل اچھل کر حلق میں آ گئے کہ عنقریب ڈگمگاتی چھت کے اندر سے دونوں معزز مہمانوں کے اوپر پانی ٹپکنے لگے گا اور ان کے لیے باعث ایذا بنے گا۔

بغیر ادنیٰ ہچکچاہٹ کے ام ایوب رضی اللہ عنہا اپنے پاس ایک عمدہ پارچے کی طرف لپکیں جو نہایت قیمتی تھا۔ اس نیک عورت نے اس اوڑھنی کے ذریعے پانی خشک کرنا شروع کیا اس واقعہ کو بنیاد بنا کر آمدہ ایام میں سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے آگے درخواست گزار کی کہ آپ ﷺ بالائی منزل پر تشریف لے آئیں۔

نبی ﷺ نے اپنے میزبان کی درخواست کو فوراً شرف قبولیت بخشا۔تاکہ ان کو قلبی راحت مل سکے۔ نیز آداب مہمانی و میزبان کا تقاضا ہے کہ مہمان کو چاہیے کہ میزبان کی پیشکش کو قبول کرے۔

سب سے پہلے ایک یتیم بچے نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔جو بالکل نوعمر تھا۔

وہ جب گھر کے اندر داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک کٹورا ثرید سے لبالب بھرا ہوا تھا جس میں دودھ اور گھی بھی شامل تھا۔وہ آیا اور کٹورا رسول اللہ ﷺ کے آگے رکھ دیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے نبی! میری والدہ نے آپ کے لیے یہ تحفہ بھیجا ہے۔بچے کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا رخ انور دمک اٹھا۔آپ ﷺ نے بچے کے رخسار پر ایک پیار بھری چٹکی لی اور اس کے لیے یوں دعا فرمائی:

بارك الله منك

''اللہ تجھے برکتیں دے۔''

یہ بچہ جو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی برکات میں یوں پیش کیا کہ ایک جلیل القدر صحابی کے طور پر مشہور ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قرآن کریم کی خوب خدمت کی اور اولین کاتبین وحی میں ان کا شمار ہوا۔ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں رہنے والے مہاجرین وانصار صحابہ وصحابیات کے لیے علم ونور کا سرچشمہ بن گیا۔

وہ ٹولیوں کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے دیدار کے لیے آتے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے احکام از بر کرتے۔

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بڑے ہی خوش نصیب ٹھہرے۔ وہ تمام انصار سے خورونوش کی چیزیں پیش کرنے میں سبقت کے خواہاں رہتے اور جونہی رسول اللہ ﷺ کھانے کے برتن سے اپنا دست مبارک اٹھاتے تو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے اور آپ کے آگے سے وہ برتن اٹھاتے اور جہاں جہاں آپ کی انگلیوں کے مبارک نشانات ہوتے، وہیں سے وہ بھی کھاتے۔ یہ صحابی قلیل میزبان رسول آپ ﷺ کے نشانات سے برکت حاصل کرنے کی جستجو میں رہتے۔

رسول اللہ ﷺ ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں تقریباً سات ماہ تک رہے۔ اس دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے مکہ بھیجا تا کہ وہ آپ کے بقیہ اہل وعیال کو مدینہ لے آئیں۔ جن میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سودہ بنت زمعہ، عائشہ بنت ابی بکر اور آپ ﷺ کی دونوں بیٹیاں ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہم جبکہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابوالعاص کے پاس تھیں اور وہ ابھی تک شرک پر ہی تھا۔

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہی آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کی تخطیط کی۔ وہ مسجد کہ جس کا شمار ان تین مسجدوں میں ہوا جن کی زیارت کے لیے دنیا کے اطراف د

اکناف سے قافلے تیار ہو کر آتے ہیں اور مسجد کے ایک طرف ایک لائن میں آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے حجرے بھی بنوائے۔ جہاں آپ ﷺ قیام کرتے تھے اور جب آپ ﷺ مسجد اور حجروں کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو عز و شرف کا تاریخی ہار پہنانے کے بعد اپنے گھروں میں منتقل ہو گئے اور جب شرف میزبانی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا کہ انہوں نے سات ماہ تک تاجدار انبیاء، سرورِ کونین، خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کی جو خدمت کی وہ اور ان کا گھر تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

امہات المومنین کے گھروں میں نبی ﷺ کی آمد

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدہ سودہ بنت زمعہ عامر رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا سونا آنگن آن بسایا۔

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا ایک دن آپ ﷺ کے پاس آئیں، آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو کی اور دو عورتوں سے بیک وقت شادی کرنے کی تجویز پیش کی۔ سیدہ عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا پہلی خاتون تھیں جن پر سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا کی نظر انتخاب پڑی کہ رسول اللہ ﷺ انہیں اپنے شرف زوجیت میں لے لیں۔ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ آپ فی الحال ان تک منگنی کا پیغام پہنچادیں اور پھر کچھ عرصہ بعد جب وہ بلوغت کو پہنچیں اور شادی کے قابل ہوں تو انہیں اپنے گھر لے آئیں اور دوسری خاتون سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کے ساتھ نکاح کی تجویز آپ کو سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے دی۔ انہوں نے اپنی بات کو یہ کہہ کر بڑھایا کہ وہ باہمت خاتون، آپ ﷺ کے غمگین دل میں انس ومحبت کی جوت جگا سکتی ہے۔ نیز وہ آپ ﷺ کی بیٹیوں کی پرورش اور نگہبانی کے فرائض بھی بحسن وخوبی انجام دے سکے گی۔ خصوصاً آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لیے بہترین مربی کا کردار ادا کرسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا کی تجویز کو سراہا اور دونوں مذکورہ خواتین سے شادی کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلے سکران رضی اللہ عنہ کی مظلوم بیوہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی طرف

منگنی کا پیغام بھیجا اور یہ پیغامبر سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں، جنہوں نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت حبشہ کی تمام مصیبتیں جھیلی تھیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ ان کے دکھ، درد اور مصائب و مشکلات کم کرنا چاہتے تھے اور انھیں اپنی قوم کی طرف سے آزمائش سے بچانا چاہتے تھے، جو انھیں بھی اپنے ساتھ کفر پر رکھنے پر مجبور کر سکتے تھے یا کسی نامناسب اور غیر مساوی شخص سے شادی کرا سکتے تھے۔ لہٰذا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طے پا جانے کے بعد یہ اسلام کی دعوت کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوا، کیونکہ اس نکاح سے آپ ﷺ کو مکہ میں اپنے قوی دشمنوں کی تالیف قلب کا موقع مل گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی شخصیت کے تمام محاسن اور اپنے تمام مکارم اخلاق سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا پر واضح کر دیئے۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے تاجدار ختم نبوت ﷺ کے گھر میں آ کر ہر قسم کی آسودگی حاصل کر لی اور خود بھی آپ ﷺ کی ذات پر نچھاور ہو گئیں۔ ان کو آپ ﷺ کے پاس ان کی تمنا اور چاہت سے بڑھ کر ملا۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو ایک سادہ اور ملنسار روح عطا ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ بڑھ چڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے لیے انس ومحبت اور نفسیاتی سکون وراحت کا سامان کرتی رہتیں۔ وہ آپ ﷺ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتیں، اور ایک مدت تک وہی اکیلی رسول اللہ ﷺ کی بیوی رہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہ کی۔ لیکن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اپنی عائلی زندگی کا وہ دن کبھی نہ بھلا سکیں، جس دن ان سے ایک ایسا عمل سرزد ہو گیا جس پر نبی اکرم ﷺ کا غصہ میں آنا ضروری تھا۔ بلکہ ان کی طرف سے ملامت کے ساتھ وہ سزا کی بھی مستحق تھی اور عین ممکن تھا انھیں اس حرکت کی وجہ سے طلاق بھی دیدی جاتی اور نبی ﷺ کو کسی ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ سے ایسا کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا اور آپ ﷺ نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی خفیف سی تانیب وتادیب پر اکتفا کیا۔ جس کی ندامت وخجالت نے انہیں پانی پانی کر دیا۔ قصہ یوں

ہے کہ ایک دن سودہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ میں ایک عجیب منظر دیکھا۔غزوہ بدر الکبریٰ کے مشرک جنگی قیدی کہیں لے جائے جا رہے تھے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کی رگ حمیت قوم پھڑک اٹھی،ان سے رہا نہ گیا: حالانکہ ہجرت حبشہ سے پہلے انہی مشرکین کے ہاتھوں ان کو اپنے سابقہ خاوند سکران کے ہمراہ شدید عذاب جھیلنے پڑے تھے۔اس موقع پر وہ یہ بھی نہ سوچ سکیں کہ انہی مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ میں کتنی اذیتیں دیں،حتٰی کہ آپ ﷺ کے قتل کی سازش تک کی اور مکہ سے انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا۔

اس سب کے باوجود سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند سکران کے بھائی سہیل بن عمرو کو اہل مدینہ کے ہاتھوں میں بے بس دیکھا تو ان سے صبر نہ ہو سکا اور وہ پکار اٹھیں،اے ابو یزید! تم کہاں جا رہے ہو؟ کیا تم نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا؟ کاش!تم عزت کی موت مر جاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے یہ پکار نہایت غصیلے، المناک لہجے اور بلند آواز سے کہی، انہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں۔

جب انہیں اس بات کا ادراک ہوا کہ آپ ﷺ بھی وہاں موجود ہیں۔ ندامت سے اپنی انگلیاں منہ میں دبا لیں،خجالت سے اپنی آنکھیں موند لیں،انہیں اس حقیقت کا بھی سامنا کرنا پڑا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ہوتے ہوئے انھیں یہ بات کہنے کا حق نہیں تھا۔اس نیک خاتون کو اپنے کہے پر تعجب ہوا کہ یہ باتیں ان کے منہ سے کیسے نکل گئیں! کیونکہ اس کا مطلب مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا ابھارنا تھا اور جو کچھ اس خاتون نے کیا تھا وہ خالصتاً جاہلیت کا رواج تھا۔

لیکن نبی ﷺ نے اسے بالکل نہ ڈانٹا اور نہ ہی اس پر غصہ ہوئے اور نہ ہی فوراً انہیں طعنہ دیا۔ زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ نے اسے ہلکے انداز میں ملامت کی اور آپ ﷺ نے اسے باور کرایا کہ کم از کم ان سے یہ بات صادر نہیں ہونی چاہیے تھی جبکہ وہ مؤمنہ،

مطہرہ اور نیک خاتون ہیں۔آپ ﷺ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے سودہ رضی اللہ عنہا! کیا تم اپنے دشمنوں کو اپنے رب اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف ابھارتی ہو۔سودہ رضی اللہ عنہا نے فوراً ہی اپنے دل کی بات معذرت خواہانہ انداز میں اپنے خاوند رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم یارسول اللہ! میں نے جب سہیل بن عمرو کو بیڑیوں میں دیکھا تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور میرے منہ سے وہ الفاظ نکلے جو آپ نے سنے۔رسول اللہ ﷺ اس کی بات سن کر اس کے سامنے ہی مسکرا پڑے اور آپ ﷺ نے اس نسوانی جذبے کی قدر دانی فرمائی اور ان سے وعدہ کیا کہ قیدیوں سے اچھا سلوک کیا جائے گا۔

سودہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آسودگی سے زندگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ آپ ﷺ اس کی ہر طرح کی راحت کا بھی خیال رکھتے۔آپ ﷺ اس سے محبت کرتے اور اس کا احترام کرے۔ایک بار جب آپ ﷺ نے اسے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ مجھے طلاق نہ دیں میں اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دینے پر تیار ہوں۔آپ ﷺ نے اس کی یہ پیش کش قبول کر لی اور اس کو طلاق دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے سول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع ادا کیا۔وہ عمر رسیدہ اور رحیم و شحیم خاتون تھیں۔نبی ﷺ نے ان کے ساتھ نہایت رحمدلی کا برتاؤ کیا۔آپ ﷺ نے خصوصی طور پر دس ذوالحجہ کی رات کو مشعر الحرام سے رات کے آخری حصے میں انہیں منیٰ جانے کی اجازت دے دی۔تاکہ وہ لوگوں کے ازدہام سے پہلے منیٰ میں مناسک ادا کرسکے اور اسی نیک خاتون کی وجہ سے قیامت تک حج کرنے والے تمام ضعیف اور معذور لوگوں کو یہ سہولت میسر آ گئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

ہم تاریخ سے ماضی کے چند اوراق پلٹتے ہیں۔ان دنوں کی یاد تازہ کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے الوداع ہوئے اور یثرب کی طرف ہجرت کی راہ اختیار کی۔ وہ انتہائی مشکل دن تھا۔ آپ ﷺ نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں مشرکین کی ایذائیں برداشت کرنے کے بعد یہ کٹھن مرحلہ طے کیا۔ اور ہجرت نبوی ﷺ کے بعد اسلامی مملکت کے قیام کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے سکون حاصل کیا۔ شاید آپ ﷺ کو احساس ہوا کہ آپ ﷺ کو آرام کی ضرورت ہے۔آپ ﷺ نے اپنی مسجد کے ساتھ ساتھ اپنی ازواج کے گھر بھی بنانے کی ضرورت محسوس کی تاکہ وہ اسلام کے نئے جاں نثاروں کی تعلیم کے مراکز بن سکیں۔

نیز مسلمانوں کو یہ بتلانا بھی مقصود تھا کہ گھر کیسے ہوتے ہیں۔گھروں کے اندر حسن معاشرت کی مثالیں کیسے قائم کی جاتی ہیں؟ تاکہ مسلمانوں کو یہ علم ہوجائے کہ رسول اللہ ﷺ قول وفعل میں بشر ہی تھے۔مسلمانوں کے ساتھ مل کر آپ ﷺ نے مسجد تعمیر کی، جسے بعد میں مسجد نبویؒ کے نام سے پہچانا گیا، اوراس کے ایک جانب آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے حجرے (کچے گھروندے) تعمیر کیے۔ایک حجرہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو الاٹ ہوا، جو آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ ﷺ سے آملی، اور دوسرا حجرہ تمام بیویوں کے درمیان اکلوتی کنواری بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام کردیا گیا جو سیدنا

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بھاری بھرکم ذمہ داریوں نے کبھی بھی آپ ﷺ کو اس نوخیز بیوی کے نازونخرے اٹھانے سے نہ روکا کہ جو بالکل نئی نئی اپنے بچپن سے نکلی تھی، بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اپنے میکے سے منتقل ہوکر رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آنے کے باوجود اس کی سوچ والی ہی تھی۔ چونکہ سیدہ عائشہ ابھی تک گڑیوں سے کھیلتی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی تک خصوصی عنایت واہتمام اور خصوصی معاملہ کی محتاج ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے کبھی ان کی عمر سے بڑا کام کرنے کا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے انہیں وہ محبت، شفقت اور نرمی عطا کی جو شاید انہیں اپنے والدین سے بھی نہ ملی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بچپن کی سہیلیاں جب رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلنے کے لیے آتیں تو آپ ﷺ انہیں خوش آمدید کہتے تو وہ ہنسی خوشی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوجاتیں۔ آپ ﷺ ان کے سامنے مسکراتے اور گھر کی مالکن کے پاس رہنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرتے، اور کبھی آپ ﷺ نے ان کی دل آزاری نہ کی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نبی اکرم ﷺ کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی اور میری کچھ سہیلیاں تھیں وہ بھی میرے پاس آکر میرے ساتھ شریک ہوجاتیں۔ رسول اللہ ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتیں۔ آپ ﷺ انہیں میری طرف بھیجتے پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عظمت ورسالت اور مقام نبوت، عائشہ رضی اللہ عنہا کو مناسب گھریلو ماحول مہیا کرنے میں کبھی آڑے نہ آئے۔

آپ ﷺ نے کبھی بھی انھیں یہ نہیں فرمایا تو ایک اولوالعزم پیغمبر کی بیوی ہے۔ جو ساری نوع انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں کسی بات سے روکنے

کے لیے کبھی ان کے منہ پر ہاتھ نہ رکھا۔ یہ اس لیے کہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ اپنی طعبیت و جبلت کے مطابق اپنی زندگی سے بھرپور لطف اٹھائیں۔ آپ ﷺ کو یہ ناپسند تھا کہ وہ اپنے مزاج اور اپنے کھلے پن کو تبدیل کر دیں۔ ہاں! دینی و شرعی نقطۂ نگاہ کے خلاف کسی بات کی ان کو ہرگز اجازت نہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی معصوم خواہشات کو کبھی بھی دبانے کی کوشش نہ کی۔ البتہ کبھی کبھار ان کی کچھ غیر متوازن خواہشات وافعال کی آپ ﷺ اصلاح ضرور فرماتے تھے۔ لیکن اس موقع پر بھی نرمی نمایاں ہوتی تھی اور سختی کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اپنی چہیتی بیٹی کی حرکات سے بعض اوقات نالاں ہو جاتی، وہ چاہتی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بچپنے کو الوداع کہہ دیتی تو اچھا ہوتا۔ اور جوانی اور وقار کی طرف گامزن ہو جائے تو اچھا ہے۔ تاکہ عظیم نبوی گھر کے مناسب ماحول بن جائے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کبھی کبھار اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا پر برس پڑتے۔ وہ بھی اپنی بیٹی کی بچپنے والی حرکات سے نالاں تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ یہ افعال واعمال نبی ﷺ کی بیوی کے مناسب حال ومقام نہیں ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کا یہ رویہ اپنی بیوی کے ساتھ دیکھتے تو آپ ﷺ ان کو ملامت و معاتبت سے روک دیتے اور ان دونوں کو سمجھاتے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو صرف وہی کرتی ہے جو اس کی فطرت ہے اور جو اس کی عمر کی بچیاں عموماً کرتی ہیں۔ آپ ﷺ انہیں مزید نصیحت کرتے کہ تمہاری بچی عمر کے جس حصے میں ہے اس کا پورا حق اسے ملنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ ایک بار گھر تشریف لائے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو بچیاں جنگ بعاث کے فخریہ گیت گا رہی تھیں۔ وہ دف اور تالیاں بجا رہی تھیں۔ آپ ﷺ اپنے بچھونے پر لیٹ گئے اور پہلو بدل کر سو گئے۔ اسی اثناء میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا: نبی ﷺ کے گھر میں شیطانی راگ نہیں ہونے چاہئیں۔

رسول اللہ ﷺ فوراً آگے آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے انداز میں فرمایا، آپ ان کو چھوڑیں۔ جب ان کی توجہ دوسری جانب ہوئی تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں لڑکیوں کو ٹھونک دیا تو وہ دونوں بھاگ گئیں۔

ایک دن مدینہ منورہ میں حبشی غلام آئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اجازت دی کہ وہ مسجد نبویؐ میں نیزوں اور تیروں سے کرتب دکھائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ وہ منظر دیکھے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ان غلاموں کے کرتب دیکھیں اور محظوظ ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے کندھے کے پیچھے سے اپنے گھر کے ایک روشندان سے یہ سارا منظر دیکھا اور لطف اٹھایا۔ حتیٰ کہ ان کا جی بھر گیا۔

خانۂ نبوت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چند سال گزارے، جوانی اور جذبات کا حسین امتزاج پایا۔ ان کے خاوند ان کی جوانی کی سب امنگوں کی خوب خاطر داری کرتے اگرچہ میاں بیوی کی عمروں میں کافی فرق تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ اپنی نیک بیوی کی خواہش کے مطابق کھیل کود کر لیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی بیوی سے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ آپ کی خاطر دنیاوی معاملات میں اپنی خواہشات کا اظہار نہ کریں بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیوی کی خواہشات کی تکمیل کے لیے خود اپنی خواہشات روک لیتے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہایت کریم الطبع خوش خلق تھے۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کسی خواہش کا اظہار کرتیں۔

ایک بار آپ ﷺ ایک غزوہ میں جا رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ سیدہ عائشہ نے آپ ﷺ کو جنگ میں مصروف ہونیسے نہ روکا اور نہ جنگی تیاری کے لیے لشکر سے دور جانے سے پریشانی ظاہر کی۔

رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعوت دیتے کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کریں۔ مضبوط ارادے کی مالک تھیں۔ دونوں میاں بیوی دوڑ میں حصہ لیتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ سے دوڑ میں آگے بڑھ گئیں۔ مسکراہٹ ان کے چہرے سے چھپائے نہ چھپتی تھی۔ آپ ﷺ کو اس بات کی خوشی تھی کہ سیدہ بی بی نے اپنی ورزش کی وجہ سے تمام رات ہنسی خوشی میں بسر کی۔

سالوں پر سال گزر گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کو دوڑ میں مقابلے کی دعوت دی لیکن اس بار رسول اللہ ﷺ ان پر سبقت لے گئے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ موٹاپے کا شکار تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ناخوش ہوگئیں لیکن رسول اللہ ﷺ خوشی سے مسکرا رہے تھے اور آپ ﷺ سیدہ کو پہلی دوڑ یاد دلا رہے تھے کہ اس وقت آپ مجھ پر سبقت لے گئی تھیں آج میں آپ ﷺ مزاح کے انداز میں انہیں کہہ رہے تھے ''ادے کا بدلہ۔''

نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج شناس تھے اور ان کی دل کی اندرونی کیفیات کو بخوبی بھانپ لیتے تھے۔ آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ کب وہ آپ ﷺ کے ساتھ راضی اور خوش ہوتی ہیں اور کب وہ آپ ﷺ سے ناراض ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ سیدہ کو ہلکی سی تادیب کے انداز میں فرماتے:

میں بخوبی سمجھ جاتا ہوں تم کب مجھ سے ناراض ہوتی ہو اور کب خوش ہوتی ہو۔ وہ حیران ہوکر پوچھتی ہیں میرے دل کی بات کا آپ کیسے اندازہ کر لیتے ہیں؟ حالانکہ میں خود اپنی دلی کیفیت آپ سے پوشیدہ رکھتی ہوں۔ آپ ﷺ اسے فرماتے ہیں:

جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو قسم اٹھاتے ہوئے تو کہتی ہو مجھے رب ابراہیم کی قسم! اور جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو مجھے رب محمد ﷺ کی قسم!

یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا شرم سے مسکرانے لگتی ہے اور بڑے ہی فخریہ لہجے میں کہہ اٹھتی

ہیں۔ اللہ کی قسم اے رسول اللہ! میں صرف اس حالت میں آپ کا نام نہیں لیتی۔ نبی اکرم ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسوانی غیرت پر تعجب ہوتا اور بعض اوقات آپ ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسوانی غیرت کے باعث پیش مدہ معاملات سے الجھن ہونے لگتی۔ تاہم آپ ﷺ کو ان کی یہ حرکات بھی پسند تھیں۔ ایک بار آپ ﷺ نے مہمانوں کے لیے کھانا منگوایا۔ آپ ﷺ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا بھجوایا اور یہی بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار گزری اور انہوں نے کھانے والا برتن توڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی یہ حرکت دیکھ کر مسکرا پڑے اور فرمایا:

''تمہاری ماں برباد ہو جائے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے رسول اللہ ﷺ کا حیران کن اور محبوب و قابل فخر یہ انداز تھا۔ جب ایک دن عائشہ رضی اللہ عنہا ایک شادی والے گھر سے واپس آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا دلہن کے لیے تم نے گیت گائے؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے اس سوال پر پریشان ہوگئیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے یوں نہیں کہا:

ہم تمہارے آنگن میں آئے ہم تمہارے آنگن میں آئے۔

تم ہمیں خوش آمدید کہو ہم تمہیں آداب بجالاتے ہیں۔

اگر تمہارے کھیتوں میں سنہرے دانے والی (گندم) نہ ہوتی

تو ہم تمہاری وادیوں میں نہ آتے۔

اس حد تک آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے محبت سایہ وانبساط بھری زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ ﷺ سیدہ بی بی سے اپنے بالوں میں کنگھی کرواتے۔

بعض اوقات آپ ﷺ مسجد میں ہوتے تو اپنا سر مبارک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے اندر کر دیتے اور آپ ﷺ کی خواہش ہوتی کہ وہ جس قدر اہتمام کر سکتی ہیں کر لیں۔

شاید آپ ﷺ اس طرح کے افعال سے سیدہ بی بی کی نفسیاتی طور پر حوصلہ افزائی کرتے تاکہ ان کا اعتماد اور بھروسہ آپ ﷺ پر اور زیادہ ہوجائے۔ جس کے لیے وہ آپ ﷺ کے سر مبارک کی مقدور بھر خدمت کرتیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نازونخرہ میں اپنی تمام سوکنوں سے زیادہ سخت تھیں۔ اس مان کو قائم رکھنے کے لیے دوسری سوکنوں کی نسبت انہیں متعدد اسباب میسر تھے جو دوسری ازواج مطہرات کے بس میں نہیں تھے۔ سب سے پہلی بات یہ تھی کہ وہ تنہا ہی کنواری تھیں۔ نیز ان کا باپ آپ ﷺ کا یارِ غار تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کو اپنے خاوند کے ہاں جو شرف ومرتبہ حاصل تھا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ سیدہ سے ہنسی مذاق اور کھیل کود بھی کر لیتے تھے اور آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایسے ایسے القاب سے ملقب کرتے جو ان کے حسن و جمال کی طرف اشارہ کرتے۔

ان میں جو لقب زیادہ مشہور ہوا وہ ''الحمیرا'' ہے۔ یہ لقب آپ کے چہرے کی تر و تازگی اور گندمی رنگ کی نسبت سے تھا۔ اس کے متعلق آپ ﷺ فرماتے تھے:

تم (اے اہل ایمان) اپنے دین کا معتد حصہ اس ''حمیرا'' سے حاصل کرو۔ انہیں اسباب کے پیش نظر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار نبی ﷺ سے بحث بھی کر لیتیں۔ خصوصاً ان دینی یا دنیوی معاملات میں جو سیدہ بی بی کی طبیعت سے میل نہیں کھاتے تھے۔

بلکہ بعض اوقات جن دینی امور میں ابھی تک کوئی نص کتاب اللہ نازل ہوتی۔ سیدہ بی بی ایسے امور میں رسول اللہ ﷺ سے احتجاج بھی کر لیتیں۔ خصوصاً جو امور ان کی رائے کے خلاف ہوتے امور کی وجہ سے انہیں پریشانی ہوتی کیونکہ ایسے معاملات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کی بجائے نبی ﷺ کی رائے کو فوقیت دی جاتی۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی رائے کا اتنے واشگاف الفاظ میں اظہار کیا کہ جس کا کوئی دوسرا معنی ہو ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے کہہ دیا میرے خیال میں آپ (اے میرے

سرتاج) کارب بھی آپ ﷺ کی طرف داری کرتا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں بہت بڑی بات ہے۔

لیکن نیک بخت خاوند نے فی الفور ان الفاظ پر اپنی پیاری بیوی کی گرفت کا اہتمام نہیں کیا اور اسے اتنی مہلت دی تاکہ آئندہ کے لیے اس اسے مزاح و معاتبت میں فرق کا احساس ہو جائے۔ اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بعض اوقات ایسے ایسے تصرفات کر لیتیں جو اسے رضامندی سے غصے کی طرف لے جاتے اور وہ بھول جاتیں کہ وہ نبوی گھرانے میں ہیں۔ خصوصاً جس وقت ان کو ایسے نکات مہیا ہو جاتے جو ان کی سوکنوں کی نسبت انہیں غیرت اور عار دلانے کا سبب بن جاتے کیونکہ دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا دل جیتنے کے لیے ایک خاموش جنگ جاری رہتی۔ جس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل مغموم ہو جاتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات کی نسبت اپنے آپ کو فوقیت دیتیں کیونکہ ان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو وہ کنواری تھیں۔ اسی لیے وہ صرف اپنے آپ کو حقیقی بیوی خیال کرتیں اور دیگر ازواج مطہرات کو دوسرا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ان سب سے سیاسی، دینی، قبائلی اغراض کی وجہ سے شادی کی۔

اس حقیقت کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے ساتھ نہایت وضاحت سے بیان کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن نبی اکرم ﷺ کو کہنے لگیں اے رسول اللہ! میں آپ ﷺ کی دیگر بیویوں کی طرح نہیں ہوں، ان میں سے ہر عورت آپ ﷺ سے پہلے کسی دوسرے مرد کے پاس تھی۔

تو نبی اکرم ﷺ بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور ظاہری الفاظ کے پیچھے پردوں میں چھپے ہوئے معانی آپ ﷺ بخوبی سمجھ گئے لیکن آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ نہ کہا: آپ کو ان کے ضعف پر ترس آ گیا۔ آپ ﷺ ان کی یہ بات سن کر محض مسکرا دیے۔ کبھی

کبھار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو یہی بات مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی۔ ایک بار وہ آپ ﷺ سے کہنے لگیں یارسول اللہ! اگر آپ کسی وادی میں پڑاؤ کریں اور اس وادی کے کچھ درخت پہلے سے کھائے جاچکے ہوں لیکن ایک درخت ابھی تک صحیح وسالم موجود ہو اس سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنا اونٹ کس درخت کے ساتھ چرائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اپنا اونٹ اس درخت پر چرانے کی کوشش کروں گا جو صحیح وسالم ہوگا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اترا کر بولیں میں وہی درخت ہوں۔ [اسے بخاری نے راویت کیا]

نبی ﷺ کی رائے عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کے مطابق نہ تھی اور نہ ہی آپ ان سے اپنی دوسری بیویوں کے معاملہ میں عدل وانصاف کی راہ چھوڑ دیں اور نہ ہی آپ ﷺ دوسری بیویوں کے حساب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اضافی مراعات دینے کے روادار تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ اپنی سب بیویوں سے برابری کا معاملہ کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کو محسوس ہوتا تھا کہ آپ کا طبعی میلان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ہو رہا ہے تو آپ اپنا مواخذہ کرنے کی کوشش کرتے اور نہایت خشوع وخضوع سے فرماتے:

”اے اللہ! جو میرے بس میں ہے یہ تقسیم اس کے مطابق ہے اور جو میرے بس میں نہیں اس پر تو میرا مواخذہ نہ فرما۔“

نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیرت کو ہر حال میں برداشت کرتے اور ان سے ہر حال میں مصالحت کر لیتے اور آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے تمام نسوانی ناز وانداز بعض اوقات خوش دلی سے برداشت کر لیتے اور کبھی کبھار آپ ﷺ سیدہ رضی اللہ عنہا کو معمولی تادیب اور ملامت بھی کر لیتے اور بعض اوقات آپ ﷺ ان کی بعض حرکات سے تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے چشم پوشی بھی کر لیتے لیکن جب سیدہ رضی اللہ عنہا اپنی غیرت کے سہارے کسی اخلاقی ومعاشرتی حد سے تجاوز کرنے لگتیں تو آپ ﷺ اس پر کبھی بھی صبر نہ کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے غیرت کا عذر قبول کرتے۔ مثلاً جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حسیین سے ایک بار نسوانی غیرت کا معاملہ کیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو کسی عیب سے عارِ دلانے کی کوشش کی کہ ''آپ ﷺ کو صفیہ رضی اللہ عنہا کی پست قامت ہی کافی ہے۔''

آپ ﷺ نے شدید غصے کا اظہار فرمایا اور آپ ان سے مخاطب ہوئے ''اے عائشہ! اپنی حدود میں رہو۔ تو نے ایسی بات کہی ہے اگر یہ سمندر میں ملادی جائے تو اس کا پانی بھی بدبودار ہو جائے۔''

آپ ﷺ کی دلی تمنا تھی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رویہ نرم ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ان کو ایک بار فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔ بے شک نرمی جس چیز سے نکل جاتی ہے وہ بدنما ہو جاتی ہے اور جس چیز میں داخل ہو جاتی ہے اسے خوشنما بنا دیتی ہے۔ لہٰذا تیرے اوپر نرمی لازم ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیرت ہر مناسبت سے چھلک پڑتی تھی، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کی نسوانی غیرت ہمیشہ ہی چھلکتی رہتی تھی۔ کسی معمولی بات پر بھی اپنی مالکن کے لیے باعث اذیت بن جاتی تھی۔ چاہے وہ واقعہ حقیقی ہو جس میں ان کو اعتراض کا حق ملتا ہو یا واہمہ ہو جو ان کے تخیل کو مہمیز لگا دے۔

ایک رات اچانک بستر سے اٹھ بیٹھیں۔ آنکھوں سے نیند اچاٹ ہوگئی۔ بات ہی ایسی ہوئی کہ نبی ﷺ ان کے پاس سوئے تھے لیکن جب وہ اچانک بیدار ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کا بستر خالی تھا۔ آپ ﷺ اپنے بستر پر نہ تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں شیطانی وسوسہ نے سر اٹھایا اور اچانک ان کا دل اس طرح بھڑک اٹھا جیسے خشک بھوسے میں آگ بھڑکتی ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ سے باہر ہوگئی اور وہ یہ سوچ کر تھرتھرا اٹھیں کہ شاید نبی اکرم ﷺ ان سے چوری چھپے اپنی کسی دوسری بیوی یا کسی خادمہ کے پاس چلے گئے ہیں۔ وہ تحقیق کرنے کی غرض سے اپنے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں لیکن

آپ ﷺ اپنے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں لیکن آپ ﷺ کہیں کسی اور بیوی کے ہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ ملے۔ بالآخر آپ انہیں مسجد میں مل گئے۔ نبی ﷺ نے حقیقت حال کو فوراً پالیا اور آپ ﷺ کے پاس آمد عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد واضح ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فوراً انہیں حقیقی صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے متعلق ان کی بدگمانی پر انہیں معاتبت کی۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تجھے غیرت نے پکڑ لیا۔ کیا تجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تجھ سے خیانت نہ کریں گے۔ اے عائشہ! یہ پندرہویں شعبان کی رات ہے۔

بعض اوقات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیرت دیگر سوکنوں کی وجہ سے تمام حدود پھلانگ جاتی اور قرآن کریم کی وضاحت کے مطابق آپ ﷺ کی کچھ بیویاں ایک دوسرے میں ایک دوسرے سے مدد بھی طلب کرتیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم ہوا کہ آپ ﷺ کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا شہد پلاتی ہے اور آپ ﷺ شہد اور میٹھی چیزوں کو پسند کرتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ زینب کا شکریہ ادا کرتے کہ آپ ﷺ کی خاطر تواضع کرتی ہے۔ بعض اوقات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایسے لگتا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اس خاطر تواضع کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے اور آپ ﷺ کے ترازو میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا والا پلڑا بھاری ہونے کا امکان ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ شکایت کرنے میں دیر نہ کی۔ انہیں بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہی معاملے کی حساسیت کا اندازہ ہوگیا۔ دونوں بیویوں نے تمام قصے کے اوراق پلٹنا شروع کیے۔ اس کے تمام پہلوؤں پہ غور کیا۔ بالآخر ان کا جامد نسوانی غریزہ جاگ اٹھا۔ یہی وہی غریزہ ہے جو اس معاملہ میں کسی صلح یا مصالحت کا قائل نہیں۔ ان دونوں نے ایک فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے شریف و کریم تشخص خاوند کو زینب رضی اللہ عنہا سے شہد پینے سے روک دیں لیکن بلاواسطہ نہیں بلکہ دونوں نے ایک خفیہ منصوبہ بندی کر لی کہ جب نبی ﷺ

زینب رضی اللہ عنہا سے شہد پی کر ہم دونوں میں سے جس کے پاس بھی تشریف لائیں گے وہ ضرور کہے کہ آپ نے کوئی (نعوذ باللہ) بدبودار چیز پی لی ہے جس کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ سے نفرت کرتے ہیں۔ دونوں میں اتفاق ہوگیا کہ جونہی رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کسی کے قریب ہوں گے تو ہم کہیں گی اے رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے مغافیر (بیری کی گوند) کھائی ہے اور یہ وہ چیز تھی جس سے آپ ﷺ سخت نفرت کرتے تھے۔ آپ چونکہ مسلمانوں کو تکلیف دینے والی چیزوں سے روکتے تھے اور آپ ﷺ سخت احتیاط کرتے کہ آپ ﷺ سے کہیں بدبو نہ محسوس ہو۔

تو رسول اللہ ﷺ جواب دیں گے کہ انہوں شہد پیا ہے اور ہم میں سے ہر ایک آپ ﷺ کے جواب میں یہی کہے گی کہ اس کا مطلب ہے یہ شہد مغافیر سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ منصوبہ بندی ان دونوں بیویوں کی تھی جبکہ نبی اکرم ﷺ کا موقف بھی بالکل واضح تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے منصوبے کو پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا یہ جملہ ناگوار لگا اور آپ ﷺ نے فوراً ایسی قسم اٹھالی جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کا مقصد پورا ہوگیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حلف دے دیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس سے شہد نہیں پئیں گے۔

لیکن بہت جلد ہی آسمانی خبریں بھی نازل ہوگئیں۔ اس خبر نے ساری منصوبہ بندی کا راز فاش کر دیا۔ یہ دونوں بیویوں کے لیے انتہائی دکھ کا باعث بنا۔ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ تحریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ

أَنبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ○ إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ [التحریم: 1تا4]

''اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ بے شک اللہ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمھارا مالک ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کہی، پھر جب اس (بیوی) نے اس بات کی خبر دے دی اور اللہ نے اس (نبی) کو اس کی اطلاع کر دی تو اس (نبی) نے (اس بیوی کو) اس میں سے کچھ بات بتلائی اور کچھ سے اعراض کیا، پھر جب اس (نبی) نے اسے یہ (راز فاش کرنے کی) بات بتائی تو اس نے کہا تجھے یہ کس نے بتایا؟ کہا مجھے اس نے بتایا جو سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرو (تو بہتر ہے) کیونکہ یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔''

نبی ﷺ کا دل نہایت بوجھل ہوگیا۔ قرآن نے افشاں کردیا۔ اس سب کے باوجود آپ ﷺ نے ان دونوں پر سختی نہ کی جس طرح ان دونوں کے باپوں نے کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہی ان دونوں اشخاص کو اپنی دونوں بیویوں کے تانیب سے روک دیا۔

اور نہ ہی آپ نے آیات کے انداز سے ان دونوں بیویوں پر سختی کی، بلکہ آپ ﷺ نے درگزر سے کام لیا اور اپنی مذکورہ دونوں بیویوں کو نسوانی غیرت کے بہانے معاف کردیا۔

لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غیرت نسوانی کا معاملہ اس وقت بڑا ہی عجیب لگتا ہے۔ جب وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نام اور رسول اللہ ﷺ کے ان کے ساتھ اظہارِ محبت و الفت حتی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں تک کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن سلوک کو دیکھ کرسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جودگرگوں حالت ہوتی تھی وہ بیان سے باہر ہے۔سیدہ خدیجہ کے بارہ میں کہہ کرتی اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہرطرح کی بیویاں عطا کررکھی ہیں۔آپ ﷺ اس کو بھولتے کیوں نہیں۔ حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تک نہیں تھا اورنہ ہی وہ کبھی اکٹھی رہیں،نہ ہی یہ ان کے حالات جانتی تھیں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کوسیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انہی حالات وصفات کا علم تھا جو وہ نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس واطہر سے سنتی تھیں۔ ان کے معاملات اورحسن معاشرت کے متعلق جب نبی اکرم ﷺ بڑے ہی روہانسے انداز میں یاد فرماتے اور ان کے ساتھ بیتے ہوئے یادگار و خوشگوار ایام کا تذکرہ فرماتے اور ہرخوشی وغمی کے موقع پر آپ ﷺ ان کا تذکرہ ضرور کرتے۔حتی کہ جب آپ ﷺ کوکسی کی طرف سے گوشت تحفہ میں ملتا یا آپ ﷺ خود بکری یااونٹ ذبح کرتے تو آپ ﷺ سب سے عمدہ گوشت علیحدہ کرتے اور اسے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کی طرف تحفتاً بھیج دیتے۔آپ ﷺ نے ایک بار ایک عورت کی آواز سنی جوآپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کررہی تھی۔آپ ﷺ پریشان ہوگئے کیونکہ اس کی آواز ہو بہو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز کی طرح تھی۔

کچھ دیر بعدآپ ﷺ کو اندازہ ہوگیا کہ یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہے۔ آپ ﷺ نے پکارا!اے اللہ!یہ توہالہ ہے۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائیں تو آپ ﷺ کی خوشی دینی تھی۔آپ ﷺ نے اسے انتہائی عزت و تکریم سے نوازا۔

ایک بار ایک بوڑھی عورت آپ ﷺ کے گھر میں آئی۔اس جیسی عمر رسیدہ عورت کی

طرف لوگوں کی توجہ کم ہی جاتی ہے لیکن لوگوں کے برعکس آپ ﷺ نے اس بوڑھی کا استقبال ایسے انداز سے کیا کہ کوئی شخص اپنے کسی معزز و محبوب رشتہ دار کا استقبال بھی اس سے بڑھ کر نہ کر سکے اور آپ ﷺ کے اسی انداز سے تلملاتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صبر نہ ہوسکا اور آپ ﷺ سے پوچھ لیا کہ یہ بوڑھی کون ہے؟

آپ ﷺ نے نہایت دلگداز انداز میں جواب دیا یہ عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی۔ یہ سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسے الفاظ نکل گئے جن سے اہانت کا پہلو نکلتا تھا۔ انہوں نے کہا:

کیا خدیجہ رضی اللہ عنہا سرخ باچھوں والی ایک بوڑھی عورت سے زیادہ بھی کچھ تھی؟ اس بار رسول اللہ ﷺ واقعی شدید غصے میں آ گئے جو آپ ﷺ کے رخ انور کے گلنار ہونے سے بخوبی معلوم ہو رہا تھا اور جب آپ ﷺ غصے میں آتے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر واقعی اگلے بال جھوم اٹھے۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تعنیف بھرے لہجے میں کہنا شروع کیا کہ جس میں خدیجہ کی اللہ اور اس کے رسول کے لیے بیش بہا خدمات کا تذکرہ نمایاں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس (خدیجہ) کا نعم البدل مجھے نہیں دیا۔ وہ میرے ساتھ اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے کفر کیا اور اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور جب لوگوں نے مجھے مالی امداد سے محروم کیا تو اس نے اپنے کثیر مال سے میری بھرپور معاونت کی۔ مزید برآں! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے بطن سے اولاد عطا کی لیکن اب اللہ تعالیٰ نے موجودہ بیویوں کی اولاد سے مجھے محروم رکھا ہے۔ [صحیح بخاری: ٣٨١٦۔ صحیح مسلم: ٢٤٣٥]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر نہایت افسوس اور ندامت ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی بات کہہ دی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کو ایذا پہنچی اور اس گفتگو کے نتیجے میں آپ ﷺ نے مجھے زجر و توبیخ کی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دل سے یہ عہد کیا کہ آئندہ

وہ کبھی ایسی گفتگو نہ کرے گی۔

ان سب واقعات کے باوجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے سائے تلے ایک کامیاب گھریلو زندگی گزار کررہی تھیں۔ یہ لطف اندوز زندگی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے صرف اور صرف نبی ﷺ کی قربت ومحبت اور آپ ﷺ کی تحمل مزاجی ہی کی بدولت تھی اور ان میں جو شدید سکناپن اور شدید نسوانی غیرت کے مظاہر وقتاً فوقتاً پیش آتے تھے۔ وہ بھی ان کی طرف سے آپ ﷺ کے ساتھ شدید محبت کی وجہ سے ہی تھے۔ اس کے علاوہ بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات اور امتیازات ایسے تھے جن کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی لاڈلی بیوی تھیں اور آپ ﷺ کی دیگر بیویاں ان پر رشک کرتی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتہائی مخلص تھیں۔ آپ ﷺ اپنے دہن مبارک اور زبانِ اطہر سے جو لفظ بھی ادا فرماتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسے اپنے دل میں محفوظ کر لیتیں اور اپنے اردگرد صحابیات اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کو بتادیتیں۔ نبی اکرم ﷺ بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا جواب ترکی بہ ترکی بھرپور محبت و پیار سے دیتے۔ آپ ﷺ اکثر مواقع پر اپنی اس لاڈلی بیوی کو دوسری بیویوں بلکہ دیگر سب لوگوں پر فوقیت دیتے اور جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے یہ پوچھا کہ لوگوں میں سے کون آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ ﷺ نے بلاتردد توقف صراحت کے ساتھ فرمایا: عائشہ! اسی محبت کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مزاح بھی فرماتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب برتن سے پانی یا دودھ وغیرہ پیتیں تو آپ ﷺ اس برتن کی اسی جگہ پر اپنا دہن مبارک رکھ کر نوش فرماتے جہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہونٹوں کا نشان ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کی محبوب بیوی کا احترام کرتے۔ ان میں سے جب کسی کے پاس کوئی تحفہ خاص ہوتا جو وہ نبی اکرم ﷺ کو دینا چاہتا تو وہ اس دن کا

انتظار کرتا جس دن آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہوتے۔ تمام صحابہ رسول ﷺ کی خوشنودی اور شادمانی چاہتے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی خصوصیت دیگر امہات المؤمنین کو نہ بھاتی۔

وہ سب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اکٹھی ہوئیں اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ آپ ﷺ کو ابوقحافہ کی بیٹی (عائشہ) کے معاملہ میں ہم سے عدل کرنے کی تجویز ورغبت دلائے۔ تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو مشورہ دیں کہ میں جس بیوی کے پاس جاؤں وہ اپنے تحائف مجھے وہیں پہنچادیا کریں۔ آپ ﷺ کی بیویاں اگرچہ تحائف وغیرہ میں دلچسپی نہ رکھتی تھیں لیکن انہیں یہ بات ناپسند تھی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان پر کسی معاملے میں فوقیت ملے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حسب منصوبہ آپ ﷺ سے یہ بات کی لیکن آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے آپ ﷺ دوبارہ وہی بات کی اور آپ ﷺ کی منت سماجت کی۔ اس کی گفتگو نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت پریشان کیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اے ام سلمہ! تو مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں اذیت نہ دے۔ اس کے علاوہ کسی اور بیوی کے بستر پر مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوکنوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنے مطالبہ پر ڈٹ گئیں۔ ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسری سفارش رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجی لیکن ہر بار دربار رسالت سے ایک سا ہی جواب ملا۔

دوسری بار امہات المؤمنین نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔ کیونکہ وہ بھی خاندان قریش کی خاتون تھیں جو اپنی فصاحت اور شجاعت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ نیز انہیں نسبی لحاظ سے بھی رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد ہونے کا شرف حاصل تھا اور مقام ومرتبہ کے لحاظ سے وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم پلہ ہی تھیں۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی دیگر ازواج کی باہمی رنجش کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ انہوں نے اس وقت اپنا لہجہ سخت کر دیا جب

دیکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں براجمان ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بھی غیرت آ گئی۔ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو خوب لتاڑا اور اس کی ذات میں خوب کیڑے نکالے۔ جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی...... جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر لب کشائی کی اجازت کے آثار نظر آئے تو انہوں نے اپنی سوکن کی کٹ حجتیوں کا خوب جواب دیا۔ ان کی ساری دلیلیں اور زور بلاغت بھک سے اڑ گیا اور ہکا بکا اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو گئیں۔ نبی اکرم ﷺ کی خوشی دیدنی تھی۔ جب آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی پر جوش اور مدلل گفتگو سنی تو آپ ﷺ پکار اٹھے۔ آخر کار وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ساتھیوں نے پھر بھی ہار نہ مانی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی جگر گوشہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی شکایت دے کر بھیج دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باتیں سنیں تو وہ بھی ان کی ہمنوا بن گئی اور اپنے ابا جی کے پاس چلی آئیں اور فریاد کر دی اے ابا جان! اے رسول اللہ ﷺ! بے شک آپ کی بیویاں بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے معاملے میں آپ سے انصاف کی طالب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ شفقت پدری سے نہایت لطیف انداز میں فرمایا: اے میری بیٹی! کیا تو اسے پسند نہیں کرتی جسے میں پسند کرتا ہوں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے اختیار نکلا کیوں نہیں۔ ابا جان! پھر وہ بھی امہات المومنین کی طرح ناکام و نامراد لوٹ گئیں۔ وہ بھی انہیں کچھ نہ دلا سکیں۔ بہر حال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آتا اور عنقریب جو کچھ اسے مستقبل قریب میں پیش آنے والا تھا اس سب کی شدت قصۂ بہتان وافتراء کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ وہی قصہ ہے جو سیدہ عفیفہ وصدیقہ کائنات بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و عصمت اور شرم وحیاء کو داغدار کرنے کے لیے تیر اتراشا گیا تھا۔ اس واقعہ نے اس جری خاتون کو بھی تھکا اور لرزا دیا اور یہ ایسا ظالمانہ افسانہ تھا کہ قریب تھا کہ وہ عفیفہ عصمت و آبرو کی

چادر اوڑھ کر خاموشی سے اس دنیا سے ہی رخصت ہو جاتی۔ ایسا ظلم کا نشانہ نبی ﷺ کی کسی اور بیوی کو نہیں بنایا گیا۔

یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر پیش آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے لیے کوچ کیا تو وہ مدینہ منورہ سے ایک منزل پہلے کسی مقام پر پڑاؤ کیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حاجت کے لیے قافلہ سے دور چلی گئیں۔ جب وہ واپس آئیں تو اپنا قیمتی ہار گم پایا وہ اس وقت ان کے گلے سے ٹوٹ کر بکھر گیا جب وہ پڑاؤ کے مقام سے باہر نکلیں۔ وہ اسے تلاش کرنے لگیں۔ اسی دوران دوبارہ کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کے ذمہ داران نے جب سیدہ کا ہودج دیکھا تو اسے اسی طرح اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا گیا اور انہوں نے یہی سمجھا کہ سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا اس کے اندر ہیں۔ وہ چونکہ کم عمر بھی تھیں اور کم وزن بھی تھیں۔ اس لیے ہودج اٹھانے والوں کو محسوس ہی نہ ہوا کہ وہ خالی ہودج اونٹ کی پشت پر رکھ رہے ہیں۔

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہار کی ناکام تلاش کے بعد تھکی ماندی پڑاؤ والی جگہ پر آئیں تو قافلہ وہاں سے کوچ کر چکا تھا اور وہ وہاں تن تنہا رہ گئی تھیں۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگیں کہ اب کیا ہوگا پھر کچھ دیر سوچ کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی اوڑھنی اوڑھ کر اسی جگہ پر لیٹ گئیں۔ وہ انتظار کرنے لگیں کہ شاید قافلے والوں کو ان کے پیچھے رہ جانے کا علم ہو جائے اور کوئی ان کو لینے کے لیے واپس آ جائے۔

زیادہ دیر نہ گزری کہ وہاں سے ایک جلیل القدر صحابی رسول سیدنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کسی ایسی ہی مصلحت کے پیش نظر انہیں قافلے کے پیچھے آنے کی ہدایت کر رکھی تھی۔ انہوں نے جب ایک ہیولہ دیکھا اور پھر سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا کیونکہ انہوں نے بچپن میں سیدہ کو دیکھا تھا۔ انہوں نے قریب آ کر اپنا اونٹ بٹھایا اور سیدہ کو اونٹ پر سوار ہونے کا اشارہ کیا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیے۔ تاکہ

انہوں نے قافلے کو پالیا۔ جب منافقوں نے انہیں آتے ہوئے دیکھا توان دونوں کے بارے میں تہمتوں کی بوچھاڑ کردی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بدگوئی کرنے لگے اوران پر صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگا کرافواہوں کو بڑھاچڑھا کر پھیلانے کی ذمہ داری رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے سرلی۔

مدینہ منورہ میں یہ افواہیں گردش کرنے لگیں۔افواہیں سن سن کر رسول اللہ ﷺ پریشان ہو گئے اورآپ ﷺ کو حددرجہ کی اذیت میں مبتلا کردیا گیا۔ جب یہ افواہیں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اوران کی اہلیہ تک پہنچیں تو انہیں بھی نہایت آزردہ کردیا۔جب عوام کے درمیان یہ افواہیں پھیلنے لگیں تو کچھ مؤمنین ومؤمنات بھی اس سازش کی سنگینی کو نہ سمجھ سکے اوران میں سے چند ایک عملی طور پر افواہیں پھیلانے والوں میں شامل ہوگئے۔ حالانکہ کسی کے پاس کوئی دلیل ،ثبوت یا موقعہ کا گواہ موجود نہ تھا کہ وہ اسے پیش کرتا۔

رسول اللہ ﷺ بھی مضطرب وبے چین تھے۔لیکن عفیفۂ کائنات رضی اللہ عنہا ظلم کی اس آندھی سے بالکل بے خبرتھیں۔شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ قافلہ جونہی مدینہ منورہ پہنچا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کوشدید بخار ہوگیااوروہ گھر سے باہر نہ نکلیں۔وہ اپنے بستر پرتھیں،ان کی والدہ محترمہ ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس آئیں۔گھرمیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی الفت والتفات میں نمایاں کمی آئی جسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس بھی کیا۔ لیکن انہیں یقین پھربھی نہ آیا۔محسوس کرنے کے قرائن یوں تھے کہ جب گھر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صحیح وتندرست ہوتی تھیں تو نبی ﷺ ان کے ساتھ ہلکی مزاح ضرور کرتے۔ جبکہ اب تووہ بیمارتھیں اورسخت تکلیف میں تھیں،اس کے باوجود آپ ﷺ سیدہ کا حال نہ پوچھتے ، نہ آپ ﷺ کے چہرہ پر بشاشت کے کوئی آثارنظرآتے۔ دورہی سے آپ ﷺ سیدہ کا حال خشک لہجہ میں پوچھ لیتے۔آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ فرماتے تمہارا کیا حال ہے؟

جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے عدم التفات کو اپنے دل میں شدت کے ساتھ محسوس کرلیا تو اس نے آپ ﷺ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ وہ اپنے والدین کے ہاں چلی گئیں لیکن انہیں قطعاً علم نہ تھا کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں ان کے متعلق کیا کیا طوفان اٹھ رہے ہیں اور لوگوں کے گھر اور محلّہ جات اور مردوں اور عورتوں میں کیا کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے۔ بالآخر کچھ نہ کچھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کانوں میں بھی بھنک پڑ ہی گئی۔ ابھی آپ رضی اللہ عنہا اپنی مرض سے مکمل صحت یاب نہ ہوئی تھیں کہ اچانک اس افسوسناک خبر کو سن کر تلملا اٹھیں تو دنیا اپنی تمام وسعتوں کے باوجود انہیں تنگ محسوس ہونے لگیں قریب تھا کہ سب گریہ سے وہ ہلاک ہو جائیں۔ ان کی والدہ محترمہ نے انہیں سہارا دیا، ان کی دلجوئی کی اگرچہ وہ خود بھی غم سے نڈھال تھی اور حیران و پریشان تھی وہ کرے تو کیا کرے۔ تاہم انہیں اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا یقین کامل تھا۔ وہ گویا ہوئیں اے میری بیٹی! اپنا خیال رکھ اور حد سے مت گزر۔ بہت کم ایسا ہوا کہ کوئی خوبصورت ایسے شوہر کے پاس ہو جو اس سے محبت کرتا اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو ضرور اس خوبصورت بیوی کے بارے میں باتیں ہوں گی اور لوگ بھی اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔''

مدینہ منورہ کی فضائیں مکدر ہو گئیں

رسول اللہ ﷺ بھی اپنے معاملہ میں حیران و پریشان ہو گئے۔ نزول قرآن رک گیا۔ جبرئیل علیہ السلام کی آمد بھی بند ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے الہام وحی کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ پر حالات اس قدر شدید ہو گئے اور آپ ﷺ کا دم گھٹنے لگا تو آپ ﷺ نے ان حالات میں لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کچھ لوگ میرے گھر والوں کے متعلق میرے لیے باعث ایذا بن چکے ہیں اور یہ لوگ میرے

گھر والوں کے متعلق ناحق الزام و بہتان لگاتے ہیں اور وہ ایک صالح خصلت "صفوان" کی طرف یہ فعل شنیع منسوب کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کے متعلق سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں جانتا۔ وہ جب بھی میرے کسی گھر میں آئے میرے ہمراہ ہی آئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اس خطاب سے لوگوں کے اضطراب میں گونا گوں اضافہ ہوا اور فتنہ پروروں کی شرارتوں کو مہمیز مل گئی۔ قریب تھا کہ اوس اور خزرج کے درمیان ایک لامحدود فتنہ کھڑا ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں اپنے مخلص جانثار صحابہ کے ساتھ مشورہ کیا لیکن آپ ﷺ کو کسی نے کوئی حل نہیں بتایا۔

آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ خاص بریرہ رضی اللہ عنہا سے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھا اس نے بھی اپنی مالکن کی نیکی و صلاح کی گواہی دی۔

پھر رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے میکے چلے گئے۔ آپ ﷺ نے سیدہ بی بی کے ساتھ صراحت کے ساتھ گفتگو فرمائی۔

"عائشہ! تو نے بھی لوگوں کی باتیں سن لی ہیں۔ اگر واقعی تو نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ کے آگے توبہ کریں۔"

عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت تلخی کے ساتھ رونے لگیں۔ خصوصاً جب اس نے اپنے والدین کو خاموش اور حیران و پریشان دیکھا۔ ان دونوں کو کچھ سجھائی نہ دیا کہ وہ آپ ﷺ کی بات کا کیا جواب دیں لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بذات خود جواب دینے میں جلدی کی۔

وہ کہنے لگیں: اللہ کی قسم! میں اللہ کے لیے توبہ نہیں کروں گی۔ اس وجہ سے جو آپ ﷺ نے بیان کی ہے اور یہ کبھی نہ ہوگا اور اللہ کی قسم! اگر میں اقرار بھی کر لوں تو اللہ تعالیٰ کو یقیناً علم ہے کہ میں اس تہمت سے بری الذمہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ میری تصدیق کریں گے۔

اور اگر میں اس تہمت سے انکار کروں تو آپ ﷺ میری تصدیق نہیں کریں گے، لیکن میں وہی کہوں گی جو یوسف علیہ السلام کے والد محترم نے کہیں تھی:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ [یوسف: 18]

رسول اللہ ﷺ مذکورہ مکالمے کے بعد وہیں تھے کہ جبریل علیہ السلام نے نزول فرمایا: سب لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آپ ﷺ کے پاس جب فرشتہ وحی لاتا ہے تو آپ ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی پیشانی سے شبنم کی طرح پسینہ بہتا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین خوفزدہ ہوگئے کہ وحی ایسی ہوگی جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے رسوائی کا سامان لائے گی اور ان دونوں کے سانس ان کے حلق میں اٹک گئے۔ جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بذات خود بے خوف اپنی جگہ پر مطمئن بیٹھی رہیں۔

اور جونہی رسول اللہ ﷺ کی سابقہ کیفیت ختم ہوئی اور جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ سے رخصت ہوئے تو آپ کا چہرہ خوشی سے گل وگلزار ہوگیا۔ آپ ﷺ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے عائشہ! تجھے مبارک ہو! جبرئیل علیہ السلام تیری براءت لائے ہیں۔

یہ الفاظ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا چہرہ کھل اٹھا اور ان کی بیوی کو بھی انشراح صدر ہوا۔ ان دونوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اپنی جگہ سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کا شکر ادا کرو۔ انہوں نے پوری سنجیدگی اور غمزدہ انداز میں جرأت مندانہ لہجے میں کہا: اللہ کی قسم! میں اللہ کے علاوہ کسی کا شکر ادا نہیں کروں گی۔''

پھر رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے گئے اور سورۃ النور کی نازل شدہ آیات کی تلاوت کی:

''بے شک وہ لوگ جو بہتان لے کر آئے ہیں وہ تمھی سے ایک گروہ ہیں، اسے اپنے لیے برا مت سمجھو، بلکہ یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر آدمی کے لیے گناہ میں سے وہ ہے جو اس نے گناہ کمایا اور ان میں سے جو اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار بنا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ کیوں نہ جب تم

نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے،تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً اس بات کی وجہ سے جس میں تم مشغول ہوئے،تم پر بہت بڑا عذاب پہنچتا۔جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لے رہے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمھیں کچھ علم نہیں اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔اور کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو کہا ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم اس کے ساتھ کلام کریں،تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے اس سے کہ دوبارہ کبھی ایسا کام کرو، اگر تم مومن ہو۔''

[النور: ۱۰ تا ۲۰]

پھر آپ ﷺ نے سیدنا مسطح بن اثاثہ اور سیدنا حسان بن ثابت اور سیدنا میمونہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان تینوں پر حد قذف (اسّی اسّی کوڑے) لگائی کیونکہ ان تینوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر صراحتاً بہتان تراشی کی۔

فتنہ ختم ہوگیا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے سرتاج نبوت کے پہلو میں پہلے سے زیادہ تمکنت وسکینت مل گئی اور پہلے سے زیادہ احسن طریقے سے زندگی کی شاہراہ پر رواں دواں ہوگئیں اور اپنے خلوص بھرے دل ،عالی فہم و فطانت کے بل بوتے پر نبی ﷺ کی محبت و فریفتگی میں بلند شان حاصل کرلی۔نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے تمام اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے:

''عائشہ رضی اللہ عنہا! تمام جہاں کی خواتین سے اس طرح افضل ہو جس طرح ثرید سارے کھانوں سے افضل ہے۔''

جبرئیل امین علیہ السلام جو بذات خود رسول اللہ ﷺ کی رائے کا احترام کرتے تھے اور سیدہ

عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ کو پہچانتے تھے۔ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سیدہ بی بی کو بتاتے اور فخریہ انداز میں انہیں فرماتے اے عائشہ! یہ جبریل علیہ السلام تجھے سلام کہتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا اور اس پر بھی اللہ کی رحمت و سلامتی اور برکتیں ہوں۔

[بخاری:٣٧٦٨۔مسلم:٢٤٤٧]

جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اولاد کے لیے جذبات کی زد میں دیکھا تو آپ ﷺ کو بھی سیدہ بی بی پر رحم آ گیا لیکن تقدیر میں ایسا نہ ہونے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ کے غائبانہ جذبۂ ممتا کے اعتراف کے لیے ان کی کنیت ام عبداللہ عطا کی۔ جوان کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام کی مناسبت سے تھی۔ اسی لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام عبداللہ کی کنیت سے پکارا جاتا ہے۔

جب اچانک رسول اللہ ﷺ کو کسی بیوی کے پاس مرض نے آ دبوچا تو آپ میں بستر سے اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ آپ ﷺ اپنی بیویوں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اپنی بیماری کے ایام گزارنے کے لیے اجازت طلب کرنے لگے۔ تو سب نے بیک زبان ہو کر بغیر کسی تردد کے آپ کو اجازت دے دی۔ جب آپ ﷺ ان میں سے کسی کو بلانا چاہتے تو وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہو جاتی لیکن وہ شرف و فضیلت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماتھے کا جھومر بن گیا اور جو رہتی دنیا تک ان ہی کے نام سے منسوب رہے گا۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کے آخری لمحات انہی کے حجرے بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں بسر ہوئے۔ آپ ﷺ جب اپنے رب اعلیٰ کی رحمت کے جلو میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کا سر مبارک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر تھا۔ پھر آپ ﷺ کو انہی کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بقیہ عمر رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں اپنے حجرے کے اندر ہی گزار دی۔ روئے زمین کے مقدس ترین قطع پر آپ ﷺ کے تذکار مبارکہ کے ساتھ زندگی کے ایام مکمل کیے۔

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلوص، محبت،

احترام اوروفا کا صلہ آپ ﷺ نے انہی کے گھر میں دفن ہوکر ادا کردیا اور اس لیے بھی آپ ﷺ نے بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے گھر کو یہ شرف عطا کیا کہ آپ ﷺ کے دل میں ان دونوں باپ بیٹی کی محبت اور دین کی سربلندی کے لیے ان کی خدمات اور اللہ کے راستے میں مالی وجانی جہاد کا بدلہ بھی یہی ہوسکتا تھا۔

ہاں! یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نبی ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو ہر معاملے میں فوقیت واولیت دیتے تھے اوران کو محبت واحترام اور ان کی ہر معاملہ میں حوصلہ افزائی کرتے تھے تو یہ آپ ﷺ اپنی خواہش سے ایسا نہیں کرتے بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کچھ منفرد خصوصیات ایسی تھیں جو دیگر امہات المؤمنین میں نہ تھیں۔ کجا دیگر صحابیات مطہرات رضی اللہ عنہن انہی صفات وخصوصیات کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نازو انداز پر صبر کرتے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صفات مذکورہ کو مصطفیٰ ﷺ کی وفات کے بعد نکھار اور اجلاپن ملا۔گویا آپ ﷺ انہیں آنے والے دنوں کے لیے تیار کررہے تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعدوہ اپنے علم وفقہ اورشعروخطابت سے معروف ہوئیں۔ نیز انہیں عربوں کے نسب ناموں میں بھی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی تقریباً بارہ سواحادیث روایت کیں کچھ احادیث میں وہ بالکل منفرد ہیں۔یقیناً اگروہ مذکورہ احادیث یاد نہ کرتیں تو اتنا بڑا ذخیرہ احادیث ضائع ہوجاتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کے لیے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے سفارت کاری کرتی تھیں۔عورتوں کے دینی مسائل ومعاملات کے حل وہ روایت کرتیں اگرکسی صحابیہ کوطبعی شرم وحیاء کی وجہ سے اپنا مسئلہ بارگاہ رسالت تک پیش کرنے میں دشواری محسوس ہوتی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی ترجمانی کرتیں۔چنانچہ دین حنیف کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فقہ النساء میں اہم خدمات پیش کیں۔

عورتوں کے لیے دینی مسائل روایت کرنے کے ساتھ ساتھ وہ مردوں تک بھی علم پہنچاتی تھیں۔وہ ایک علمی مدرسہ ومرکز کی طرح تھیں۔بے شمار تابعین نے ان سے علوم

حاصل کیے اور ان سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیشتر مشکل مسائل آپ نے حل کیے۔ یہاں تک کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا۔ہم اصحاب محمد ﷺ پر جب بھی کوئی معاملہ آتا اور ہم اس کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے ہیں تو وہاں سے ہمیں علم کے خزانے حاصل ہوجاتے ہیں۔

اور کبار تابعین میں سے ایک ثقہ محدث مسروق رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اصحاب محمد ﷺ میں سے عمر رسیدہ لوگوں کو دیکھا کہ وہ علم میراث کے مسائل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر قرآن، میراث، حلال وحرام، شعر اور عربوں کے حالات کے متعلق کوئی عالم نہ دیکھا۔

علامہ ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تین علوم میں اپنے زمانے میں بے مثال تھی۔ ① علم الفقہ۔ ② علم الطب۔ ③ اور علم الشعر۔

جس گھر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی ﷺ کی قبر مبارک تھی وہ گھر علم وشریعت کا مرکز بن گیا۔صحابہ وتابعین وہاں جاتے اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے۔ سیدہ ان سب کے لیے پردے کے پیچھے ہوا کرتا۔انہیں جو اہم مسائل پیش آتے انہیں ان کا حل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین والمؤمنات کے ہاں سے مل جاتا۔

اور جیسا کہ کتب سیرت وتراجم میں لکھا ہوا ہے کہ تمام مشکل مسائل کا حل اور ان کے متعلق فرامین رسول اور سنن رسول صحابہ وتابعین کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مل جاتا۔

نبی ﷺ کی وفات کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اڑتالیس برس زندہ رہیں۔ یہ عرصہ معمولی نہیں۔ اس عرصہ میں تادم وپیش سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے علمی شمع روشن رکھی۔ بالآخر اٹھاون ہجری میں آپ کو پیغام اجل مل گیا اور آپ اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوتے ہیں۔ صحابی جلیل ابوسلمہ کی وفات پر رسول اللہ ﷺ کو اس کے کنبے کی پرورش اور ان کی کفالت کی فکر دامن گیر ہوئی۔

سیدنا ابوسلمہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ مگر ۲ ہجری میں غزوہ احد میں لگنے والے زخموں کے نتیجے میں فوت ہوگئے اور اپنے پیچھے بیوہ ام سلمہ سمیت چار یتیم بچے چھوڑے۔ ان یتیموں کی پرورش وتربیت اس تنہا عورت کی ذمہ داری تھی۔ ان میں ایک نومولود بیٹی برہ نامی بھی تھی جس کا نام رسول اللہ ﷺ نے بدل کر زینب رکھا۔

نبی اکرم ﷺ کو ام سلمہ اور اس کے یتیم بچوں پر خصوصی طور پر رحم آیا۔ اسی لیے شاید یا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دانشمندی اور پختگی رائے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے گھر میں لانے کے لیے پسند کرلیا یا شاید آپ ﷺ نے اس سے نکاح کا فیصلہ تب کیا جب متعدد صحابہ نے اس سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تو اس عورت نے نہایت باوقار طریقے سے ان سے معذرت کرلی۔ وہ اپنے یتیم بچوں کو ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شاید رسول اللہ ﷺ نے اس سے نکاح کا فیصلہ اس کی غیرت مند نسوانیت کو دیکھ کر ہی کیا جو ایک مشفق اور سنجیدہ خاوند کی محتاج تھی۔

اگرچہ نبی اکرم ﷺ اپنے گردوپیش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ خصوصاً ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آپ ﷺ کی خصوصی نظر کرم رہتی تھی جنھوں نے

ابتدائے اسلام میں اسلام کے لیے کڑی آزمائشیں جھیلیں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بھی انہی نفوس طیبہ میں سے ایک تھے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد چند لمحات بھی مشقت و تکلیف کے بغیر نہ گزارے۔ اس لیے اس کے خاندان کا حق بنتا تھا کہ کم از کم اس کے بعد ہی وہ ایک سعادت مند زندگی بسر کریں۔

ان اسباب کی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اپنی رغبت کا پیغام بھیجا۔ اس خاتون نے حسب سابق نہایت لطیف پیرائے میں معذرت کرلی۔ نبی اکرم ﷺ کو اس نیک خاتون میں اپنے خاوند کے لیے اخلاص اور شرم وحیاء کا حسین امتزاج نظر آیا۔ نیز آپ ﷺ کو اس خاتون میں نسوانی حیاء اور غم کی جھلک بھی نظر آئی جو اپنے خاوند کی جدائی سے غمزدہ ہو۔ جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یقین ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے فیصلے میں پرعزم ہیں اور انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ نبی اکرم ﷺ صرف مجھے ہی خوش نہیں رکھنا چاہتے بلکہ وہ ابوسلمہ کی قربانیوں کا کم ازکم صلہ بھی دینا چاہتے ہیں جو انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے پیش کیں۔

اس نیک خاتون نے چاہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں جانے سے پہلے اپنی ذات کی تمام خامیاں آپ ﷺ کے سامنے کھول دیں اور ان سب باتوں سے آپ ﷺ کو آگاہ کردیں جن کا جاننا آپ ﷺ کے لیے ضروری تھا تو اس نے آپ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک میری طرح کی اکھڑ مزاج عورت آپ ﷺ کے لیے نامناسب ہے۔ نیز میری شادی کی عمر بھی گزر گئی ہے۔ اب میں اولاد کے قابل بھی نہیں۔ نیز میں ایک غیرت مند عورت ہوں۔ میری گود میں سابقہ خاوند سے اولاد ہے جن کی میں کفالت کی ذمہ دار ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ خاوند کے حقوق کی ادائیگی کرتے کرتے ان بچوں کی کماحقہ تربیت نہ کرسکوں۔ جو میرے سابقہ خاوند کی امانت ہیں۔ اس طرح میں خیانت کی مرتکب نہیں ہونا چاہتی۔ نبی اکرم ﷺ

نے اس کے سارے بہانوں کا مدلل جواب دیا اور آپ ﷺ نے اتمام حجت کرتے ہوئے فرمایا: تیری نسوانی غیرت کے لیے میں دعا کروں گا اللہ اس میں تحمل لائے گا اور اولاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ جہاں تک عمر کا تعلق ہے تو میں آپ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں۔ بالآخر یہ شادی ہوگئی۔

جب آدمی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے موقف پر غور کرتا ہے تو اسے تعجب ضرور ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس خاتون کے ساتھ سلوک پر بھی تعجب ہوتا ہے اور بعض اوقات ذہن میں یہ وسوسہ جنم لیتا ہے کہ اس عورت کو اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشکش ٹھکرا دی۔ جب کہ آپ ﷺ کی عظمت اور مرتبہ سب کے سامنے تھا جبکہ وہ بذات خود ایک عام سی عورت ہی تھی۔ اگرچہ اس نے بھی اللہ کی راہ میں کماحقہ جہاد کیا اور قربانیاں دیں۔

اور یہ صورت بھی ہر انسان کے لیے باعث تعجب ہے کہ جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی فرمائش سے معذرت کرلی تو آپ ﷺ نے اسے غیرت اور انا کا مسئلہ کیوں نہ بنایا۔ آپ ﷺ اس معاملہ کو اتنی اہمیت کیوں دی۔ اس کے بجائے آپ ﷺ تو اس خاتون سے بحث کر رہے تھے اور اس کی تاویلات کا جواب دلائل سے دے رہے تھے اور اس کو مکمل آزادی اظہار رائے کا حق دے رہے تھے اور آپ ﷺ نے ذرہ بھر برا محسوس نہ کیا۔

اگر کسی اور قوم کا کوئی سربراہ ہو اس کی خواہش کو کوئی عورت اس طرح رد کر دے تو ذرا غور کریں اس کا ردِ عمل کیا ہوگا جبکہ ادھر تو نبوت کی عظمت بھی ہے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو اس خاتون اور اس کی طرح دیگر خواتین کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ عورت ہونے کے ناطے اس کو کم از کم ایک مرد کے سائے کی ضرورت تھی جو اس کے معاملات کی رکھوالی کرے تاکہ وہ عورت اس کے پاس تسکین واطمینان حاصل کرلے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے صرف ان کی راحت کے لیے شادی کی کہ غزوہ احد میں لگے ہوئے زخموں کے نتیجے میں ان کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور وہ غمزدہ عورت ہے۔ اس کی گود میں یتیم اولاد ہے۔ان کی کفالت کے ساتھ آپ ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حیثیت ومرتبہ پر بحال رکھنا چاہتے تھے۔

جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو نبی اکرم ﷺ اتنے ہی غمگین ہوئے جتنے کسی بھی صحابی کی موت کے وقت ہوا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی تیسری بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

آپ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تعزیت کرتے ہوئے یہ پیغام بھیجا تو اللہ سے سوال کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری اس مصیبت کا اجر عطا فرمائے اور اس کا نعم البدل دے۔ یہ پیغام اور دعا سن کر وہ صابر وغمزدہ عورت ہکا بکا رہ گئی۔ وہ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے دعائیہ الفاظ بار بار دہرانے لگی۔ پھر آہ! بھری اور کہا: میرے لیے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اچھا کون ہوسکتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ''مہر'' میں جو گھریلو سامان دیا اس کی قیمت چالیس درہم سے زیادہ نہ تھی۔ ایک چکی اور ایک ٹب اور کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا ایک بچھونا اور ان جیسی چند دیگر اشیاء تھیں۔ جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے زیر سایہ اپنے حجرہ میں تشریف لائیں تو پہلی رات وہاں ایک صراحی دیکھی جس میں کچھ جَو تھے اور ایک ہنڈیا اور چولہا اور بکرے کے پائے پڑے تھے۔ نئی نویلی دلہن نے جَو لیے اور ان کو پیسنا شروع کر دیا۔ پھر ہنڈیا میں پانی ڈال کر ان کو ابالا اور بکرے کے پائے لے کر ہنڈیا میں ڈالے اور اس کا سالن بنایا تاکہ یہ اس رات رسول اللہ ﷺ اور اس کا اپنا عشائیہ بن جائے اور نئی نویلی دلہن کا یہ حق ہوتا تھا کہ رسول اللہ چند دن تک مسلسل اس کے پاس رہتے۔ تاکہ نیا مہمان مانوس و مالوف ہوجائے لیکن یہ ساتھ بھی مکمل عدل وانصاف پر مبنی

ہوتا۔ کسی خاص مقصد اور رسول اللہ ﷺ کی اپنائی ہوئی حکمت کی بناء پر آپ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو میں آپ کے پاس تین دن رہوں اور اگر چاہیں تو میں سات دن لگاتار آپ کے ہاں رہا ہوں، پھر دوسری بیویوں کے پاس جاؤں۔ تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بلکہ آپ میرے پاس تین راتیں رہ کر دیگر ازواج مطہرات کے پاس چلے جانا۔ رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو اپنے اہل و عیال میں شامل کر دیا۔ آپ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی دودھ پیتی بچی ''برہ'' کا نام زینب سے بدل دیا۔ آپ ﷺ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے پوری شفقت و محبت سے پیش آتے اور ان کے تمام حقوق و مراعات ادا کرتے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کچھ آزاد کردہ غلام اور لونڈیاں تھیں۔ حسن بصری بھی انہی کے ایک آزاد کردہ خادمہ کے بیٹے تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ان کی ماں کی غیر حاضری میں کئی بار دودھ پلایا۔ جب حسن بصری نے بڑے ہو کر فصاحت و بلاغت میں ملکہ پیدا کیا تو مورخین کے بقول یہ اسی دودھ کا اثر تھا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رہتے ہوئے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پیا تھا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں خصوصی عزت و تکریم اور محبت و احترام ملا جس وجہ سے اس کے زخم مندمل ہو گئے اور خاوند کی جدائی کا جو گھاؤ اس کے دل پر لگا تھا اور وہ نہایت کاری تھا لیکن نبی اکرم ﷺ کی شفقت و رأفت کی مرہم پٹی سے جلد ہی وہ معدوم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی اپنی باری کے مطابق سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لاتے ان سے جو کچھ بن پاتا آپ ﷺ کی خدمت و راحت کے لیے پیش کر دیتیں۔ آپ ﷺ کی دعا اور حسن خلق کے سہارے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا غیرت مندانہ جوش و جذبے کو سکون مل گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کریمانہ اور فطری دانشمندی کے گن گائے جانے لگے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دانش مندی اور مزید نکھار اور جلا پا صلح حدیبیہ کے موقع پر میسر آیا۔ اس سفر میں چونکہ رسول اللہ ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مصاحبت میں دیگر جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے جلو میں قربانی کے جانور لے کر عمرے کی ادائیگی کے لیے مدینہ منورہ سے احرام باندھ کر تلبیہ کی آواز بلند کرتے ہوئے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن ناگہاں قریش مکہ نے آپ ﷺ کو حدیبیہ کے مقام سے آگے بڑھنے سے روک دیا اور قریب تھا کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی لیکن رسول اللہ ﷺ کی حکمت علیاء کے تحت قریش بھی صلح مندی پر آمادہ ہو گئے اور آپ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ پر اتفاق کیا کہ اس سال آپ ﷺ اپنے ہزاروں جاں نثاروں کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس چلے جائیں گے اور اگلے سال عمرہ کی ادائیگی کے لیے دوبارہ آئیں گے۔ اس موقعہ پر جو تحریری معاہدہ فریقین کے درمیان طے پایا اسے تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب آپ ﷺ معاہدہ کی تحریر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے احرام کھول دیں اور اپنی قربانیاں یہیں ذبح کر دیں تا کہ صلح کی شروط پر عمل کی ابتدا کی جا سکے۔ یہ حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر دہشت طاری ہوگئی اور وہ سکتے کی کیفیت میں چلے گئے۔ کیونکہ ان کی آراء کی مطابق اس معاہدہ میں ان کی ذلت اور رسوائی کی بیشتر شروط موجود تھیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ نہ احرام کھول کر سر منڈوائے اور نہ قربانی کے جانور ذبح کیے۔ نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرزِ عمل مناسب نہ لگا اور آپ ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ غصے اور افسوس کی حالت میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی دلی کیفیت کی جھلک آپ ﷺ کے رخ انور پر نمایاں تھی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا حیران و پریشان ہو کر کھڑی ہوگئیں اور آپ ﷺ سے پوچھنے لگیں کیا پیش آیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ برباد ہو گئے۔ میں نے انہیں قربانی کے جانور ذبح کرنے اور احرام کھولنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اطاعت نہیں کی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس خوفناک خبر کو انتہائی سکون سے سنا اور مسکرا کر رسول اللہ ﷺ کی غبار آلود طبیعت کو صاف کرنے کی کوشش کی اور آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی: ''اے اللہ کے رسول! آپ اسے معمولی بنا کرلیں۔ اللہ کی قسم! بے شک صلح کا معاملہ ان کو بہت گراں لگا ہے چونکہ انہوں نے آپ ﷺ کی نافرمانی یقیناً نہیں کی۔ میری رائے ہے آپ اسی وقت ان کے پاس جائیں، آپ کسی سے بات نہ کریں۔ حتی کہ آپ اپنی قربانی ذبح کریں' سر منڈوائیں اور احرام کھول دیں۔ اس کے نتیجے میں وہ سب ایسا ہی کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے کو تسلیم کیا۔ اپنے آپ کو پرسکون بنایا اور اپنی بیوی کے نیک اور مفید مشورے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر آپ ﷺ جلدی جلدی روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے کسی صحابی سے کوئی بات نہ کی۔ بالآخر آپ ﷺ نے قربانی کے بعد اپنا احرام کھول دیا۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا' انہوں نے فوراً آپ ﷺ کی اتباع کی اور انہوں نے بھی قربانیاں کر کے اپنے احرام کھول دیے کیونکہ اب ان کا خوف اور دہشت جاتے رہے اور معاملہ پر امن طریقے سے طے پا گیا۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

جنگ احد کے شہداء کے غم میں رسول اللہ ﷺ کچھ عرصے تک مبتلا رہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام اور نبی ﷺ کے دفاع میں کثرت سے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔اس لیے آپ ﷺ ان کو کثرت سے یاد فرماتے اوران کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اوران کے ورثاء کی اکثر اوقات خبرگیری کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب علم ہوا کہ غزوہ احد کے نتیجے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوچکی ہے جبکہ اس نے ابھی تک اپنی عمر کے اٹھارہ سال ہی گزارے تھے اوران کے خاوند سیدنا خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہادت کے مقام پر فائز ہوچکے ہیں۔لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ کا گھر حزن وملال اور دکھ درد سے بھر چکا ہے اوران کے لیے جینا بھی مشکل ہوگیا۔ رحمدل باپ نے فوراً اپنی جواں سال بیوہ بیٹی کے لیے اس کے ہم پلہ رشتے کی تلاش شروع کردی۔ تاکہ وہ اس کی غمگساری کرسکے اوراسے نفسیاتی صدمے سے نکال باہرلائے۔رسول اللہ ﷺ اسلام میں عمر رضی اللہ عنہ کی قربانیاں اوران کے جرأت مندانہ موقف کو یاد کرتے اور سراہتے۔ آپ ﷺ کو اچھی طرح یاد تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ جب سے اسلام لائے ہیں، اسلام کی عزت میں اضافہ ہوا اور دین پہلے سے مضبوط ہوگیا۔ نبی اکرم ﷺ کو یہ بھی بخوبی علم تھا کہ قرآن کریم نے اکثر مواقع پر عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی۔

ان جیسے دیگر دلائل وقرائن کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے مناسب سمجھا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرلیں تاکہ ان کے والد کو ان کی بیٹی کا ہم پلہ رشتہ مل جانے سے سہارا مل جائے

اور ان کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ اس پیغام کا اعلان کیا جائے۔ آپ اپنے اس عزم کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو راز دان نہ بنایا۔ اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کے لیے فکرمند ضرور تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا ضرور کی کہ وہ انہیں فوراً خوشی عطا کرے۔ تاہم عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے دونوں ساتھیوں کی شکایت لائے کہ ان حالات میں انہوں نے میرے ساتھ مناسب سلوک نہیں کیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ان دونوں نے کیا کیا: تو عمر رضی اللہ عنہ غم زدہ لہجے میں بتانے لگے: میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں۔ پہلے تو وہ خاموش ہو گئے' پھر مسکرانے لگے۔ گویا میرا منہ چڑا رہے ہوں اور جواب تک نہ دیا۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں نے اسے بھی یہی پیشکش کی لیکن اس نے مجھے دھتکار دیا اور صاف انکار کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے اور عمر رضی اللہ عنہ کے خوف کو کم کرنے کے لیے پرسکون لہجے میں بولے حفصہ سے شادی وہ کرے گا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہوگا اور عثمان رضی اللہ عنہ اس سے شادی کرے گا جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا مقصود سمجھ کر عمر رضی اللہ عنہ خوشی سے سرشار ہو گئے۔ فوراً اپنی بیوی اور بیٹی کو یہ خوش خبری سنانے کے لیے چل دیے۔

تمام آل خطاب کو اس رشتہ پر دلی مسرت ہوئی۔ جس کی توقع ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ تھی۔ نیز اس طرح رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کے باپ کی تالیف قلبی بھی کر دی لیکن جونہی خاندان والے شادی کی تکمیل کی تیاری میں لگے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو انجانے خوف نے آ لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ نبی ﷺ کا گھرانہ عام گھروں کی طرح نہیں، اس کے آداب وقواعد بھی خصوصی ہوں گے جبکہ میری بیٹی کا مزاج ضرورت سے زیادہ گرم ہے لیکن اس کا ہونے والا خاوند عام خاوندوں کی طرح نہیں ہے۔ اگر میری بیٹی اپنے خاوند کا

حق کما حقہ ادا نہ کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے اس کی بربادی کی وجہ سے میں بھی برباد ہو جاؤں۔

اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو خوب نصیحتیں کیں اور لغزشوں اور خطاؤں سے اس کو خوب ڈرایا اور اس بات کی تنبیہ بھی کی کہ خبردار! کبھی نبی اکرم ﷺ کو ناراض نہ کر دیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو خصوصی تنبیہ کی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کبھی بھی مقابلہ بازی نہ کریں اور نہ ان پر رشک کریں، کیونکہ اسے اور اس کے باپ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس خاص مقام حاصل ہے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں منتقل ہونے سے پہلے اپنے والد کی نصیحتوں اور مشوروں کو خوب یاد کر لیا۔ ان کے دل میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت کا احترام راسخ ہو گیا تھا۔ وہ ان کے زیادہ قریب ہو گئی۔ اس کے ساتھ مقابلہ اور حسد تو دور کی بات ہے وہ تو ان کے گروپ میں شامل ہو گئی اور نبی ﷺ کی دیگر بیویوں کے ساتھ خوب مقابلہ بازی کی۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ ان دونوں نے باہمی مشورہ سے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے خلاف ''مغافیر'' والا افسانہ کیسے تراشا۔

اس سب کے باوجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے دل میں کچھ نہ کچھ نسوانی رشک موجود ہی رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا پورا خیال رکھا۔ وہ چونکہ عالمہ فاضلہ خاتون تھیں اس لیے بھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے بھرپور محبت کی اور ان کی خوب حوصلہ افزائی بھی کی۔ جس زمانے مدینہ منورہ کے مرد بہت کم پڑھے لکھے تھے اس زمانے میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا لکھنا جانتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے بذات خود نازل شدہ سورتوں اور آیات کی تدوین کو مدوّن کیا اور قرآن کریم کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت عمدہ اور تیز ذہن دیا تھا۔ اسی طرح وہ کثرت سے نماز و روزوں کی بھی عادی تھیں۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے گھر میں نہایت سعادت مندی اور پرسکون انداز میں

زندگی بسر کر رہی تھیں۔ اگر ہم سوکنوں کے درمیان ہونے والے نسوانی چٹکلوں سے چشم پوشی کر لیں تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کوئی بڑا حادثہ ایسا پیش نہ آیا جس نے ان کی سعادت مندانہ بود و باش کو گدلا کر دیا ہو۔

بہر حال ان کی پرسکون زندگی میں ایک عجیب و غریب دن بھی آیا۔ اس دن ان کے والد محترم ان کے پاس غصے میں حیران و پریشان ہو کر آئے اور اس کا سبب یہ بنا کہ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیوی سے ناراض ہو گئے اور اسے خوب ڈانٹا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دم جھٹکا لگا کیونکہ ان کی بیوی ان کو دو بدو جواب دے رہی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس انداز پر مزید غصہ کیا اور کہنے لگے تو جواب مت دے چونکہ اس سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کو بیوی سے ایسے سلوک کا کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ اس لیے انہیں اس کا یہ طرزِ عمل نہایت بھلا لگا اور وہ حیران ہو گئے۔ اچانک ان کی بیوی کہنے لگی: میرے جواب دینے سے آپ کو تعجب کیوں ہو رہا ہے؟ ادھر نہیں دیکھتے رسول اللہ ﷺ کی بیویاں بھی آپ ﷺ کو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی کبھی کبھار سارا دن آپ ﷺ سے علیحدہ رہتی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کو شدید دھچکا لگا۔ اپنی بیوی کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس کا معاملہ نہایت آسان تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو تو اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا اور ان کی سوکنوں پر نہایت غصہ آ رہا تھا جو رسول اللہ ﷺ سے ایسا معاملہ کرتی تھیں۔

عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے گھروں تک پہنچ گئے۔ وہ سب سے پہلے غصے میں بل کھاتے ہوئے اپنی بیٹی کے گھر میں داخل ہوئے۔ غصہ ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ وہ اپنی بیٹی پر اچانک اس طرح حملہ آور ہوئے کہ کیا یہ سچ ہے کہ تو رسول اللہ ﷺ کی باتوں کا جواب دیتی ہو؟ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کا انداز دیکھ کر پہلے تو ڈر گئی اور ان کی زبان گنگ ہو گئی۔ چونکہ وہ اپنے باپ کی آنکھوں میں غصے کے انگارے بخوبی دیکھ چکی تھیں لیکن پھر اچانک ہکلاتے ہوئے کہہ دیا: جی ہاں!

عمر رضی اللہ عنہ کی تلخی مزید بڑھ گئی۔انہوں نے دوسرا سوال داغا کہ کیا تم میں سے کوئی ایک دن بھر رسول اللہ ﷺ سے جدا رہتی ہے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا کانپنے لگی اور انتہائی مضطربانہ انداز میں کہہ دیا: جی ہاں!

عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دل میں شدید گھٹن محسوس ہوئی۔انہوں نے بلند آواز سے اپنی بیٹی اور اس کی سوکنوں کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: تم میں سے جس سے بھی یہ حرکت ہوئی وہ خسارے میں ہے۔کیا تم میں سے کسی کو اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے تم سے ناراض ہو جائے گا۔ ایسے میں وہ یقیناً ہلاک و برباد ہو جائے گی۔

اے میری بیٹی! تو رسول اللہ ﷺ کی کسی بات سے انکار مت کر اور نہ ہی تو ان سے کچھ مانگ جو تجھے ضرورت ہو میرے مال سے لے لے اور تجھے ہرگز یہ بات دھوکہ میں نہ ڈالے کہ اگر تیری پڑوسن عائشہ رضی اللہ عنہا تجھ سے رسول اللہ ﷺ کے ہاں زیادہ شان والی اور ان کو زیادہ محبوب ہو۔

لیکن حفصہ رضی اللہ عنہا کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور اس نے کبھی دھیمے پن اور شائستگی کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا۔کیونکہ اس کے باپ کا اندیشہ نامناسب تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کبھی بھی اپنی ذات کی وجہ سے اپنی بیوی سے ناراض ہونے والے نہیں تھے۔

اور نہ ہی آپ ﷺ ان میں سے کسی کو اس کی فطرت چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے اور شاید رسول اللہ ﷺ عورتوں کے ان نسوانی نخروں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے کہ جو نخرے ان کی فطرت میں ہوتے ہیں لیکن مطلق طور پر حفصہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا وہ دن سب سے زیادہ حیران کن تھا جس دن نبی ﷺ نے ان کو ایک طلاق دے دی اور اس کے باپ کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔

صرف حفصہ رضی اللہ عنہا ہی کی زندگی میں یہ حادثہ غیر متوقع نہیں تھا، بلکہ نبی اکرم ﷺ کی

زندگی میں بھی یہ عجیب وغریب مواقع تھا کیونکہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرح آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔

عمر رضی اللہ عنہ کا اندازہ درست نکلا اوران کے اس خوف کی تصدیق ہوگئی کہ جن سے عمر رضی اللہ عنہ پیشگی اپنی بیٹی کو ڈرایا اور تنبیہ کی تھی، کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ طلاق کا سبب کیا تھا۔ شاید حفصہ رضی اللہ عنہا سے کوئی ایسی بات سرزد ہوگئی تھی جسے نبی اکرم ﷺ نے پسند نہیں کیا یا شاید آپ ﷺ نے انہیں کسی لغزش پر تنبیہ کرنا چاہی ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ کو جب اپنی بیٹی کے انجام کار کا پتہ چلا تو انہیں دلی صدمہ ہوا، ان کی آنکھوں میں دنیا کی کوئی قیمت نہ رہی۔

صرف حفصہ رضی اللہ عنہا کی بربادی کی وجہ سے نہیں بلکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ہاں اپنی منزلت ومرتبت کا بھی خیال آنے لگا اور وہ پکار اٹھے، اس حادثے کے بعد اللہ تعالیٰ کو عمر اور اس کی بیٹی کی کیا پروا ہے؟

لیکن نبی اکرم ﷺ نے اس طلاق کے بعد حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرلیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو خوشخبری دی کہ حفصہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیوی ہوگی اور شاید اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کو عمر رضی اللہ عنہ پر ترس آ گیا۔ یا شاید نبی ﷺ اپنے گھریلو کسی اور معاملے کی وجہ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کو پھر اپنا لیا۔ تب ہی عمر رضی اللہ عنہ کو سکون میسر آ گیا اور ان کی جان میں جان آئی۔

پھر وہ ہمیشہ کے لیے اس واقعہ کے بعد خوفزدہ اور محتاط رہے اور یکے بعد دیگرے اپنی بیٹی کو محتاط رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کے پاس گئے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور روتے ہوئے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور وہ پریشان ہوگئے۔ انہوں نے اسی حیرانی کے عالم میں بیٹی کو مخاطب کیا: اے میری بیٹی! تیرے رونے کا آخر کیا سبب ہے؟ شاید رسول اللہ ﷺ نے تجھے دوبارہ طلاق دے دی ہے۔ آپ ﷺ نے پہلے مجھے طلاق

دے دی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے میری دلجوئی کے لیے مجھ سے رجوع کرلیا۔ اگر آپ ﷺ نے تجھے دوبارہ طلاق دے دی ہے تو میں تجھ سے کبھی بھی نہ بولوں گا۔

عمر رضی اللہ عنہ کو جب یقین ہوگیا کہ ان کی بیٹی کے رونے کا سبب کچھ اور ہے، تب ان کی جان میں جان آئی اور انہیں اطمینان قلب نصیب ہوا۔

ان واقعات کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو خانۂ نبوت میں قرار آ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو وہ ان سے راضی تھے۔ اسی طرح ان کا باپ بھی اپنی شہادت کے وقت اپنی بیٹی سے راضی تھا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم نے لکھا ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنے پڑھنے کی مہارت حاصل تھی۔ جبکہ اس زمانے کے مردوں کو اس میدان میں یہ مہارت کم حاصل تھی اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق قرآن کریم کا جو نسخہ نبی اکرم ﷺ کی نگرانی میں لکھ دیا گیا تھا وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا جو پتوں، تختیوں اور چمڑوں پر لکھا ہوا تھا۔ اسی لیے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا لقب حارسۃ القرآن (قرآن کی محافظہ) بھی تھا۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے لوگوں کے سینوں میں محفوظ شدہ قرآن کو اکٹھا کرلیا۔ بالآخر اس جمع شدہ کی جانچ کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ اصلی قرآن کا نسخہ منگوایا جو ان کے پاس تھا، تاکہ زید رضی اللہ عنہ اپنی کاوش کو اس کے ساتھ ملا کر دیکھیں اور اپنے نسخہ کو وہی ترتیب دی جس طرح رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ سب اشیاء تلف کر دیں اور زید رضی اللہ عنہ کا جمع دتصحیح شدہ اور مرتب نسخہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔

پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ نسخہ منگوایا تاکہ قرآن کے متعدد نسخے تیار کروا کے مختلف علاقوں میں بھیجے جائیں۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں

رسول اللہ ﷺ جہاں دیگر شہدائے احد کے غم میں افسردہ تھے، وہیں سیدنا عبداللہ بن جحش کی شہادت کا بھی آپ ﷺ کو شدید صدمہ تھا۔ اس صحابی نے معرکہ احد میں عظیم الشان قربانی دی۔

آپ ﷺ نے پہلے یا دوسرے اطلاعاتی گروپ کا جھنڈا ان کے سپرد کیا تھا۔ جب مدینہ منورہ بخیریت پہنچ گئے تو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوہ سوگوار چھوڑی، جسے شفقت ومحبت کی ضرورت تھی اور وہ سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا اور پھر اسے اپنی عاطفت میں شامل کرلیا۔اسے بھی نبی اکرم ﷺ کے قرب اور محبت ملنے سے یک گونہ سعادت کا ادراک ہوا۔رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس کی سیرت کی وجہ سے اس کی تعریف کی، کیونکہ وہ بہت نیک، پارسا اور متقی خاتون تھیں وہ اس قدر فقراء اور مساکین پر توجہ دیتی تھیں کہ ان کی کنیت ہی ام المساکین مشہور ہوگئی۔

کریم وصالح خاوند یعنی نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کچھ زیادہ عرصہ نہ رہیں۔ وہ بہت جلد اپنے رب کریم کی جوارِ رحمت میں منتقل ہوگئیں۔انہیں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں صرف دو یا تین ماہ ہی ملے۔وہ آپ ﷺ کی پہلی بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دوسری بیوی تھیں۔جنہوں نے آپ ﷺ کے سامنے وفات پائی۔

نبی اکرم ﷺ ان کی وفات پر بہت زیادہ غمگین ہوئے اور ان کی وفات پر آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کو بھی یاد کرتے اور اپنے پرانے غم تازہ کرتے۔ ان کی وفات سے آپ ﷺ کے دکھ درد میں اضافہ ہو گیا۔ جن دکھوں میں آپ ﷺ نے آنکھ کھولی تھی۔

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

جب قریشی احزاب مدینہ منورہ کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں کو سرنگوں کرنے اور دین اسلام کو ختم کرنے والی ان کی تمام کوششیں رائیگاں ہوگئیں، تو نبی اکرم ﷺ یہود مدینہ میں سے بنو قریظہ کے خلاف تادیبی کارروائی کے لیے روانہ ہوئے۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے میثاق مدینہ میں خیانت کی تھی اور در پردہ غزوہ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف مدینہ منورہ پر حملہ آور فوجوں کا ساتھ دیا تھا۔

جب آپ ﷺ وہاں سے فارغ ہوئے تو وہاں سے ملنے والے مال غنیمت میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ بھی جنگی قیدی بن کر مسلمانوں کو مل گئی، جو تقسیم غنائم کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں آئی۔ آپ ﷺ کو اس پر بڑا ترس آیا اور آپ ﷺ نے اس سے رحم دلی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اگر تجھے منظور ہو تو میں تجھے آزاد کر دوں اور پھر تجھ سے نکاح کرلوں۔ یہ ایک متحمل یہودی سردار کی بیٹی ریحانہ بنت شمعون تھی۔ وہ آپ ﷺ کی اس پیشکش پر جزوی طور پر آمادہ ہوگئی لیکن اپنا سابقہ مذہب یہودیت ترک کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ اس نے کہا: بلکہ آپ مجھے اپنی ملکیت میں ایک قیدی عورت کی طرح ہی رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ کے دل میں اس کے اسلام کی تمنا پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے خصوصی طور پر دعا فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے اس یہودی لڑکی کا سینہ

کھول دیا۔ جس سے نبی اکرم ﷺ کو دلی بشارت حاصل ہوئی۔

وہ آپ ﷺ کی وفات تک آپ کے پاس رہی۔ آپ ﷺ اس پر راضی تھے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ جب حجۃ الوداع سے دس ہجری کو واپس آئے تو اس نے وفات پائی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک و مطہر سے اسے جنت البقیع میں لحد میں اتارا۔

جویریہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

۵ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے تھکے ماندے واپس آئے جس غزوہ کے ابعد قریب تھا کہ منافقین مدینہ منورہ پر کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیتے اور حادثۂ افک کے بعد کہ جس کا ایندھن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات تھی اور اس کے مجاور اور گدی نشین منافقین مدینہ تھے جن کی سربراہی عبداللہ بن ابی سلول کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو چند دن قبل اس حادثہ سے فرصت ملی تھی۔ آپ ﷺ نے ابھی تک معمولی آرام ہی کیا تھا کہ دروازے پر بنو مصطلق کی ایک قیدی عورت آپ ﷺ سے ہم کلام ہونے کی آرزو لے کر آئی۔

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا حسن و جمال اور روشن چہرہ دیکھا تو وہ سخت گھبرائیں اور ان کا نسوانی دل بیدار ہو گیا۔ انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روکنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہوئیں اور وہ اپنی فطری تجسس سے یہ سمجھ گئیں کہ عنقریب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ جس سے انہیں کم از کم خوشی نہیں ہوگی وہ دونوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ وہ پردیسی عورت شکستہ دل، پریشان مصیبت زدہ ضرور تھی لیکن اس پر ناز و نعم میں پرورش کے آثار نمایاں تھے۔ بخوبی معلوم ہو رہا تھا کہ ماضی قریب میں وہ کیسی تخیلاتی دنیا میں رہتی تھی اس بات کی ترجمانی بہت سی اشیاء کر رہی تھیں لیکن اب سب مثبت و منفی اشیاء کے ہوتے ہوئے نگاہیں اس پر جم جاتی تھیں، خواہ مخواہ اس کے لیے دل سے احترام کے جذبات امڈ آتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس آنے والے سب لوگوں

کو آپ ﷺ کی طرف سے جو اہتمام واحترام ملتا تھا، اسی کی شہرت نے اس عورت کو آپ ﷺ کے پاس آنے پر آمادہ کیا۔ وہ جب آپ ﷺ سے ہم کلام ہونے لگی تو بظاہر ایسے لگتا تھا کہ ابھی رو پڑے گی۔ ابتدائی تاثر یہی تھا کہ وہ مرعوب ہو چکی ہے۔

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی برّہ ہوں۔ آپ کو بھی علم ہے کہ ہم پر جو مصیبت آچکی ہے۔ میری مراد اس غزوہ سے ہے جو ہمیں پیش آیا۔ اس میں میرا خاوند قتل ہو گیا اور میں ثابت بن قیس کے حصے میں بطورِ لونڈی آئی۔ وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے۔ اس نے میرے ساتھ ذرا بھر بدسلوکی نہیں کی، پھر میں نے اپنی آزادی کے لیے اسے فدیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی لیکن جب اسے پتہ چلا کہ میں کون ہوں تو وہ زیادہ مال کے لالچ میں آگیا جبکہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ آپ ﷺ کے پاس آکر اپنی آزادی کے لیے آپ سے معاونت طلب کروں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات غور سے سنی اور ماضی قریب میں پیش آنے والے واقعات آپ ﷺ کے تصور میں اٹدنے لگے۔

آپ ﷺ کے ذہن میں غزوہ المریسیع یا غزوہ بنی المصطلق کا سانحہ بالکل تازہ تھا۔ آپ ﷺ اس میں سے کچھ بھی نہیں بھولے تھے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو حاصل ہونے والے قیدی مردوزن ابھی تک جوں کے توں مسلمان محافظوں کے پاس تھے اور وہاں سے ملنے والا دیگر مال غنیمت بھی ابھی تک غازیوں کے پاس ویسے ہی پڑا تھا۔ انہوں نے اس میں کوئی زیادہ تصرف نہیں کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس قیدی لڑکی کی غم میں ڈوبی ہوئی داستان پرنم سنی۔ آپ ﷺ نے سوچا کہ کسی طرح کل کی شہزادی، نازونعم میں پلی ہوئی ایک ہی شب وروز میں ذلیل وخوار ہو کر کسی کی باندی بن چکی ہے۔ آپ ﷺ اس کے معاملے پر مزید غور کرنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے اسے تسلی دینا شروع

کی۔ اس کے لیے ماحول کو خوشگوار کیا اور آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تیرے افسانے میں تجھے کوئی خیر بھی نظر آتی ہے۔

برّہ نے اپنے آپ سے سوال کیا: مجھے رسول اللہ ﷺ سے اس ملاقات کے لیے کس قدر حیلے وسیلے پڑے۔ میں نے ہیبت و جمال وجلال میں تمام مردوزن سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو پایا اور مجھے نبی ﷺ کے گھر میں خیر کی بشارت ملی۔ مجھے یہاں آ کر عجیب وغریب خوشی کا احساس وادراک ہوا۔اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ آخر رسول اللہ ﷺ کی بھلائی سے کیا مراد ہے؟ وہ آپ ﷺ کے لطیف انداز میں کھوگئی اور فوراً بول اٹھی اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کیا چاہتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فصیح وبلیغ الفاظ میں فرمایا: ''تیرا تاوان میں ادا کروں گا اور تجھ سے شادی کروں گا۔'' برّہ کو محسوس ہوا گویا پوری دنیا سمٹ کر اس کی مٹھی میں آ گئی ہے اور وہ بذات خود دور کہیں خلاؤں میں پہنچ چکی ہے۔ایک ہی جملے نے اس کے سارے غم بھلا دیے۔

اسے محسوس ہوا۔ گویا وہ بہت ہی خوشیوں بھرا خواب دیکھ رہی ہے اور وہ گہری پرسکون نیند سو رہی ہے۔ کیا واقعی سچ ہے جو کچھ میں سن رہی ہوں۔ اسے اپنی تصدیق کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

اس پردیسی لڑکی کو اس بات کا شعور نہیں تھا کہ جو مکالمہ اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جاری ہے۔اس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذرہ بھر خوشی نہیں ہوئی جو حیران وپریشان وہیں کھڑی ہیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ یہ کیا ہوا لحظات میں انہیں ایک نئی سوکن مل گئی۔

ابھی رات کا ابتدائی حصہ تھا کہ برّہ کا باپ، قبیلہ بنو مصطلق کا سردار برّہ کا فدیہ اونٹوں، بکریوں اور دیگر سونے چاندی کی صورت میں لے کر حاضر ہوگیا۔ یہ بات اس کی

برداشت سے باہر تھی کہ اس کی بیٹی قیدی اور لونڈی بن جائے۔

جتنا جلدی ہو سکا وہ مدینہ آ پہنچا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اس نے دیر کر دی تو اپنی بیٹی کو نہ کھو دے اور وہ کچھ ہو جائے جو اس کے لیے تاحیات دکھ درد کا باعث بن جائے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اسے اھلاً وسھلاً ومرحبا کہا اور پر جوش مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور مسلمانوں کے ساتھ گزشتہ جنگ میں اس نے اور اس کی قوم نے جو نفرت انگیز معاملہ مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اس سب کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے نہایت عمدگی سے اس کا استقبال کیا۔

جب اس نے اپنی بیٹی کا فدیہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے سوالیہ انداز میں اسے فرمایا: وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تو نے وادی عقیق سے چھپائے تھے؟

اپنے قبیلہ کے سردار نے جب فدیہ لے کر مدینہ منورہ آنے کا قصد کیا تو وہ دونوں سفید اونٹ اسے پسند آ گئے تو اس نے سوچا کہ یہ دونوں فدیہ میں نہ لے جاؤں تو اچھا ہے۔ جب اس نے آپ ﷺ کا سوال سنا تو اچانک اسے عجیب وغریب سراسیمگی نے آلیا۔

اس کی دونوں آنکھیں پیشانی میں گھومنے لگیں۔ اس کا دل کانپ اٹھا اور پریشانی کے عالم میں ساکت وجامد ہو گیا۔ پھر جذبات سے لبریز ہو کر پکار اٹھا۔ اللہ کی قسم! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس بات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی تھا اور جب نبی اکرم ﷺ نے اسے بتایا کہ برّہ کا معاملہ کیسے حل ہوا اور آپ ﷺ نے اس کا نام جویریہ رکھ دیا ہے تو خوشی سے حارث کا چہرہ تمتما اٹھا اور اسے احساس ہوا کہ اس کے دل کی گہرائیوں میں ایمان راسخ ہو چکا ہے۔ اپنے سردار کے اسلام کا سن کر سارے کا سارا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

ادھر اہل مدینہ کو جب بنو مصطلق کے اسلام اور ان کی ایک بیٹی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کا علم ہوا اور انہیں پتہ چل گیا کہ جویریہ کو ام المومنین کا درجہ مل گیا ہے تو انہیں

بنو مصطلق کے قیدیوں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے میں لحظہ بھر تردد نہ ہوا جو انہوں نے غزوہ مریسیع مین حاصل کیے تھے۔ وہ پکار اٹھے: رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار کبھی غلام نہیں ہو سکتے۔

گویا ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے نیک فال ٹھہریں۔ انہیں نبی اکرم ﷺ کے گھر میں ہر قسم کی سعادت مل گئی۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی بھرپور خدمت کی۔ کبھی اپنے کریم النفس خاوند کے سامنے اپنی کسی سوکن پر رشک نہ کیا۔ بلکہ عبادت، زہد اور ہر قسم کے اعمال صالحہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جب وفات پائی تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر راضی اور اللہ اور اس کا رسول ان پر راضی تھے۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں

اگرچہ نبی اکرم ﷺ کی ہر بیوی کے ساتھ ایک حکایت یا قصہ ضرور منسوب ہے۔ تاہم سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی وہ بیوی ہیں جن کی شان میں قرآن کریم نازل ہوا اور ان کی ذات کا تاریخ اسلام میں طویل ترین واقعہ مذکور ہے۔

منافقین مدینہ کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کافی مواد حاصل ہوا اور وہ بدبخت کافی دیر تک ان کے واقعات کی اپنی ناپاک زبانوں کے ذریعے جگالی کرتے رہے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جواب کا کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا زمانۂ قدیم سے اسلام لا چکی تھیں۔وہ حسب ونسب اور شرف و مرتبت والی خاتون تھیں۔نبی اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دی۔آپ ﷺ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے، حتیٰ کہ لوگ ان کو زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد کے نام سے پکارنے لگے۔تاہم ان دونوں میاں بیوی میں زیادہ دیر تک نباہ نہ ہو سکا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا خاندان قریش کی صاحبزادی ہونے کے ناطے اپنے خاوند کو کم تر سمجھتیں جو درحقیقت آزاد شدہ غلام تھے۔سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سمجھتی تھیں کہ ان کی سابقہ غلامی کی وجہ سے وہ میرے لائق نہیں۔لیکن زید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی طرح سلوک نہیں کرتے

تھے۔ کیونکہ وہ سوچتے تھے یہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا شرف حاصل ہے اور آپ ﷺ ہی نے مجھے اس شرف کی خلعت سے نوازا ہے۔

بلکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ جس قدر ناروا سلوک کرتیں۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ اسی قدر ان کے ساتھ نرم دلی اور تواضع وانکساری کا سلوک کرتے اور ان کی طرف سے ہر قسم کی درشتگی، بدسلوکی برداشت کرتے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ جوں جوں نرمی اختیار کرتے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا توں توں جور و جفا میں بڑھتی جاتیں۔

پھر وہ دن بھی آیا زید رضی اللہ عنہ کے صبر کا جو پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور چھلک پڑا۔ ان کا دل سوچ بچار سے بھر گیا جو ان کے چہرے سے بخوبی عیاں تھا۔ بالآخر انہوں نے اپنی منکوحہ کی شکایت نبی اکرم ﷺ کے آگے رکھ دی اور اپنا عندیہ بھی ظاہر کیا کہ وہ اسے طلاق دینا چاہتے ہیں۔

نبی ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کی عادات کی گرمی کی بابت اس دن زید رضی اللہ عنہ کو بتادیا تھا جس دن آپ نے زید رضی اللہ عنہ کی اس کے ساتھ منگنی کی تھی تو زینب رضی اللہ عنہا نے نہایت سختی سے اس پیشکش کو ٹھکرادیا اور بزبان خود پکار اٹھی۔ مجھے یہ نکاح پسند نہیں۔ میں حسب ونسب میں اس سے بہتر ہوں۔

تب رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا بلکہ تو اس سے نکاح کرلے۔ وہ کہنے لگی: یارسول اللہ! میں اس کے متعلق اپنے دل سے مشورہ کروں گی۔ اسی وقت اللہ عزوجل نے یہ فرمان نازل کیا۔

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴾

[الاحزاب: 36]

''اور جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کوئی فیصلہ کردیں تو کسی مومن مرد یا

مومن عورت کو ان کے فیصلے کے متعلق اختیار نہیں ہوتا اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا، تحقیق وہ واضح ترین گمراہی میں جا پڑا۔''

اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی زبان سے اعلان کیا:

''بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کی تکریم کے لیے زید رضی اللہ عنہ کو پسند کیا۔لیکن سیدہ کے دل نے تسلیم نہ کیا اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل کی سختی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ نبی ﷺ کو بخوبی اندازہ تھا کہ زید کے معاملے کا انجام کیا ہوگا؟ اسی اثنا میں جبرئیل امین علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ بے شک زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

آپ ﷺ کو یہ بات بڑی ہی عجیب لگی۔آپ ﷺ نے اپنے دل میں سوچا مستقبل قریب میں، میں اپنے (منہ بولے) بیٹے کی بیوی کے ساتھ کیسے شادی کروں گا جبکہ وہ مجھ پر حرام ہے؟

نبی اکرم ﷺ کو یہ بات ویسے ہی گراں گزاری۔ جیسے یہ بات زید رضی اللہ عنہ کو گراں گزری۔ باوجودیکہ یہ خبر آپ کو جبرئیل علیہ السلام نے دی تھی۔

آپ ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تم زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس رکھو۔تم اسے طلاق مت دو اور اس کے متعلق اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ عین ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں تمہاری بدمعاملگی کی اصلاح ہوجائے۔ اسی لیے ایک سال کی ناخوشگوار معاشرت کے بعد اس بدسلوکی کا آخری فیصلہ کن حل طلاق ہی بنا۔

جب زینب رضی اللہ عنہا عدت گزار چکی تو نبی اکرم ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس اس غرض سے بھیجا تاکہ وہ اسے بتائے کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری خوبیوں کا تذکرہ کررہے ہیں۔ یہ ۵ ھ کا واقعہ ہے۔

زید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے فرمان کی اطاعت کرتے ہوئے زینب رضی اللہ عنہا تک یہ پیغام

پہنچادیا۔ جب زید رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ آٹا گوندھ رہی تھی۔ جب زید رضی اللہ عنہ نے اسے اس حال میں دیکھا تو ان کے دل میں اس خاتون کی وقعت بڑھ گئی اور وہ دوبارہ اس کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔ لہٰذا وہ اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئے اور اسے کہنے لگے:

اے زینب! تجھے مبارک ہو مجھے آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ تیرا تذکرہ کر رہے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ کو زینب رضی اللہ عنہا کے ناز ونخرے پر بڑا تعجب ہوا۔ انہیں تو یہ امید تھی کہ وہ نبی ﷺ کی پیشکش کو فوراً بلا تردد قبول کر لے گی اور وہ لمحہ بھر کے لیے ہاں کہنے میں ہچکچائے گی نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف منگنی کا پیغام بھیجا تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، لیکن زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: میں جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں کچھ نہیں کر سکتی۔

وہ استخارہ کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے وہ فوراً اپنی جائے نماز کی طرف جانے لگیں، لیکن قرآن ان کی شادی کا فیصلہ لے کر نازل ہو چکا تھا۔ نیز اس فیصلہ کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کو تنبیہ بھی کی گئی تھی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شان میں سورۂ احزاب کی آیات نازل ہوئیں جن سے پورا قصہ واضح ہو جاتا ہے۔

﴿ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَٱتَّقِ ٱللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى ٱلنَّاسَ وَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَىٰهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَٰجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا۟ مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ۝ مَّا كَانَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ ٱللَّهُ لَهُۥ سُنَّةَ ٱللَّهِ فِي ٱلَّذِينَ خَلَوْا۟ مِن قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴾ [الاحزاب: 38,37]

''اور جب تو اس شخص سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور جس پر تو نے انعام کیا کہہ رہا تھا کہ اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تو اس سے ڈرے، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا، تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ ہو، جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم ہمیشہ سے (پورا) کیا ہوا ہے۔ نبی پر اس کام میں کبھی کوئی تنگی نہیں جو اللہ نے اس کے لیے فرض کر دیا۔ یہی اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزرے اور اللہ کا حکم ہمیشہ سے اندازے کے مطابق ہے، جو طے کیا ہوا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ اسی وقت اٹھے اور پیشگی اجازت کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر چلے گئے، کیونکہ قرآن کے فیصلے کے مطابق وہ آپ ﷺ کی بیوی بن چکی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے ولیمہ کیا اور لوگوں کو آپ ﷺ نے گوشت اور روٹی کھلائی۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس مبارک باد دیتے ہوئے آئے۔ جب کھانا کھا چکے کچھ لوگ تو واپس چلے گئے اور کچھ لوگ وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ کو ان کی وجہ سے اذیت اٹھانا پڑی اور آپ ان کو چلے جانے کا کہنے سے شرما گئے۔ تب ان کے متعلق قرآن کریم نازل ہوا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ [الاحزاب:53]

''اے ایمان والو! تم (بے شک) اجازت کے بغیر نبی کے گھروں میں نہ جایا

کرو اور جب تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے تو کھانے کا وقت نہ دیکھتے رہو۔ البتہ جب تمہیں بلایا جائے تو تم ضرور جاؤ۔ پس جب تم کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتیں کرنے کے لیے نہ بیٹھ جایا کرو۔ بے شک تمہاری حرکات نبی کو تکلیف دیتی ہیں، مگر آپ ﷺ لحاظ کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا۔"

لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی زبان مبارک سے کچھ نہیں کہا اور آپ اپنی دیگر ازواج کے حجروں کی طرف چلے گئے۔ زید رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے تھے۔ آپ ﷺ جس زوجہ مطہرہ کے پاس جاتے وہ خوشی کا اظہار کرتی اور آپ ﷺ کو نئی شادی پر مبارک باد دیتی اور آپ ﷺ سے پوچھتی کہ آپ کو اپنی نئی دلہن کیسے لگی؟ بالآخر آپ ﷺ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تک آ گئے۔ زید رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ گھر کے اندر جانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے پردہ کھینچ لیا اور زینب رضی اللہ عنہا کے پاس خلوت میں چلے گئے۔ تب آیت حجاب نازل ہوئی:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴾ [الاحزاب:53]

"(اے مومنو!) جب ہم ان (ازواج مطہرات) سے کوئی فائدے کی بات پوچھو تو پردے کے پیچھے سے تم ان سے پوچھ لو یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے بھی اور ان کے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور تمہارے لیے ہرگز یہ جائز نہیں کہ تم رسول اللہ (ﷺ) کو اذیت پہنچاؤ اور نہ تم اس کے بعد اس کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو، بے شک تمہارا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا

کام ہے۔"

زینب رضی اللہ عنہا کی خوشی دیدنی تھی۔ ان کی آرزوں کی تکمیل ہو چکی تھی۔ بلکہ شاید تمنا سے بھی بڑھ کر مل چکا تھا۔ کریم النفس خاوند کہ جس کے بل بوتے پر وہ تمام عورتوں پر فخر کرتی تھیں اور چونکہ ان کا نکاح آسمان میں ہوا تھا۔ جس کا فیصلہ تمام لوگوں کے سامنے قرآن کریم میں نازل ہوا تھا۔ وہ اپنی سوکنوں کے ساتھ مقابلہ بازی کے وقت فخریہ انداز میں کہا کرتیں: تم سب کی شادیاں تمہارے آباء نے کی ہیں جبکہ میری شادی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں کی ہے۔

بہر حال زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل شدہ آیات کریمہ میں نبی ﷺ کو کھلی تنبیہ کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بات ظاہر کر دی جسے نبی ﷺ نے اپنے دل میں پوشیدہ رکھا ہوا تھا چونکہ آپ ﷺ اس شادی پر رضامند نہیں تھے، آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنی بہو سے شادی کر لی لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو سننے والوں کو بڑا تعجب ہوا۔ حتّٰی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کہا: اگر رسول اللہ ﷺ کوئی آیت چھپانا چاہتے تو زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہونے والی آیت ہی چھپاتے۔ تاہم مدینہ کے منافقوں کو افواہیں پھیلانے کا ایک نیا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ وہ کہنے لگے محمد اپنی بہو کے ساتھ کیسے شادی کرے گا؟ کیا اس کے سامنے دنیا کی وسعتیں اور اس کی عورتیں ختم ہو گئی ہیں کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا پر (نعوذ باللہ) ڈورے ڈالنے لگا ہے۔

تب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ [الاحزاب:40]

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔"

گویا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے اندر متعدد تشریعی شقیں لپیٹے ہوئے تھی۔ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

① لے پالک بیٹوں کی طرح بنانے کی ممانعت۔

② پردے کا نزول۔

③ مردوں اور عورتوں میں سے حرام رشتوں کا تعین۔

اس کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں قرار آ گیا۔ جہاں ان کی متعدد سوکنیں تھیں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نظروں میں ان کا دیگر سوکنوں کی نسبت خاص مقام و مرتبہ تھا۔کیونکہ وہ حسب ونسب میں ان کی ہم پلہ تھیں۔اسی لیے وہ اپنی اس نئی سوکن کے معاملے میں بڑی محتاط رہتی تھیں کہ کہیں ان سے یہ قدر ومنزلت میں بڑھ نہ جائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس ضمن میں فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی کوئی بیوی قدر ومنزلت میں زینب رضی اللہ عنہا کے علاوہ میرا مقابلہ نہ کرتی تھی۔لیکن اس سب کے باوجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ گواہی دینے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہر طرح کی خیر، فضل اور تقویٰ سے مزین ہے۔

انہوں نے ان کے متعلق اپنے دل کی بات کو یوں الفاظ کا جامہ پہنایا۔میں نے دینی لحاظ سے سب سے اچھی اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والی کوئی عورت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر نہ دیکھی۔وہ صدق مقال، صلہ رحمی، عظمت امانت اور صدقہ وخیرات میں بے مثال تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی دینداری نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بدگمانی کرنے سے بچالیا جس بدگمانی میں ان کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بہک گئیں اور پھر حد قذف کے کوڑے کھانے پڑے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اتنی کثرت سے صدقہ کرتیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس صفت پر تعجب ہوتا اور آپ ﷺ نے ان کی اس خوبی پر تعجب اور پسندیدگی کا اظہار اپنی

بیویوں سے اس طرح کیا: کہ ایک دن آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو بتایا:

''تم سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ تم سب میں سے طویل ہیں۔''

یہ فرمان سن کر رسول اللہ ﷺ کی ازواج اپنے ہاتھ ماپا کرتیں کہ ہم میں سے کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیویوں میں سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو تب امہات المؤمنین کو پتہ چلا کہ طویل ہاتھوں سے مراد آپ ﷺ کی سب سے زیادہ سخاوت کرنے والی تھیں۔ بے شک زینب رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور صدقہ وخیرات بھی کرتیں۔

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

اسلام دن بدن مضبوط ہوتا جارہا تھا اور چاروں طرف پھل پھول رہا تھا۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر قریش مکہ کے ساتھ تحریری طور پر صلح کرلی۔ تاہم صلح کے بعد آپ ﷺ ایک دن بھی سکون کے ساتھ نہ بیٹھ سکے۔ بلکہ اپنے اور قریش کی صلح کی مدت کے دوران آپ ﷺ نے اس فرصت کو دعوت دین پھیلانے کے لیے غنیمت جانا۔ آپ ﷺ نے اپنی توجہ جزیرۃ العرب کے چاروں کونوں میں مرکوز کردی۔ آپ کے اردگرد جن قبیلوں اور ریاستوں کے امراء تھے، آپ ﷺ نے ان سب کی طرف دعوتی خطوط بھیجے۔ کچھ خوش نصیبوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اور دنیاو آخرت کی سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹ لیں اور ان میں سے ازلی بدبختوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرادیا اور اپنی بدبختی پر آخری مہر ثبت کردی۔

ان خوش نصیبوں میں سرفہرست والی اسکندریہ (مصر) قبطیوں کا سردار عظیم مقوقس تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی طرف سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر بھیجا۔ مقوقس نے قاصد النبی ﷺ کا والہانہ استقبال کیا۔ خط کو چوما اور حاطب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دو لونڈیاں نبی اکرم ﷺ کے لیے تحفتاً بھیجیں۔

ان میں سے ایک تو سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا بھائی ''مابور'' بھی تھا۔ نیز مقوقس نے آپ ﷺ کی طرف سفید خچر اور ریشمی خلعت بھی بھیجے۔ ماریہ رضی اللہ عنہا

اوران کی بہن سیرین مدینہ منورہ میں سات ہجری کی ابتدا میں پہنچیں۔ وہ دن سب لوگوں کے ذہنوں میں نقش ہو، کیونکہ وہ غیر معمولی دن تھا۔

مدینہ کی اکثر خواتین خصوصاً نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات شدت سے منتظر تھیں کہ آخران دوآنے والی عورتوں کے مستقر کہاں ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کا ہدیہ قبول کیا۔ آپ ﷺ نے دو میں سے ایک لونڈی سیرین سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر اسلام کو تحفتاً دے دی جبکہ سیدہ ماریہ کو آپ ﷺ نے بطورِ لونڈی قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنی خصوصی کرم ولطف نوازی میں شامل کرلیا۔ آپ ﷺ نے اس کے پردیسی ہونے کے ناطے اس پر خصوصی احسان فرمایا اوراس سے خوب محبت کی اور اسے قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ماریہ کا شرقی مدینہ میں باغ کے اندر گھر بنایا۔ جو مربع نما کھجوروں کے درمیان سادہ سا گھر تھا۔ جس کے اردگرد چار دیواری بنادی گئی اور مضبوط شہتیروں کے ذریعے بالائی منزل میں بچھونے بنادیے گئے۔ ان بچھونوں پر آرام کی غرض سے نبی اکرم ﷺ گرمیوں میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اس گھر کے اندر دومزید کمرے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے لیے ایک خصوصی استراحت گاہ بھی تھی، جسے ''سقیفہ'' کہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی لونڈی ماریہ سے بے انتہا محبت کی اور آپ ﷺ کو اس وقت بہت ہی خوشی ہوئی جب آپ کو علم ہوا کہ وہ امید سے ہے۔ اس خوشخبری نے آپ ﷺ کی تمناؤں کو مہمیز لگادی اور آپ کے اندر باپ ہونے کی آرزو انگڑائیاں لینے لگی۔ بالآخراس نیک بطن سے آپ ﷺ کے بیٹے کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ ﷺ نے مسجد حرام (مکہ المکرمہ) کے بانی جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام پرتفاؤلاً اس بچے کا نام ابراہیم رکھا۔

آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کے لیے ایک دودھ پلانے والی عورت بھی تلاش کی اور

اس کی ملکیت میں آپ ﷺ نے کچھ بکریاں بھی رکھ چھوڑیں، تاکہ وہ ان کے دودھ سے فائدہ اٹھا سکے۔

لیکن نبی اکرم ﷺ کی یہ خوشی و سرور جلد ہی غم میں تبدیل ہو گیا، کیونکہ ابراہیم رضی اللہ عنہ ڈیڑھ سال کے اندر فوت ہو گئے۔ شدت غم سے آپ ﷺ کے آنسو بہہ پڑے۔ تب سے آپ ﷺ نے اپنی خصوصی عنایت و لطف ماریہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کر دیا تاکہ اسے بیٹے کے صدمے کا کچھ مداوا ہو سکے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک ماریہ رضی اللہ عنہا پر اپنی محبت و شفقت نچھاور کی اور آپ ﷺ نے ہمیشہ ان کے ساتھ احسان و فضل والا معاملہ ہی کیا۔

سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

نبی اکرم ﷺ مہاجرین حبشہ کی مسلسل خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ جب بھی کوئی قافلہ حبشہ سے آتا آپ ﷺ مہاجرین کے متعلق ضرور پوچھتے۔

ایک طرف اگر آپ کو نجاشی کے اسلام لانے کی خبر سے فرحت ومسرت ہوئی تو دوسری طرف سردار مکہ ابوسفیان کی بیٹی رملہ کے خاوند عبداللہ بن جحش کے اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی جانے کی خبر نے آپ کو نہایت دکھ پہنچایا۔

وہ جب مرتد ہوا تو اسے اپنی بیوی رملہ بنت ابی سفیان کا ذرہ بھر خیال نہ آیا کہ اس کے اس فعل سے اسے کتنا دکھ اٹھانا پڑے گا۔

لیکن اس صابرہ خاتون نے ان انتہائی دشوار حالات میں بھی اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر تن تنہا اپنی معصوم بیٹی حبیبہ کی پرورش میں لگ گئی۔ اس نے اپنے اوپر آنے والی ہر مصیبت کو انتہائی صبر سے جھیلا اور صبر کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے دشمن ابوسفیان بن حرب کی بیٹی رملہ پر نہایت شفقت فرمائی۔ خصوصاً جب آپ ﷺ کو اس خاتون کی دین کے متعلق مساعی جمیلہ کا پتہ چلا اور آپ ﷺ کو اس کے خاوند کا پردیس میں مرتد ہونے کی اندوہناک خبر ملی اور آپ ﷺ کو ماضی قریب کے مناظر یاد آئے کہ رملہ پہلے پہل اسلام لانے والوں میں سے ہے، اسے اسلام کی راہ میں کتنی تکالیف سہنی پڑیں۔ اس نے مکہ میں رہتے ہوئے مشرکین کی

دی ہوئی تمام اذیتیں برداشت کیں۔ اپنے وطن کو چھوڑ کر دین کی خاطر دور پردیس میں ہجرت کے مصائب برداشت کیے اور وہاں حمل اور ولادت کے مخصوص حالات کا صبر سے سامنا کیا۔ پھر اپنے خاوند کے ارتداد سے اس کی تکالیف کئی گنا بڑھ گئیں، لیکن وہ اپنے اسلام پر قائم رہی اور اپنے دل میں اس نے اسلام اور ایمان کو راسخ کر لیا۔

نبی اکرم ﷺ نے سوچا کہ اس کی اتنی تکالیف کا کچھ نہ کچھ تدارک و تلافی کرنی چاہیے۔ تاکہ وہ پردیس میں ضائع ہونے سے بچ جائے۔ آپ ﷺ نے ۶ ہجری میں نجاشی کی طرف رملہ بنت ابی سفیان کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا اور شاید آپ ﷺ سب سے زیادہ ان کے والد ابوسفیان سردار قریش کی تالیف قلب چاہتے تھے، کیونکہ جب اسے پتہ چلا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی بیٹی سے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نکاح کے دوررس نتائج کے متعلق سوچ کر پکار اٹھا ''کہ اس پہلوان کی ناک نیچی نہیں کی جاسکتی۔''

نجاشی رضی اللہ عنہ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف اپنی ایک خاص کنیز کو قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ کنیز نجاشی کے عطر کی ذمہ دار تھی اور اسے نجاشی کا خاص قرب حاصل تھا۔ اس کنیز نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو جا کر بتایا کہ بادشاہ سلامت نے تمہاری طرف یہ پیغام بھیجا ہے کہ عربوں کے نبی ﷺ نے تجھ سے نکاح کا ارادہ کیا ہے۔''

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو یہ الفاظ سن کر ایسے محسوس ہوا گویا دنیا کے سارے غم و دکھ ایک ہی لمحہ میں دور ہو گئے ہوں۔ کیونکہ یہ اس کی اتنی عزت افزائی تھی کہ اس کے بارے میں اس نے بھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ سوچنے لگی: کیا میں بہت ہی پرسکون نیند میں کوئی سہانا سپنا دیکھ رہی ہوں یا دن کی روشنی کی طرح یہ ایک چمکتی دمکتی حقیقت ہے۔ اس نے اپنے پاس کھڑی ہوئی کنیز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے نیک خاتون! اللہ تجھے بھی خوش خبری دے۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں پہنے

ہوئے چاندی کے دو کنگن اتارے اور کنیز کو ہبہ کر دیے۔

کنیز نے اپنی لائی ہوئی خبر کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے لحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر کہنے لگی: بادشاہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تو نے پیغام قبول کیا تو پھر اپنی طرف سے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنالیں۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دین کے کونوں کھدروں میں اپنی وکالت کے لیے کسی مناسب شخص کے بارے میں تلاش وتحقیق کی کہ اس کی زندگی میں سب سے اہم واقعہ کے لیے کون شخص اس کی نیابت کے لیے مناسب رہے گا۔ بالآخر اس کی نظر انتخاب خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور اسے اپنا وکیل بنالیا۔

نجاشی رضی اللہ عنہ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں مہاجرین کو اکٹھا کیا اور خطبہ کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے میری طرف پیغام بھیجا کہ میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان کا ان کے ساتھ نکاح پڑھادوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان کا محمد رسول اللہ کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے لیے یہ نکاح مبارک کرے۔ پھر نجاشی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو چار سو دینار نقد دیے اور ان کے عوض انہوں نے نکاح قبول کیا۔ پھر سب حاضرین محفل کو نجاشی نے کھانا کھلایا۔ اس کے بعد وہ سب مسرور وشاداں چلے گئے۔

جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے رملہ کا مہران کے حوالے کیا۔ اس نے فوراً خوشخبری لانے والی کنیز کے لیے ان میں سے پچاس دینار بھیج دیے اور پیغام بھیجا کہ کل تو جب میرے لیے خوش خبری لائی تھی تو میرے پاس دو کنگنوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ تو اے میری بہنا! اس

پاکیزہ خوش خبری کے عوض تو آج میری طرف سے دینار قبول کر لے۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہی کنیز پچاس دینار اور دونوں کنگن لے کر آ گئی۔ نجاشی رضی اللہ عنہ نے اسے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو یہ مال واپس دینے کا حکم دیا تھا۔ اس نے کہا چونکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہماری مہمان ہے، جیسے دیگر مہاجرین ہیں اور مہمان کی عزت و تکریم میزبان پر واجب ہے۔

نیز کنیز وہ سب کچھ بھی لے آئی۔ نجاشی رضی اللہ عنہ اور اس کے گھر والوں نے بھیجے تھے۔ جیسے عود ہندی، عنبر، ورس اور حبشہ کے نفیس تحائف وغیرہ۔

اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ بادشاہ سلامت اپنے گھر کی خواتین کو حکم دیا ہے کہ جس جس کے پاس مہنگا ترین عطر ہے، وہ عطر بھی تجھے تحفہ میں دے دیں۔

اسی طرح نجاشی رضی اللہ عنہ نے اپنے لباس اور اپنی خوشبو کی ذمہ دار اس کنیز کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے کے لیے تیار کرے۔ جب وہ کنیز ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھل مل گئی تو اس کو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت ہو گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ خاتون عام عورتوں کی طرح نہیں ہے۔ وہ نہایت شریف و کریم و عزیز شخصیت کی مالکہ ہے۔ نیز کنیز نے یہ بھی محسوس کیا کہ اسے اپنے خاوند کے پاس جانے کی بہت ہی لگن ہے اور وہ الوداعی سفر کی آرزومند ہے۔ وہ ایسے خاوند تک جلد از جلد پہنچنے کی آرزومند کیوں نہ ہوتی کہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا کہ اس قدر مسافت کے باوجود وہ اسے اتنا بڑا اعزاز بخشے گا۔ نیز جبکہ اسے یہ بھی پتہ تھا جو اس کے اور میرے باپ کے درمیان طویل عرصے سے دشمنی چلی آ رہی ہے اور وہ دشمنی دونوں اطراف کے سینکڑوں انسانوں کا خون پی چکی تھی اور اس دشمنی کو پھیلانے کا سبب، دلی بغض، کینہ، حسد اور اندھی ضد تھا۔ ایسی سب منفی اور مثبت علامات کو اکٹھا کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ اس قدر عظیم و بلند و مرتبہ ہیں کہ میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ

میرے باپ کی قیادت میں جس مرد صالح کو اس قدر ستایا جائے اور اس کے ساتھیوں کو اس قدر تکالیف پہنچائی جائیں اس کے برعکس وہ رسول اللہ ﷺ میرے ظالم باپ کے نفرت انگیز سلوک اور بغض وکینہ سے بھری عداوت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے وطن سے کوسوں دور مجھے بے آسرا بیوہ سے صرف اس لیے شادی کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، تا کہ میرا سہارا بن جائے اور میرے دکھوں کا کچھ نہ کچھ مداوا ہو جائے۔ تو رسول اللہ ﷺ کی اولوالعزمی بلند حسن اخلاق اور عزت وتکریم کو بیان کرنے کے لیے الفاظ ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

اس کنیز خاص کے دل میں ایمان پیوست ہو گیا، اس کا دل نرم ہو گیا۔ اسے خشیت و خضوع نے گھیر لیا اور وہاں سے ہدایت کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے رازدانہ لہجہ میں کہا: میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کو مانتی ہوں اور اللہ رب العالمین کے لیے مسلمان ہوتی ہوں۔ میری آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ جب آپ مدینہ پہنچیں گی اور اللہ کے نبی ﷺ سے ملاقات ہوگی تو انہیں میرا اسلام کہہ دینا۔

بالآخر ایک پرجوش اور پررونق دن میں شرجیل بن حسنہ معززانہ وتکریمانہ انداز میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو محمل میں بٹھا کر حبشہ سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ تا کہ اسے بھی نبی اکرم ﷺ کی دیگر ازواج کے ساتھ شامل کر دے اور نبویؐ کا گھرانہ دین وایمان کی دعوت کی نشر و اشاعت کا مشاہدہ کر سکے۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنی بیٹی کے ہمراہ اپنے معزز سرتاج کے سایہ شفقت و رحمت میں سعادت مندانہ زندگی گزارنے لگیں۔ ان کی مکمل زندگی رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں نہایت خوشگوار گزری، سوائے اس دن کے جس دن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا باپ ابوسفیان مسلمانوں اور قریش کی باہمی چپقلش کے سلسلے میں اپنی بیٹی کے پاس آیا۔

اس کا سبب یہ بنا کہ بنوبکر بن عبد مناف قریش کا حلیف تھا، پرحملہ کر کے صلح حدیبیہ کی

خلاف ورزی کی، ان کا یہ فعل صلح حدیبیہ کی شروط کو توڑنے کا باعث بن گیا۔ تب قریش مکہ کو آنے والے خطرے کا احساس ہوا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے متوقع انتقام سے ڈر گئے اور ان کے خلفاء نے جو کچھ کیا اس کا برا انجام انہیں نظر آنے لگا۔ انہیں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس ظلم وزیادتی کو قطعاً برداشت نہیں کریں گے چونکہ انہوں نے صلح توڑنے میں پہل کی تھی، اس لیے لازمی تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف جہاد کے لیے نکل پڑیں۔

جبکہ حال یہ تھا کہ نبی ﷺ ابھی ابھی غزوۂ احد، احزاب میں قریش کو مغلوب کر کے لوٹے تھے۔ جبکہ قریش آپ ﷺ کے مقابلے میں ٹھہرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اسی لیے قریش کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ ابوسفیان مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے صلۂ رحمی کا واسطہ دے کر کچھ مہلت طلب کرے اور قریش کے حلیف قبیلہ سے جو غلطی سرزد ہوئی اس پر آپ ﷺ سے معذرت کرے۔

اور ابوسفیان کے علاوہ اس مہم کے لیے کون سا شخص زیادہ مناسب ہو سکتا ہے حالانکہ ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ امہات المومنین رضی اللہ عنہا میں شامل ہو چکی ہے اور ابوسفیان کو قوی امید ہے کہ اس مہم جوئی میں وہ ان کی اچھی مددگار ثابت ہوگی۔ نیز وہ اپنی شفاعت سے اپنے ناراض خاوند کا دل نرم کر سکتی ہے۔ اس میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں۔ ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اچانک آدھمکا۔ اسے کسی قسم کی خوشی نہ ہوئی اور نہ ہی اس نے اپنے باپ ابوسفیان کو خوش آمدید کہا اور نہ ہی اپنے چہرے سے خوشی کا اظہار کیا۔

لیکن ابوسفیان نے اپنی بیٹی کے اس سلوک کو مطلق طور پر اہمیت نہ دی کیونکہ اپنی بیٹی سے ملنے آیا ہی نہ تھا، وہ تو اپنی مصلحت کے لیے آیا تھا، تاکہ محمد کسی نہ کسی طرح راضی ہو جائیں اور صلح کی تجدید کر دیں۔

لیکن دوسرے پہلو سے ابوسفیان کو افکارِ پریشانی نے گھیر لیا تھا۔ ایک جانب تو اپنی

مہم میں اپنی قوم کا سفیر تھا اور دوسری جانب وہ اپنی بیٹی رملہ کو ملنے کا آرزومند بھی تھا۔ اس پر ایک باپ کے جذبات غالب تھے، جبکہ وہ اس سے ایک طویل عرصے سے غائب تھی اور آج وہ بیٹی کس مقام پر تھی۔

وہ اپنی قوم کی صف اول کی خواتین میں سے ایک تھی، بلکہ شاید اپنی سوکنوں میں سے صف اول میں تھی۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف اپنا قاصد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دے کر نہیں بھیجا۔ اگر اسے اس خاتون سے دلچسپی نہ تھی تو وہ کبھی بھی ایسا کام نہ کرتا، جبکہ اس کے اردگرد بے شمار خواتین موجود تھیں، لیکن اس نے اب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ہی کیوں عظیم خواتین میں شمار کرنا پسند کیا؟

اور ابوسفیان اپنی بیوی ہند کی حقیقت جاننے کے بعد اپنی غیر معمولی بیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ غیر معمولی عورت ایک معزز مرد سے کیا سلوک کرتی ہے۔ اس کے مغرور دل میں طرح طرح کی افکار نے یلغار کی ہوئی تھی۔ وہ گھٹن کے بعد کھل اٹھتا تھا اور سختی کے بعد نرم ہو جاتا تھا۔

ابوسفیان کو یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ وہ کہیں اپنی اس سفارتی مہم میں ناکام ہی نہ لوٹ جائے اور خالی ہاتھوں سے قریش کے پاس جا پہنچے، جبکہ وہ قریش کی امیدوں کا مرکزی قائد تھا۔ ایسی صورت میں اس کے متعلق قریش کی ساری امیدوں کا محل دھڑام سے زمین بوس ہو جائے گا اور ان کی آنکھوں میں اس سردار کی منزلت گر جائے گی۔

ابوسفیان نے اپنی بیٹی کے گھر میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہ نہایت سادہ سا گھر تھا۔ وہ یہ سوچ کر دہشت زدہ ہو گیا کہ وہاں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ ایک سادہ سی چٹائی اور سادہ سا بچھونا اور کچھ برتن جن سب کی قیمت چند درہموں سے زیادہ نہ تھی۔ ابوسفیان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا۔

کیا یہ گھر مسلمانوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا اور دو جہانوں کے رسول کا ہے؟ یہ ایسا گھر ہے جو راحت و فرحت کے تمام وسائل سے خالی ہے، کیا یہی گھر محمد کے گھروں

میں سے بھدا گھر ہے، یا میری بیٹی کی سوکنوں کے سب گھر اسی طرح کے ہیں؟

ابوسفیان حیران و پریشان تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔اس نے اپنے دل کے اندر ایسی بات سوچنے کی کوشش کی جس کو سن کر اس کی بیٹی اس میں دلچسپی لے اور بالآخر اس کی اس مہم میں اس کی حوصلہ افزائی کرے جس کو لے کر وہ آیا ہے۔تاکہ وہ اپنے خاوند کے آگے قریش کی اغراض ومقاصد کے لیے اس بات کو وسیلہ بنا سکے۔

وہ مضطرب تھا، پھر اچانک اسے خیال آیا کہ اتنی دیر ہوگئی وہ اپنی بیٹی کے گھر میں آیا اور اس کی بیٹی نے اسے بیٹھنے کو نہیں کہا۔کیا وہ اپنے سادہ بچھونے کو باپ کے قابل نہیں سمجھتی یا اپنے باپ کو اس بستر کے قابل نہیں سمجھتی۔ یہ سوچ کر وہ جوں ہی بستر پر بیٹھنے کے لیے جھکا، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے اس کے نیچے سے بستر لپیٹ دیا اور اسے اپنے باپ سے دور رکھ دیا۔ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کے چہرے کے آثار پڑھ کر نہایت صراحت کے ساتھ بلا مروت اسے جواب دیا کہ یہ بستر رسول اللہ ﷺ کا ہے اور تو ناپاک مشرک ہے تو اس بستر کے قابل نہیں۔

ابوسفیان کی دہشت میں اضافہ ہوگیا اور ایک باپ اور سفیر کے جذبات ایک بار پھر گڈمڈ ہوگئے۔وہ اپنی بیٹی کو مخاطب ہو کر کہنے لگا:

میری بیٹی مجھ سے جدائی کے بعد کیا تجھے جنون کا مرض لاحق ہوگیا ہے؟ زیادہ دیر وہ وہاں نہ ٹھہر سکا اور اپنی مہم کو ادھورا چھوڑ کر رسوا کن حالت میں مکہ لوٹ گیا۔سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کبھی بھی اپنی سوکنوں سے مقابلہ بازی نہ کی، بلکہ ہمیشہ حسن سلوک سے رسول اللہ ﷺ سے لطف اندوز ہوئی اور آپ کے ہر فرمان کو دل سے لگا لیا اور تمام توجہ اپنی بیٹی پر مرکوز رکھی۔نہایت پرسکون اور باوقار انداز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زندگی گزاری۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

۷ھ میں مشہور غزوۂ خیبر ہوا جس میں یہود کی سازشوں کا قلع قمع کیا گیا۔ان کے مضبوط و مشہور زمانہ قلعے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ایک کے بعد دوسرا قلعہ فتح ہوتا گیا۔ان میں سے ایک قلعہ ''قموص'' بھی تھا، جس کی فتح کے نتیجے میں یہودیوں کے ایک مشہور سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ اپنی چچازاد بہن کے ساتھ مسلمانوں کو جنگی قیدی کے طور پر حاصل ہوئی۔ان دونوں کو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں لائے۔

دونوں عورتوں کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے اور آنسوؤں کے پیچھے وہ نفسیاتی صدمہ تھا جو تمام یہودیوں کو فتح خیبر کے صلے میں لگ چکا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ سب کچھ سوچا تو ان دونوں نوخیز کلیوں پر آپ ﷺ کو رحم آ گیا۔آپ نے ان دونوں پر بھرپور شفقت کا سایہ کیا اور جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں عورتیں وادی میں اپنے سردار جنگجوؤں کو دیکھ رہی تھیں، جو اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے جبکہ معرکہ ختم ہو چکا تھا۔تاہم جنگ کی دہشت ابھی تک فضاؤں پر چھائی ہوئی تھی اور جنگی شکست کا صدمہ ابھی تک لوگوں کے دلوں میں تازہ تھا۔انہی اسباب نے ان دونوں لڑکیوں کے حواس معطل کیے ہوئے تھے اوران کے دل حزن و ملال سے بھرے ہوئے تھے۔ان حالات میں سیدنا بلال بن ابی رباح حبشی رضی اللہ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا تو انہوں نے ان دونوں کو ڈرا دھمکا کر اپنے آگے ہنکا لیا۔

یہ سب جان کر آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو شدید ملامت کی اور سخت لہجے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! کیا رحمت تیرے دل سے نکال لی گئی ہے۔ حتیٰ کہ تو ان دونوں کو اس وقت ہانک لایا جب یہ اپنے مقتولین کو دیکھ رہی تھیں۔''

نیز صفیہ، سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھی لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں تو انہوں نے آپ ﷺ کو ھبہ کردی۔ آپ ﷺ نے اس کا بدلہ انہیں دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو صفیہ کو آپ ﷺ کے پیچھے سوار کرا دیا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی چادر اوڑھادی، تب لوگوں کو علم ہوگیا کہ آپ ﷺ نے اسے اپنے لیے چن لیا ہے۔

جب جنگی سماں مدھم پڑھ گیا اور فضا پرسکون ہوگئی تو آپ ﷺ اپنی سواری سے اترے اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کردیا اور اس کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا۔ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا تھا کہ اگر وہ چاہے تو جنگی قیدی کے طور پر رہے اور چاہے تو میں اسے آزاد کردوں اور پھر اس کے ساتھ شادی کرلوں۔ تو صفیہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ جنگی صدمات سہنے اور نبی ﷺ کے پیچھے سوار ہوکر چٹیل بیابانوں اور سنگلاخ چٹانوں کے مسلسل اور طویل سفر کے نتیجے میں صفیہ رضی اللہ عنہا کافی تھک چکی تھیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے بھی اس پر حد سے زیادہ شفقت کی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم خیبر سے مدینہ منورہ کی طرف لوٹ کر آرہے تھے تو میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے اپنی عبایا سے اپنے ساتھ لپیٹا ہوا ہے۔ آپ ﷺ اپنے اونٹ کو بٹھاتے، اپنا گھٹنا اس کے پاس رکھتے پھر صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ ﷺ کے گھٹنے پر رکھ کر سوار ہوجاتی۔ پھر جب اسے اونگھ آنے لگتی اور اس کا سر کجاوے کی پچھلی لکڑی سے جالگتا تو رسول اللہ ﷺ اپنے دست مقدس سے اسے چھوتے اور فرماتے: ''اے بنت حیی ذرا صبر کرو'' آپ ﷺ جب بھی فرصت

پاتے تو فرماتے: البتہ میں تجھ سے اے صفیہ! تیری قوم کے ساتھ ہونے والے معاملے پر معذرت خواہ ہوں۔ درحقیقت انہوں نے میرے ساتھ فلاں فلاں موقعہ پر یہ زیادتی کی بے شک تیرے باپ نے عربوں پر یہ یہ ظلم ڈھائے۔ آپ ﷺ مسلسل غزوۂ خیبر کے اسباب پر روشنی ڈالتے رہے تا آنکہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا دل صاف اور مطمئن ہوگیا۔ وہ پکار اٹھی اللہ کی قسم! یارسول اللہ ﷺ! کائنات میں آپ ﷺ سے زیادہ میرے لیے کوئی قابل نفرت نہ تھا لیکن آج آپ ﷺ میرے نزدیک، میرے والد اور میرے خاوند سے بھی بڑھ کر عزیز ہیں اور میں آپ ﷺ کے دین پر ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے سفر کے دوران ہی صفیہ سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیے۔

ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا 'صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی رہی۔ اسی نے اسے رسول اللہ ﷺ کے لیے بنایا سنوارا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کو سکون میسر آ گیا اور ایمان کے ساتھ اسے اطمینان قلب حاصل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی طبیعت کے مطابق ان سے خوب حسن معاشرت کا برتاؤ کیا۔

آپ ﷺ کو اس کے اندر کسی کی بھلائی بخوبی نظر آ رہی تھی۔ آپ ﷺ کو اس کے آنے سے خصوصی مسرت حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ نے اسے وہی مقام عطا کیا جس کی وہ مستحق تھی۔ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنی کسی سوکن کے حجرے میں نہیں ٹھہری۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے اسامہ رضی اللہ عنہ سے ایک مکان کرایہ پر لیا کیونکہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی شادی دیر سے ہوئی تھی اور اس کے پاس کوئی علیحدہ مکان نہیں تھا جس میں وہ سکونت اختیار کرے۔ آپ ﷺ نے اس پر ستو اور کھجور کے ساتھ ولیمہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کو غور سے دیکھا تو وہاں آپ ﷺ کو زخم کا نشان نظر آیا لیکن اس زخم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کی دلکشی کو متاثر نہیں کیا۔ تاہم وہ کسی کہانی کی طرف ضرور اشارہ کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کے متعلق پوچھا

تو وہ مسکرا پڑی۔ اس نے وہ دردانگیز قصہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔

قصہ یوں تھا کہ ایک بار وہ گھر میں پرسکون نیند میں غرق تھی اور بھرپور خراٹے لے رہی تھی تو اچانک اس نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چودھویں کا چاند آہستہ آہستہ اترا اور اس کی گود میں آ کر غائب ہوگیا۔ جس سے اس کا سارا آنگن روشن ہوگیا۔

صفیہ رضی اللہ عنہا جب بیدار ہوئی تو اسے اس خواب پر تعجب ہوا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگی کیا یہ سچا خواب ہے اس کے پیچھے کوئی بہت بڑی حقیقت پنہاں ہے یا یہ ایک عام سا سہانا سپنا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تاہم خواب اس کے ذہن میں پیوست ہوگیا اور وہ انجانی خوشی سے سرشار ہوگئی۔ پھر یہ خواب اس کے لیے پریشانی کا باعث یوں بن گیا کہ اس نے اپنے خاوند کنانہ بن ابی حقیق کو سنا ڈالا۔ شاید وہ اس کی تعبیر بتا دے۔ یا وہ اس کے متعلق کسی عالم سے پوچھے جو اس کی تعبیر بتا سکے لیکن اس کے خاوند نے جونہی خواب سنا وہ غصے سے بھنا اٹھا۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔ اس نے غصیلی نظر سے مجھے دیکھا اور کہنے لگا: اے صفیہ! تو ہلاک ہو جائے تو اپنی گردن عربوں کے شہزادے کی طرف لمبی کر رہی ہے۔ اگر تو اس کے بارے میں کبھی سوچتی نہیں ہے تو پھر آخر کیوں تجھے یہ کالے خواب نظر آتے ہیں۔ اچانک وہ اپنی بیوی پر حملہ آور ہوگیا۔ اپنا مکروہ اور بھاری ہاتھ اٹھایا اور ایک زوردار طمانچہ اس کے رخسار پر جڑ دیا جس کے نتیجے میں وہاں سے خون ابل پڑا پھر اسے زخم پر مرہم پٹی کرنی پڑی جس کا نشان ابھی تک اس کے چہرے تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی ازواج کو صفیہ ﷺ کے چہرے کی دلکشی ایک آنکھ نہ بھائی۔ خصوصاً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو ہر وقت اس کی ظاہری عیب جوئی کرتی رہتی تھیں۔ تاکہ نبی اکرم ﷺ کو صفیہ رضی اللہ عنہا کے خلقی و خلقی عیوب کا پتہ چل جائے اور آپ ﷺ کا دل اس سے بھر جائے۔ ایک دن سیدہ

عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو کہہ دیا: آپ ﷺ کے لیے تو صفیہ رضی اللہ عنہا کا پستہ قد ہی کافی ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

''اے عائشہ! تو نے ایسی بات کی ہے اگر اسے سمندر کے پانی میں ملایا جائے تو اس پر غالب آ جائے۔'' [ابوداود: ٤٨٧٥۔ ترمذی: ٢٥٠٤]

اس کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اوپر قابو پالیا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔

جہاں تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا معاملہ ہے تو اس نے اپنے کینے کو اپنے سینے میں چھپا رکھا اور ایک وقت معین تک اسے ظاہر نہ ہونے دیا تاوقت یہ کہ نبی ﷺ حج کے لیے مدینہ سے مکہ کی طرف گامزن ہوئے۔

اس سفر مبارک میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ جب آپ ﷺ کے قافلے نے کچھ سفر طے کیا تو صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ عورتوں کی فطری عادت کی طرح رو پڑیں۔ جب بھی عورتوں پر چھوٹی یا بڑی کوئی مصیبت آتی ہے وہ فوراً اپنی آنکھوں کے راستے اس کا بھرپور اظہار کرنے لگ جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ صفیہ رضی اللہ عنہا کے آنسو اپنے دست مبارک سے پونچھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ فعل اس کے رونے، ہچکیوں اور اس کی سسکیوں میں اضافہ کا باعث بن گیا۔ آپ ﷺ اس کو بہلانے اور دلاسہ دینے لگے۔ آپ ﷺ اسے صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ آپ ﷺ اگرچہ اس مقام پر پڑاؤ کا ارادہ نہ کرتے تھے لیکن صفیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے آپ نے لوگوں کو پڑاؤ کا حکم دیا۔ سب اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور یہی وجہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی سوکنوں کی غیرت کو جگانے کا بہانہ بن گئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک اونٹ مانگا کیونکہ ان کے پاس زائد اونٹ تھے۔ زینب رضی اللہ عنہا کی غیرت جاگ اٹھی اور اسے اپنے آپ پر قابو نہ

رہا اور اس کی زبان سے نکل گیا کہ میں یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟

رسول اللہ ﷺ کو اس کی بات پر اس سے اتنے ناراض ہوئے کہ آپ ﷺ نے سارے ایام حج بلکہ مزید دو ماہ تک تقریباً اس سے ہم کلام نہ ہوئے۔ جب تک کہ اگلے سال کا ماہ ربیع الاول نہ آیا۔

ایک بار صفیہ رضی اللہ عنہا کو عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ طعنہ سننا پڑا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تجھ سے زیادہ معزز ہیں کیونکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی چچازاد اور آپ کی بیویاں ہیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی اس بات کا برا منایا اور اندر ہی اندر وہ افسوس سے تلملا کر رہ گئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی۔ آپ ﷺ نے اس کو بہلایا، اس سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا:

کیا تو نے ان دونوں کو یہ نہیں کہا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کس طرح سکتی ہو؟ جبکہ میرے خاوند محمد ﷺ ہیں اور میرا باپ ہارون علیہ السلام ہے اور میرا چچا موسیٰ علیہ السلام ہے؟ یہ چند نمونے صفیہ رضی اللہ عنہا اور نبی ﷺ کی دیگر ازواج کی معاشرت کے پیش کیے گئے، اسی طرح صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی محبت، رحمت اور آپ ﷺ کا عدل بھی نمایاں ہے۔

اسی پر بس نہیں۔ جب نبی اکرم ﷺ اپنی مرض الموت میں اپنے بستر پر آرام فرما رہے تھے۔ انجانے خوف اور غم کے سائے نے ان دلوں کو ڈھانپ لیا تھا جن کے ساتھ امید کبھی اٹھکیلیاں کرتی تھی۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی آمدہ خطرات نے گھیر لیا اور وہ روتے ہوئے کہنے لگی: اللہ کی قسم یا رسول اللہ! میری دلی تمنا ہے کہ آپ کا مرض مجھے لگ جائے اور آپ تندرست ہو جائیں۔

یہ سن کر اس کی کسی سوکن نے آنکھ بھینچی اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگیں۔ وہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی نیت پر شک کر رہی تھیں۔ ان کے رحیم وعزیز سرتاج نے انہیں آپس کی کانا پھوسی سے روک دیا اور مشتعل ہو کر انہیں فرمایا: ''کہ تم سب کلی کرو۔''

وہ پوچھنے لگیں: یارسول اللہ! ہم کس وجہ سے کلی کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو بات کہی، اس کی وجہ سے کلی کرو۔ اللہ کی قسم! وہ اپنی بات میں سچی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاں صفیہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا ایک اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جب مسجد میں اعتکاف بیٹھے تھے تو صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو کھانا دینے گئیں۔ آپ ﷺ اس سے ہم کلام ہوئے۔ اس کی طرف سے اتنے اہتمام پر آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس سے انس و محبت کا اظہار کیا، پھر آپ ﷺ اسے مسجد کے دروازے تک چھوڑنے اس کے ہمراہ چل دیے۔ اسی وقت دو انصاری صحابہ رضی اللہ عنہما کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ دونوں تیزی سے وہاں سے گزرنے لگے۔ تو آپ ﷺ نے پکارا تم دونوں جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔ میرے ساتھ میری بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی ہے۔ آپ ﷺ وضاحت کرنا چاہتے تھے کہ کوئی غیر محرم عورت آپ کے ساتھ نہیں۔

دونوں بیک زبان یہ پکار اٹھے: سبحان اللہ! یارسول اللہ! کیا ہم آپ ﷺ کے متعلق شک کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک شیطان ابن آدم کے اندر اس طرح چلتا ہے جس طرح اس کی رگوں کے اندر خون چلتا ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں بھی بدظنی نہ پیدا کر دے۔ گویا اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی قوم کے سردار کی بیٹی صفیہ رضی اللہ عنہا کی عزت افزائی کی۔ تاکہ وہ افسردہ نہ ہو جبکہ اس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے مجھ سے شادی پر رضامندی ظاہر کی۔ پھر زمانے نے دیکھا کہ یہی خاوند جو تمام لوگوں کی بھلائی کے لیے دین لے کر آیا، متعصب یہود و نصاریٰ پر حجت تمام کرنے کے لیے کمربستہ رہا۔ اس شادی کے بعد انہی یہود کے لیے اس نے اپنے گھر کے دروازے کھول دیے، نہ تو ان سے اس کے بعد نفرت کی اور نہ ہی ان سے کبھی جنگ کی۔

صفیہ رضی اللہ عنہا بذات خود دانش مند، علم و فضل والی اور نہایت خود دار خاتون تھیں۔ اپنی زندگی میں نبوی اخلاق کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کیا۔ ایک بار اس کی ایک کنیز نے سیدنا

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ چغلی کھائی کہ اے امیر المؤمنین! صفیہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتی ہے اور یہود سے صلہ رحمی کرتی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا وہ جب آئیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس الزام کی حقیقت کے متعلق وضاحت طلب کی۔ انہوں نے پورے یقین اور اعتماد سے کہا۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے بدلے جمعہ کا دن مجھے عطا کیا ہے تب سے میں ہفتہ کی تعظیم نہیں کرتی۔ جہاں تک یہود کا معاملہ ہے تو ان میں میرے حقیقی رشتہ دار ہیں۔اس لیے میں ان سے صلہ رحمی کرتی ہوں۔عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب سن کر خوب تحسین کی اور اس سے اپنی رضامندی اور اطمینان کا اظہار کیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے بہتان تراش کنیز سے کوئی ایسا انتقام نہ لیا کہ جو ایمانی و اسلامی اخلاق کے منافی ہو۔ نہ تو اسے جھڑکا، نہ اسے ٹوکا، نہ روکا اور نہ کبھی اسے اس بات کا طعنہ دیا۔ البتہ ایک دن اس سے اتنا پوچھا: تجھے یہ حرکت کرنے پر کس نے آمادہ کیا؟

کنیز نے کہا: یقیناً وہ شیطان ہے۔

صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کا جواب سن کر کہا: جا! تو اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔

[الاستیعاب: 3372]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے عمرۃ القضاء ادا کرنے کا ارادہ کیا۔

چونکہ قریش نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آئندہ سال آپ ﷺ کو تو عمرہ ادا کرنے اور وہاں تین دن رہنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ ابھی تک عمرہ کے ارکان ادا کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو برہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی طرف نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ پھر آپ ﷺ نے احرام کی حالت میں ہی اس کے ساتھ نکاح کیا۔

آپ ﷺ نے فتح مکہ سے فال لیتے ہوئے اس کا نام میمونہ رضی اللہ عنہا رکھا۔ جونہی تین دن گزرے قریش نے رسول اللہ ﷺ کو جلدی کرنے کے لیے اور مکہ سے روانگی کے لیے کہنا شروع کردیا۔ بالآخر اہل مکہ کے چند افراد کے ساتھ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آیا، انہوں نے کہا: یا محمد! ہماری جان چھوڑ دو! آپ کی شرط کے مطابق آج آخری دن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے شروط میں ٹال مٹول نہ کی اور نہ ہی آپ ﷺ نے روانگی کو ناپسند کیا۔ آپ ﷺ اپنے معاہدے سے وفا کرنا چاہتے تھے۔

آپ ﷺ کی تمنا صرف یہ تھی کہ شاید کسی طریقے سے ان کو ہدایت مل جائے۔

لیکن انہوں نے انکار کیا اور درشتگی اور سختی سے کہا: ”ہمیں تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں۔“

نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں تمام مسلمان مکہ سے روانہ ہوگئے ۔آپ ﷺ نے حدود مکہ سے نکل کر ''سرف'' کے مقام پر پڑاؤ کیا۔آپ ﷺ نے وہاں میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کیے اور اپنے ساتھ اسے مدینہ منورہ لے آئے۔تاکہ وہ دیگر ازواج مطہرات وطیبات میں شامل ہوجائے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔

یہ نبی ﷺ کی آخری بیوی ثابت ہوئی ۔آپ ﷺ نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ میمونہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان کی سوکنوں کے ساتھ مقابلے کی کوئی بات نہیں سنائی دی۔ وہ اپنی عبادت میں مشغول رہتیں۔ان کی گود میں ایک یتیم بچہ پل رہا تھا جس کا نام عبیداللہ خولانی تھا۔ البتہ ایک روایت میں یہ قصہ منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک رات اس کے پاس سے نکلے تو اس نے آپ ﷺ کے باہر جانے کے بعد پیچھے سے دروازہ بند کرلیا۔ آپ ﷺ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔اس نے کھولنے سے انکارکردیا ۔بالآخر آپ ﷺ نے اس پر دروازہ کھولنے کے لیے قسم ڈال دی۔اس نے دروازہ کھول دیااور کہنے لگی: یارسول اللہ! میری رات میں آپ اپنی کسی بیوی کے پاس کیوں گئے ہیں؟

نبی اکرم ﷺ نے پورے انشراح صدر اور وضاحت کے ساتھ فرمایا: میں نے یہ کام نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اس کی اس بات پر کسی رنجش کا اظہار نہ کیا اور نہ ہی اپنے دل میں غصہ کیا، نہ ہی آپ ﷺ نے اس کا بستر الگ کیا، نہ ہی آپ ﷺ نے اسے طلاق دی اور نہ ہی آپ ﷺ نے اسے کوئی دھمکی دی اور نہ ہی آپ ﷺ نے اس پر اپنی آواز کو بلند کیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے اس کے برعکس اس کے ضعف اور اس کی نسوانی غیرت پر رحم کیااور نہایت باوقار اور مشفقانہ انداز میں اس کے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ آپ ﷺ کا یہ سلوک اس سے آپ ﷺ کی محبت کا بہترین ثبوت ہے۔

دیگر خواتین جو آپ ﷺ کی زندگی میں آئیں لیکن آپ ﷺ نے ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے

نبی اکرم ﷺ نے مذکورہ بالا ازواج مطہرات کے علاوہ اور بھی کئی عورتوں سے نکاح کیا لیکن ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے اور مختلف اسباب کی بناء پر ان کو طلاق دے دی۔

① ایسی ہی ایک عورت بنوعنبر کی تھی جسے ''بنت جون'' کہا جاتا تھا۔ وہ ظاہری طور پر بڑی خوبرو تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کو اندیشہ ہوا کہ وہ کہیں ہمارے مقابلے میں آپ ﷺ کو مغلوب نہ کرے۔ ان سب نے مل کر منصوبہ بندی کی۔ ساتھ ساتھ وہ اس عورت کو آپ ﷺ کے لیے تیار بھی کر رہی تھیں اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا کر رہی تھیں کہ آپ ﷺ کو یہ بات بڑی ہی پسند ہے کہ اگر کوئی یہ کہہ دے ''نعوذ باللہ منک'' ہم تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔''

جب وہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس خلوت نشین ہوئی تو اس نے آپ ﷺ سے ایسے ہی کہا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: تو نے جس کی پناہ مانگی ہے اس اللہ نے تجھے مجھ سے بچا لیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تو اسے دو سفید سوتی کپڑے پہنا دے۔

② ایک ایسی ہی عورت بنو کندہ کی تھی۔ اس نے خود رسول اللہ ﷺ سے اپنی خواہش

کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ اسے اس کے گھر والوں کے پاس لوٹا دیں۔

تب آپ ﷺ نے اسے ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کے گھر بھیج دیا۔ جب وہ جانے لگی تو وہ سخت نادم ہوئی۔

③ ان جیسی ایک عورت خولہ بنت ہذیل تھی۔ وہ نبی اکرم ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی رستہ میں مرگئی۔

④ ایسی ہی ایک عورت بنو اوس قبیلہ کی لیلیٰ بنت خطیم بھی تھی وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ کو یوں مخاطب کیا: ''اے ہواؤں کو پیدا کرنے والے کے بندے میں لیلیٰ بنت خطیم ہوں، میں اپنے آپ کو آپ کے لیے پیش کرنے کے لیے آئی ہوں۔ آپ ﷺ مجھ سے شادی کرلیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے منظور ہے۔ وہ اپنی قوم کے پاس گئی اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ شادی کرلی ہے۔ انہوں نے اسے کہا: تو نے بہت برا کیا تو ایک غیرت مند عورت ہے۔ محمد کے پاس پہلے ہی متعدد بیویاں موجود ہیں۔ لہٰذا تو نبی اکرم ﷺ سے معذرت کرلے۔ وہ جلدی جلدی واپس آئی اور آپ ﷺ کو کہنے لگی: یارسول اللہ! میں معذرت کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔

⑤ نبی اکرم ﷺ نے بنی غفار کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ جب آپ ﷺ اس کے ساتھ خلوت نشین ہوئے تو اس کے جسم پر سفید داغ دیکھا۔ آپ ﷺ نے اسے پورا مہر دے کر اس کے گھر والوں کے پاس اسے بھیج دیا۔ چونکہ اس نے خود ہی اپنا عیب آپ ﷺ سے چھپایا تھا، اس لیے آپ ﷺ اس سے علیحدہ ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ کیسے زندگی بسر کرتے تھے؟

گزشتہ صفحات میں نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات گزرے ہیں، یہ ازواج مقدسات آپ ﷺ کے آنگن میں آئیں۔ آپ ﷺ کی اجتماعی اور نفسیاتی زندگی کی رونقوں کو دوبالا کیا۔ ان میں گیارہ آزاد خواتین اور دو باندیاں اور کچھ ایسی بھی تھیں جن کے ساتھ آپ ﷺ نے نکاح تو کیا لیکن بوجوہ ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے۔

ان میں سے ہر ایک کی اپنی طبیعت اور اپنا مزاج تھا۔ ان میں سے کسی کی نسوانی غیرت بھڑک اٹھتی تو اس کی تمام افکار سے بغاوت کر دیتی اور منجملہ اپنے گردوپیش سے بے خبر ہو جاتی تو ان میں ہر کسی کے عجیب و غریب معاملات تھے اور کچھ کی غیرت اپنے علاوہ دوسری سوکنوں کے ساتھ کوئی حسن سلوک کا شائبہ نظر آتا تو وہ بھڑک اٹھی اور کچھ کو ذرہ بھر پروا نہ ہوتی کہ اس کی سوکنیں کیا کر رہی ہیں کیونکہ اسے کامل اطمینان صرف اس بات سے حاصل ہوتا کہ وہ ایک معزز و مکرم خاوند کے پہلو میں ہے۔ وہ سب متعدد قبائل کی بیٹیاں تھیں اور متعدد علاقوں سے ان کا تعلق تھا۔ سب کی عمریں مختلف تھیں اور سب کے سابقہ ادیان مختلف تھے۔ اگر ایک مسلمان تھی تو یہودن بھی ان میں تھی اور سابقہ نصرانیہ بھی۔ کوئی نہ کوئی ضرور ہوگی۔ بہرحال سب آسمانی ادیان کی پیروکار تھیں تو پھر نبی اکرم ﷺ

نے ان کو اکٹھا کیسے رکھا کیا یہ آپ ﷺ کے تمام جہانوں کا نبی ہونے کی دلیل نہیں؟

رسول اللہ ﷺ کی اجتماعی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان سب بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کا برتاؤ کیا اور سب کو راضی رکھا اور سب پر سرداری کی ۔ کبھی آپ ﷺ غصہ میں بھی آجاتے اور کبھی آپ ﷺ نرم ہو جاتے۔ بشرطیکہ معاملہ شرعی حدود کے اندر ہی رہتا۔

اسی طرح گزشتہ صفحات میں ازواج مطہرات کے جو واقعات گزرے ہیں، ان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی محبت آپ ﷺ کی ہر بیوی کے دل میں پیوست تھی۔ وہ آپس میں اس لیے مقابلہ بازی کرتیں کیونکہ ان میں سے ہر کسی ایک کی یہ خواہش تھی کہ صرف وہی آپ ﷺ کے زیادہ قریب ہو اور اگر ان میں سے کوئی ایک نبی ﷺ سے (نعوذ باللہ) نفرت کرتی تو پھر یہ کیونکر تھا کہ ان میں سے ہر ایک نبی ﷺ کا دل جیتنے کے لیے اوٹ پٹانگ جتن کرتی اور ان میں سے ہر ایک آپ ﷺ کی رضا کی تلاش میں رہتی بلکہ نبی اکرم ﷺ ایک بار ان سب کو طلاق کا اختیار دیا، جب وہ سب نبی ﷺ سے زیادہ اخراجات اور آسائشوں کا مطالبہ کرنے لگیں تو ان میں سے ہر ایک نے بلا تردد و تفکر طلاق کو اختیار نہ کیا اور نبی ﷺ کے قرب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چن لیا۔ اگرچہ قرآن کی آیات بھی نازل ہو چکی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ حالانکہ آیت قرآنی بیوی کو مارنے کی اجازت دیتی ہے۔

آپ ﷺ نے کبھی کسی بیوی کو لاٹھی تو دور کی بات ہے تھپڑ بھی نہ مارا بلکہ رسول اللہ ﷺ بیوی کو مارنے سے منع کرتے ہوئے فرماتے: کیا تم اپنی بیوی کو مارتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔ دن کی ابتدا میں اسے مارو گے اور دن کی انتہا میں اس سے جماع کرو گے۔

لیکن علماء نفسیات کے بقول گناہ گار کو ڈرانے کے لیے سزائیں بھی ضروری ہیں۔

تا کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کا رستہ اپنا لے۔ بہرحال ہمیں دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو کس طرح سزا دیا کرتے تھے، جب ان سے لغزشیں سرزد ہوتی تھیں؟!

نبی اکرم ﷺ ان سزاؤں کا انتخاب کرتے جن کا اثر دل پر ہوتا۔ کبھی تو آپ طویل مدت کے لیے یا مختصر مدت کے لیے علیحدہ ہو جاتے اور ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت و ملامت و معاتبت بھی کرتے رہتے لیکن آپ ﷺ کا اسلوب خوشنما اور جمیل ہوتا۔

اور یہ طریقہ نفسیاتی معاملات کی اصلاح کے لیے مؤثر ترین ہے جس کے متعلق علماء تربیت بات کرتے ہیں۔ مزید برآں اس سے زیادہ سزا مسلمان مؤرخین اور سیرت نگاروں کے مطابق آپ ﷺ کے ہاتھوں بہت کم کسی کو ملی۔

اگر زیادہ مواقع ہوتے تو مؤرخین اس کی وضاحت ضرور کرتے کیونکہ تب یہ واقعات مشہور ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اپنی بیویوں کو سزا دینا کسی بھی گناہ گار عورت کو سزا دینے کی طرح ہوتا یہ نہیں کہ جیسے خاوند اپنی بیوی کو سزا دیتا ہے۔

آپ ﷺ کی طرف سے جو بھی سزا ہوتی وہ سنگدلی، گالی گلوچ اور لعن طعن سے محفوظ ہوتی۔ آپ ﷺ کے اسی خلق لطیف کی وجہ سے وہ کبھی کبھار رسول اللہ ﷺ پر جرأت مندی کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ بحث بھی کر لیتیں اور عقلی رائے کو رد بھی کر دیتیں۔

بہرحال یہ بحث اور مراجعہ و جرأت نبی ﷺ کے ساتھ صرف بشریت کے جامہ میں محدود رہتی۔ وحی، تنزیل اور امر الٰہی تک اس کی حدود ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

[الاحزاب:36]

”کسی مومن اور مومنہ کے لیے اس وقت اللہ اور اس کے رسول کے حکم میں کوئی

اختیار نہیں رہتا جب وہ اس کا فیصلہ کر دیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو تحقیق وہ واضح گمراہی میں غرق ہوگیا۔“

نبی ﷺ نے اپنی ازواج کو کبھی بھی ان کی جبلت اور مزاج کے ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ ابتدا میں انہیں کھل کر اپنے اندر کی بات کرنے پر آمادہ کرتے تاکہ وہ اپنی دلی رنجشوں کی صاف گوئی سے وضاحت کرلیں پھر آپ ﷺ بھرپور طریقے سے ان کی تہذیب و اصلاح کرتے۔ جب تک اصلاح کی گنجائش ہوتی۔ جیسا کہ ہم نے سیدہ زینب اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان (شہد والے واقعہ) ملاحظہ کیا۔

ان میں سے ایک تو اپنے باپ سے زیادہ ڈرتی اور اس کے باپ کی ہیبت اس پر زیادہ چھائی رہتی اور اسے رسول اللہ ﷺ سے اتنا خوف اور ہیبت نہ ہوتی۔ وہ آپ ﷺ سے حد درجہ مطمئن ہوتی اور ہر طرح سے آپ ﷺ کی طرف سے وہ اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتی۔ یہ سب اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کا حسن اخلاق قرآن کریم کا عملی نمونہ تھا۔ ازواج کو آپ ﷺ کی طرف سے ہمیشہ احسان، نرمی اور احسن معاملگی ملتی۔

رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اسی طرح زندگی گزارتی تھیں جس طرح تمام صحابیات زندگی گزارتی تھیں۔ ازواج مطہرات کے کوئی مادی یا معنوی امتیازات نہیں تھے۔ ہاں ایک شرف ضرور انہیں حاصل تھا یعنی خانۂ نبوت کی طرف ان کی نسبت ضرور تھی۔ لیکن اس نسبت کی وجہ سے دیگر مسلمان خواتین سے زیادہ تکالیف ان کو سہنی پڑتیں۔ چونکہ تدین اور ذمہ داری میں ان کی حالت بہت ہی حساس تھی۔

اس خصوصیت کے علاوہ مسلمانوں کے علم میں نبی ﷺ کے علم میں اور کوئی خصوصیت نہیں۔ چاہے وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہوں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہوں۔ مثلاً سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بار مال غنیمت میں ریشمی چادریں

پہنچیں، انہوں نے وہ چادریں مسلمان عورتوں میں تقسیم کر دیں۔ ان کے پاس صرف ایک بہت ہی قیمتی چادر رہ گئی لوگوں نے انہیں مشورہ دیا کہ یہ چادر آپ اپنے پاس خانوادۂ رسول ﷺ کی بیٹی یعنی ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب کو دے دیں کیونکہ وہی اس کی زیادہ حق دار ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دوٹوک اور واشگاف الفاظ میں وضاحت کی کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ام سلیط اس چادر کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ غزوۂ احد کے دن وہ ہمیں مشکیزہ میں پانی پلاتی تھیں اور آپ ﷺ نے یہ چادر اسے دے دی۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج اپنے گھروں میں ہر عورت کا استقبال خندہ پیشانی سے کرتیں، چاہے آنے والی مہمان فقیر ہو یا امیر۔ میزبان کا سلوک سب مہمانوں سے ایک جیسا ہوتا۔ چونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہی تربیت ملی تھی۔

کتنی ہی بار ایسے ہوا کہ رسول اللہ ﷺ باہر سے جب گھر تشریف لاتے تو کوئی عورت آپ ﷺ کی بیوی کے پاس بیٹھی ہوتی۔ ازواج مطہرات آنے والی عورتوں سے باتیں کرتیں، انہیں مانوس کرتیں اور بلاتکلف ان سے گھل مل جاتیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اپنی بیویوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ تمام حالات میں آپ ﷺ کی ان کے ساتھ نرمی اور شفقت قائم رہتی۔ آپ ﷺ نے کبھی ان کے ساتھ ہنسی مذاق، کھیل کود میں کمی نہ کی۔ آپ ﷺ ان پر دلی محبت نچھاور کرتے حتّٰی کہ جب ان سے خلوت میں ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے لیے جاتے تب بھی اپنا نرم سلوک اور محبت وشفقت کو قائم رکھتے۔ آپ ﷺ بعض اوقات ان سب کے پاس جاتے۔ آپ ﷺ ان کی رغبتوں اور دلچسپیوں کا خیال رکھتے۔ جب آپ ﷺ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ جماع کرتے تو ادب کا دامن نہ چھوڑتے۔

بعض اوقات آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کے ساتھ اکٹھے غسل بھی کر لیتے جس سے آپ ﷺ کا مقصود ان کو غسل کا طریقہ بتلانا ہوتا۔ نیز آپ ﷺ یہ بھی چاہتے کہ اس

طریقہ سے وہ دلی مسرتوں کے ساتھ ہم کنار ہوسکیں۔

آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی سے نفرت نہیں کی اور نہ ہی آپ ﷺ تمام حالات میں ان پر اپنی بڑائی جتاتے۔ وہ بھی آپ ﷺ کے بلکہ آپ کے دل کے قریب رہتیں۔ ذرا غور کریں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ میری گود میں اس وقت سر رکھ کر قرآن کی تلاوت فرماتے۔ جب میں مخصوص ایام میں ہوتی۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سوتی چادر اوڑھ کر لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے اچانک حیض آ گیا تو میں ایک طرف کھسک گئی اور حیض کے ایام والے کپڑے لے لیے۔ نبی ﷺ کو میری حرکت سے پتہ چل گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کیا تیرے مخصوص ایام شروع ہوگئے ہیں؟ میں نے تصدیق کی تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پاس بلایا تو میں آپ ﷺ کے ساتھ اسی چادر میں لیٹ گئی۔

اورسیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا جب حیض کے دنوں میں نماز نہ پڑھتیں لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہی لیٹ جاتیں اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے ۔ جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو آپ ﷺ کے کپڑے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا پر جاپڑتے۔ آپ ﷺ کو اس سے کوئی ناگواری نہ ہوتی۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی زوجات مطہرات کے اجمالی حالات قلمبند کیے۔ آپ ﷺ نے اتنی بیویوں کو محض شہوت کی تکمیل کے لیے اکٹھا نہ کیا۔جیسا کہ بعض متعصب مستشرقین باور کراتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ ایسے مقامات کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں۔ جو ان کے لیے دین اسلام اور مسلمانوں کے نبی ﷺ پرطعن و تجریح کا سبب بن سکیں۔ان لوگوں کی ایسی کٹ حجتیوں اور موشگافیوں کا رد کرنا زیادہ مشکل نہیں جیسا کہ تفصیل درج ہے:

① چونکہ نبی ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا اور تقریباً بیس سال ہنسی خوشی گزارنے کے بعد جب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے شادی نہ کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ ﷺ کی جتنی بیویاں تھیں وہ سب بیوہ تھیں یا جنگ میں حاصل ہونے والی کنیزیں تھیں۔ جن کے خاوند موجود تھے اور وہ آپ ﷺ کو مال غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیے۔

② سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح اور ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے جتنی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچاس برس سے متجاوز تھی اور یہ عمر حکمت اور تجربہ کے لحاظ سے پختہ عمر شمار ہوتی ہے۔

③ آپ ﷺ کی عمر کا یہی حصہ اہم ذمہ داریوں جیسے افواج المسلمین کی قیادت، سیاست، اسلامی ریاست کے قیام اور دعوت دین کی نشر و اشاعت کی ادائیگی کے لیے اہم تھا۔ ان امور کو سرانجام دینے کے بعد آپ ﷺ کو آرام و سکون کی چند گھڑیاں بھی میسر نہ آئیں تو یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے اتنی بیویاں محض عیش و تلذذ کے لیے کیا یہ بالکل نامعقول اور غیر مناسب رائے ہے۔

④ پھر یہ پہلو بھی نظر انداز کرنا ممکن نہیں کہ نبی ﷺ کی مکمل سیرت کا مطالعہ کر لیں۔ آپ ﷺ کی تمام زندگی ایک جیسی کبھی نہیں بسر ہوئی۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ ہمیشہ ناز و نعم اور عیش و سرور میں غرق رہیں اور نہ ہی کبھی آپ ﷺ اپنی زندگی میں رب کی رحمت سے مایوس ہوئے۔

اگر آپ ﷺ چاہتے تو کنواری اور خوبصورت دوشیزاؤں سے نکاح کرتے۔ آپ ﷺ کو ایسا کرنے سے کوئی روکنے والا نہ تھا۔

سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کا دائرہ کار کی وضاحت کردی ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ○ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ○ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴾

[الاحزاب:28تا34]

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہوتو آؤ میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں رخصت کردوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخری گھر کا ارادہ رکھتی ہوتو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی بے حیائی (عمل میں) لائے گی اس کے لیے عذاب دوگنا بڑھایا جائے گا اور یہ بات اللہ پر

ہمیشہ سے آسان ہے۔اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی اسے ہم اس کا اجر دو بار دیں گے اور ہم نے اس کے لیے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔اے نبی کی بیویو! تم عورتوں میں سے کسی ایک جیسی نہیں ہو، اگر تقویٰ اختیار کرو تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔ اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یاد کرو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے نہایت باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ ان کے لیے حرام ہے کہ وہ آپ ﷺ سے ناراض ہو جائیں۔ آپ ﷺ کی باتوں کو رد کر دیں۔ آپ ﷺ سے کج بحثی کریں۔ آپ ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں اور یہ بھی ان کے اوپر حرام ہے کہ وہ دنیا کی دیگر عورتوں کی طرح رسول اللہ ﷺ سے دنیاوی عیش وعشرت اور لذت و فرحت کے سامان کا مطالبہ کریں۔

درج بالا صفحات میں نبی اکرم ﷺ کی ان زوجات مکرمات کا تذکرہ ہو رہا ہے جو تمام مسلمان عورتوں کے لیے قدوہ ہیں۔رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ ایسا نادر و نایاب اور بے مثال معاملہ کرتے تھے جو کہیں دوسری جگہ اس قدر اکٹھی رہنے والی عورتوں

سے ہونا ناممکن اور محال ہے۔اس لحاظ سے سعادت مند مسلمان خاندان کے لیے آپ ﷺ کا گھرانہ بہترین نمونہ ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے گھروں کی تکمیل ،محبت ،وفا اکرام اوراحترام اور حریت اظہار و عمل کے ذریعے کی۔اسی لیے آج تک تمام مسلمان نبی اکرم ﷺ کے گھروں کی طرف احترام اور رشک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی نظر سے تمام مسلمان رہتی دنیا تک آپ ﷺ کے گھروں کو دیکھتے رہیں گے اور اپنے لیے بہترین نمونہ اور مثال وقدوہ بناتے رہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی اولاد کے گھروں میں

آنحضرت ﷺ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا بہترین ثمر ایسی اولاد کی شکل میں ملا کہ جن کے وجود سے وہ گھرانہ مزین و منور ہوگیا اور خوشی، اطمینان، وقار اور سکینت سے گھر بھر گیا۔ مقدس و مطہر والدین کریمین نے اپنی ننھی منی اولاد کو شفقت و محبت سے پالا پوسا۔

رسالت کی ذمہ داری پڑنے سے پہلے یہ والدین اگر اپنی اولاد کے لیے بہت ہی اچھے اور مثالی والدین ثابت ہوئے ۔ تو بے شک ان کی اولاد نے بھی بڑے بڑے دکھ اور اس قدر مصائب جھیلے کہ جن کی وجہ سے ان کے والدین مغموم ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ کو نبوت سے پہلے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے سوائے ابراہیم کے تمام اولاد عطا ہوئی۔

① آپ ﷺ کو قاسم عطا ہوئے، اسی نسبت سے آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ لیکن قاسم رضی اللہ عنہ نے اپنے والدین کے سامنے ابھی تک گھٹنوں کے بل ہی چل پائے تھے کہ ان کو موت نے آلیا اور وہ اپنے والدین سے جدا ہوگئے اور ان کے دل میں حسرتیں اور آہیں چھوڑ گئے۔

② اسی طرح ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ وہ بھی دودھ پینے کی عمر میں ہی چل بسے اور رسول اللہ ﷺ کے گھر غم و حزن کے سائے طویل ہوگئے اور اس وقت

تک اس گھر پر چھائے رہے جب تک آپ ﷺ پر وحی کی ابتدا نہ ہوئی۔ جب آپ ﷺ کو پیغام الٰہی ملنا شروع ہوا تو آپ ﷺ کی مہمات میں تازگی اور تنوع آ گیا اور پچھلے غموں سے آپ ﷺ کو نجات مل گئی۔

دن گزرتے گئے۔ نبی ﷺ کو ماریہ قبطیہ بطور کنیز مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بطن سے آپ ﷺ کو بیٹا عطا فرمایا جس کا نام آپ ﷺ نے ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر رکھا۔ یہ بیٹا آپ ﷺ کی امیدوں کا سہارا تھا۔ آپ ﷺ نے بڑے لاڈ سے عادت عرب کے مطابق ایک مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) مقرر کی۔ انصاری عورتوں میں سے ہر ایک نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ انصار چاہتے تھے کہ وہ ماریہ کو نبی ﷺ کی خدمت کے لیے فارغ کر دیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ماریہ کی طرف خصوصی میلان رکھتے ہیں۔ بالآخر سیدنا براء بن اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام بردہ، خولہ بنت منذر بن زید نجاریہ کو یہ سعادت ملی۔ نیز آپ ﷺ نے ان کے لیے کچھ بھیڑیں بھی وقف کر دیں تا کہ انہیں دودھ کی کمی نہ آئے۔

ہر روز بالائی مدینہ میں نبی اکرم ﷺ اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لیے جاتے۔ آپ ﷺ ان دونوں ماں بیٹے کے پاس کچھ لمحات گزارتے۔ بچے کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرتے۔ اسے ہنساتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے اور اللہ کی مشیت کے موافق اس پر رحمت، حنان اور شفقت نچھاور کر کے واپس آ جاتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ادب المفرد میں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں اٹھاتے، اس کو چومتے اور اپنی ناک اس کے رخساروں کے ساتھ رگڑتے۔ گویا آپ ﷺ خوشبو والا پھول سونگھ رہے ہوں۔

آپ ﷺ کی ہر بیوی کی یہ خواہش تھی کہ اس کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی اولاد پیدا ہو تا کہ وہ اپنی سوکنوں پر فخر کر سکے۔ خصوصاً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل اس خواہش پر

زیادہ مچلتا لیکن اللہ کو منظور نہ ہوا اور سیدہ خدیجہ اور ماریہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کو اولاد عطا نہ ہوئی۔

نبی مکرم ﷺ کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر حاصل ہونے والی فرحت ومسرت مکمل نہ ہوسکی۔ ابھی ان کی پیدائش کو ڈیڑھ برس بھی نہیں گزرا تھا کہ جب تک بچہ مکمل تنومند اور صحت پختہ کا مالک ہوجائے اور اس کی طویل زندگی کے لیے دعائیں کی جائیں اور امیدیں تڑپنے لگیں کہ اسے موت نے آلیا۔

کڑکتی اور لپکتی بجلی کی طرح موت اس پر آوارد ہوئی۔ اس نے زندگی کے آخری سانس اپنے مشفق اور غمزدہ والد کی گود میں پورے کیے۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کی موت کا لامحدود صدمہ ہوا۔ حتی کہ آپ ﷺ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑا ہی تعجب ہوا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پکار اٹھے۔ آپ ﷺ بھی یا رسول اللہ (رو پڑے)؟

آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے اور بے شک دل خوف کھاتا ہے اور اے ابراہیم رضی اللہ عنہ بے شک ہم تیرے لیے غمزدہ ہیں اور ہم صرف وہی کہیں جس سے ہمارا رب راضی رہے۔ ماریہ اپنے بیٹے کے غم میں چیخنے چلانے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس طریقے سے منع کردیا۔

آپ ﷺ اپنے ننھے بیٹے کے ٹھنڈے لاشے کی طرف متوجہ ہوئے جو کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ (مرنا) سچا فیصلہ نہ ہوتا اور سچا وعدہ نہ ہوتا اور ہمارے آخر میں آنے والے پہلوں سے نہ ملنا ہوتا تو اے ابراہیم! ہم تجھ پر اس سے زیادہ شدید طریقے سے اپنے غم کا اظہار کرتے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ صدمہ رسول اللہ ﷺ کے دل پر حاوی نہ ہوجائے۔ وہ آپ ﷺ کو بہلانے لگے۔ نبی ﷺ اپنے جاں نثار صحابی رضی اللہ عنہ

کا مقصد سمجھ گئے اور فرمایا: میں نے اظہار غم سے نہیں روکا لیکن میں نے چلانے اور واویلا کرنے سے روکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے جگر گوشے کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا اور ہم حزن و ملال میں ڈوب کر اپنے بیٹے کو مٹی میں دفن کیا۔ اپنے دست مقدس سے اس کی قبر کو برابر کیا پھر اس پر پانی چھڑکا اور اس پر ایک خصوصی نشان رکھا اور فرمایا: بے شک یہ نشانی نہ نقصان دے گی اور نہ فائدہ پہنچائے گی۔ لیکن اسے دیکھ کر زندوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور بے شک بندہ جب کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اسے پختگی عطا کرے۔

آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف لوٹ رہے تھے اور اولاد نرینہ کے حصول کے بارے میں آپ ﷺ کی امید منقطع ہو چکی تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ کی یہی تقدیر تھی اور اس میں کوئی ان دیکھی حکمت پوشیدہ تھی۔

④ اس بات کو مدت ہوئی جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور محمد ﷺ میں باپ بیٹے کا تعلق پیدا ہوا۔

مکہ مکرمہ میں کئی سال پہلے جب محمد بن عبداللہ نے خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اس وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نوعمری میں تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو عکاظ کے میلے سے خریدا تھا۔ اس نے اپنی فراست سے اس بچے کے چہرے سے عظمت و لطافت کے آثار پڑھ لیے اور اسے اس کی پیشانی میں چھپی بھلائی دیکھنے میں دیر نہ لگی۔ اس فہم و دانش کی مالکہ پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ اس لڑکے کی غلامی کے پیچھے بہت بڑا واقعہ پوشیدہ ہے جو غلامی سے بہت آگے ہے۔ اسے اس کے روشن مستقبل کی امید بندھ گئی۔ اسے یقین ہو گیا یہ لڑکا مستقبل قریب میں لوگوں کی صف اول میں کھڑا ہو گا۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا

کی شادی محمد بن عبداللہ ﷺ سے ہوگئی۔تو اس نے اپنا یہ غلام اپنے ہونے والے سرتاج کو ہبہ کردیا۔

محمد ﷺ نے اس کے ساتھ اپنے دل کی گہرائیوں سے محبت کی اور اس کے ساتھ مشفقانہ تعلق قائم کرلیا۔اسی طرح غلام بھی اپنے مالک کے ساتھ پورے خلوص و وفا کا اظہار کرنے لگا۔

زید رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آٹھویں سال میں تھا۔ جب اس کی والدہ اسے لے کر اس کے ننھیال کی طرف عازم سفر ہوئی۔ جب قافلہ دوران سفر رستے میں ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے قافلہ لوٹ لیا اور اس نوعمر لڑکے کو اس کی روتی چیختی بوڑھی اور کمزور ماں سے چھین لیا، انہیں ممتا کی آہ و بکا اور فریاد پر ذرا ترس نہ آیا، وہ ڈاکو اسے مکہ لائے اور بیچ دیا۔اللہ تعالیٰ نے زید رضی اللہ عنہ کی بھلائی کا ارادہ کیا تو وہ اس شریف گھرانے میں پہنچ گیا۔لیکن وہ اپنے والدین کی یاد میں تڑپتا تھا اور ان کی جدائی کے غم میں وقت بے وقت روتا رہتا تھا۔

بالآخر دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مالک کے کریمانہ سلوک نے اسے قرار و اطمینان مہیا کردیا اور اس نے اپنے کربناک ماضی کو بھلا دیا۔

ایک روز ایسے ہوا کہ صحراء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں دو مسافر داخل ہوئے ،ان دونوں کے چہروں سے دانشمندی اور تجربہ کاری جھلکتی تھی۔ وہ دونوں محمد بن عبداللہ کا گھر تلاش کررہے تھے۔مکہ کے ہر آدمی نے ان کو محمد ﷺ کے گھر پہنچا دیا اور جب وہ دونوں مطلوبہ گھر تک پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنے اپنے خیال میں آمدہ لمحات کے تانے بانے بن رہے تھے۔ان کی پلکیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں اور طویل مدت کا غم انہیں امید دلا رہا تھا کہ اس شریف و کریم گھرانے کا مالک انہیں رسوا نہیں کرے گا،شرف وعزت جس گھر کا امتیاز ہے۔

جب ان دونوں نے محمد بن عبداللہ ﷺ سے اس کے گھر میں داخل ہونے کی

اجازت طلب کی وہ گڑگڑا رہے تھے،ان دونوں نے گھر کے مالک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اے عبدالمطلب ! کے بیٹے اے ہاشم کے بیٹے،اے اپنی قوم کے سردار کے بیٹے! تم اللہ تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے اوراس کے پڑوسی ہو۔تم فقراء کو کھانا کھلاتے ہو۔ قیدیوں کو آزادی دلاتے ہو۔ہم تمہارے پاس اپنے بیٹے کے لیے آئے ہیں،آپ ہم پر احسان کریں اور اس کے تاوان میں ہم سے رعایت کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا اور ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں۔

جناب محمد بن عبداللہ ﷺ نے ان دونوں کی طرف اطمینان و وقار سے دیکھا اور ان دونوں کی دانش مندی کو سراہا پھران سے کہا: آپ کس کی بات کررہے ہیں؟

ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ہماری مراد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہے، میں اس کا باپ ہوں اور یہ اس کا چچا ہے۔

محمد بن عبداللہ ﷺ یہ سن کر طویل لمحات تک خاموش ہوگئے۔آنجناب زید رضی اللہ عنہ کو اپنے آپ سے جدا بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ بات بھی آپ کو قطعی ناپسند تھی کہ باپ کو بیٹے کے ذریعے دکھ پہنچایا جائے۔دونوں آدمیوں کی نگاہیں محمد بن عبداللہ ﷺ پر مرکوز تھیں۔ وہ دکھ اور امید بھری نگاہوں سے جواب کا انتظار کررہے تھے۔

زیادہ دیر انہیں انتظار نہ کرنا پڑا۔ جناب محمد ﷺ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کیا اس کے علاوہ بھی تمہاری کوئی خواہش ہے؟

وہ دونوں ہکا بکا رہ گئے۔اس کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے اور ہمارے سوال کی اور کیا تفسیر ہوسکتی ہے؟

”زیادہ تاوان یا احسان۔“

ان دونوں نے رحم طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا: آپ ﷺ کا کیا مطلب

ہے؟

محمد بن عبداللہ ﷺ نے پورے اعتماد اور یقین سے کہا: تم زید کو بلاؤ اور اسے اختیار دو، اگر وہ تمہارا ساتھ اختیار کرے تو وہ تمہارا ہوگا اور اگر وہ مجھے پسند کرے تو اللہ کی قسم! میں اس شخص کے مقابلے میں کچھ اور قطعاً پسند نہیں کرتا جو مجھے پسند کرے۔ دونوں آدمیوں نے پورے اطمینان سے کہا اور ان کے دلوں سے خوف جاتا رہا۔ انہیں ذرہ بھر شک نہ ہوا کہ ان کا بیٹا عنقریب انہیں ملنے والا ہے۔

اے عبدالمطلب کے بیٹے! آپ نے مکمل انصاف کیا اور ہمارے اوپر احسان کیا۔ اللہ کی قسم! جب سے ہم یہاں آئے ہیں، ہم نے آپ ﷺ سے بڑھ کر اچھا کوئی نہ دیکھا۔

محمد بن عبداللہ ﷺ نے دونوں مہمانوں کی خوب خاطر مدارت کی اور بھرپور انداز سے ان کی ضیافت کی اور وہ دونوں شدت سے زید رضی اللہ عنہ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ طویل انتظار کے بعد ان کو دلی سکون میسر آیا اور گزرے ہوئے زمانے کی جگر پھاڑ دینے والی مشقت اور مصیبت ان کو زائل ہوتے ہوئے محسوس ہوئی۔ کچھ ہی دیر بعد زید رضی اللہ عنہ آ گیا۔ ان دونوں نے اسے ایسے ہی پایا جیسا وہ چاہتے تھے۔ نہایت تنومند، توانا جسم کا مالک نکلتا ہوا اور بے فکرا چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس پر سعادت مندی کی علامات دیکھی جا سکتی تھیں۔ اس نے آتے ہی نہایت مؤدبانہ انداز میں اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

جب اس نے اپنے باپ اور چچا کو پہچان لیا تو خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے اپنی گردن ان کی گردنوں سے ملا دی۔ دونوں جانب سے آنسوؤں کی لڑیاں رواں تھیں۔

آہ و بکا سے ایک سماں بندھ گیا تھا۔ ان لمحات نے دلوں کو آزردہ کر دیا تھا اور ماحول نہایت جذباتی ہو گیا تھا۔ جونہی جذبات قابو میں آئے۔ دھڑکتے دلوں کو سکون میسر آیا تو

محمد بن عبداللہ ﷺ زید رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے کہا:

اے زید رضی اللہ عنہ یہ دیکھو تیرا باپ اور چچا تجھے لینے کے لیے آئے ہیں اور مجھے تو تو جانتا ہی ہے اور تو نے میرے ساتھ رہ کر مجھے اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ لہٰذا تو مجھے یا انہیں اختیار کر لے۔

زید رضی اللہ عنہ کے لیے یہ موقعہ نہایت حساس، اہم اور مشکل تھا۔ لوگوں کو چپ لگ گئی تھی۔ سب کی نظریں زید رضی اللہ عنہ پر لگی ہوئی تھیں جو مسلسل خاموش تھا۔ وہ سب اس چیز کا انتظار کر رہے تھے کہ اس نوجوان کا مؤقف کب سامنے آتا ہے۔ باپ اور چچا کو زید رضی اللہ عنہ کی طویل خاموشی شک میں ڈال رہی تھی لیکن وہ یہ گمان کرتے تھے کہ زید رضی اللہ عنہ ان دونوں کو اختیار کرنے میں ذرا بھی تردد نہ کرے گا۔ جب ان دونوں کا انتظار طویل ہو گیا تو ان دونوں کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے اور اس وقت تو ان دونوں کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب زید رضی اللہ عنہ نے محمد ﷺ کی طرف اپنا رخ کیا اور نہایت واضح لہجے اور کھلے الفاظ میں کہا:

''میں وہ شخص نہیں ہوں جو آپ پر کسی اور کو اختیار کروں گا۔ آپ ﷺ میرے باپ اور چچا کے قائم مقام ہیں۔''

یہ سن کر زید رضی اللہ عنہ کا باپ اور چچا دم بخود رہ گئے، انہیں اپنی سماعت پر یقین نہ آیا اور حیرانگی کے عالم میں بولے، زید رضی اللہ عنہ تجھ پر افسوس ہے کیا تو نے آزادی کے بجائے غلامی کو اختیار کر لیا ہے۔ بلکہ اپنے باپ اور گھر والوں کے مقابلہ میں غیروں کو منتخب کر لیا؟

زید رضی اللہ عنہ نے پورے اعتماد سے کہا: جی ہاں! اللہ کی قسم! مجھے اس شخص ایسی چیز نظر آ رہی ہے کہ میں اس کے مقابلہ میں کبھی بھی کسی اور کو اختیار نہیں کروں گا۔

اس واضح موقف پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لیے محمد بن عبداللہ ﷺ سب حاضرین مجلس کو لے کر کعبۃ اللہ میں ''مقام ابراہیم'' کے پاس آئے کیونکہ وہ مقام سب عربوں کے نزدیک معزز ترین ہے۔ محمد ﷺ نے وہاں بلند آواز سے اعلان کیا۔ اے

حاضرین مجلس! تم سب گواہ رہو کہ زید میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث بنے گا اور میں اس کا وارث بنوں گا۔ ان دونوں آدمیوں کی وحشت ناکی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ ان دونوں نے اپنے دل میں کہا: آج کے دن کی طرح ہم نے اتنا عجیب وغریب منظر کبھی نہ دیکھا۔ آج کیا ہم خواب دیکھ رہے ہیں یا حالت بیداری میں ہیں۔ انہیں یقین ہوگیا کہ ضرور ان کے بیٹے کا کوئی خاص معاملہ اور اس کی کوئی خاص شان ہے۔ کیونکہ آج اسے شرف عظیم عطا ہوا۔ وہ دونوں دل سے راضی ہوگئے اور ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ اپنے وطن کو لوٹ گئے اور وہ اپنے ساتھ ایسا قصبہ بھی لے کر گئے جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں آخر زمانے تک کے لیے محفوظ کرلیا۔ جناب محمد ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں زید رضی اللہ عنہ کے دن پلٹ آئے اور جب سے اسے زید بن محمد ﷺ کہا جانے لگا، اس کی شان بلند ہوگئی۔

جونہی رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ زید رضی اللہ عنہ نے اس پر ایمان لانے میں جلدی کی۔ یہ دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں کو بھی ٹھنڈک حاصل ہوئی اور جیسا کہ ہم پہلے مختصر اشارہ کرکے آئے ہیں۔ محمد ﷺ نے ان کی شادی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کرکے انہیں اپنے برابر کرنے کا اعلان کردیا لیکن یہ شادی تادیر قائم نہ رہ سکی اور وہ بہت جلد ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کسی کو منہ بولا بیٹا بنانے کی رسم کو باطل قرار دیا جائے جو زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [الاحزاب: 5]

"تم انہیں ان کے باپوں سے پکارو یہ اللہ کے ہاں زیادہ عادلانہ ہے۔ اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور غلام ہیں اور تم جو

خطا کرو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں لیکن جو تم اپنے دلوں سے جان بوجھ کر کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی نازل ہوا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴾ [الاحزاب:40]

"محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے۔"

ان آیات کے نزول کے بعد سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ﷺ کی بجائے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔

تاہم رسول اللہ ﷺ ان کو اہم معاملات و مہمات میں سب سے آگے رکھتے۔ آپ ﷺ جب بھی کوئی جہادی جماعت بھیجتے اور اس میں یہ بھی ہوتے تو آپ ﷺ ان کو ہی اس کا امیر بناتے۔

آپ ﷺ نے ان کے اور اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے درمیان مواخات قائم کی۔ آپ ﷺ نے ان کی شادی اپنی پرورش کنندہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بطن سے ایک بیٹا عطا کیا۔ جس کا نام انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رکھا جو بعد میں رسول اللہ ﷺ کا محبوب ٹھہرا۔ نبی اکرم ﷺ زید رضی اللہ عنہ کا خصوصی اہتمام کرتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زید رضی اللہ عنہ ایک غزوہ سے فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی اکرم ﷺ اتنی جلدی سے کھڑے ہوئے اور اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے دروازے پر گئے۔ زید رضی اللہ عنہ سے معانقہ کیا اور اس کی پیشانی چوم لی۔[ترمذی:۲۷۳۲]

نبی اکرم ﷺ کو زید رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اتنا ہی صدمہ پہنچا جتنا صدمہ اس سے پہلے

آپ ﷺ کو آپ کی نرینہ اولاد کی وفات سے پہنچا۔ جب زید رضی اللہ عنہ غزوہ مؤتہ میں شہید ہوئے تو نبی اکرم ﷺ کے دل کے زخموں میں ایک اور زخم کا اضافہ ہوگیا۔

آپ ﷺ اپنی بیٹیوں کے ساتھ

اگر رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا تو آپ ﷺ کی زندگی میں ہی آپ کی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر سب بیٹیوں کی وفات نے آپ ﷺ کو انتہائی شدید دھچکا لگایا جس سے آپ ﷺ کا دل کرچی کرچی ہوگیا۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل ترتیب سے چار بیٹیاں عطا فرمائیں۔

① زینب ۔② رقیہ۔③ ام کلثوم۔④ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہن۔

رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے مختصر حالات زندگی

محمد بن عبداللہ ﷺ کے چچا ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے لیے آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگ رکھا تھا۔ جب بیٹیوں کی رخصتی کے لمحات قریب آ گئے تو اسی وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوگیا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو نئے دین کی طرف دعوت دینا شروع کی۔ ابولہب نے اس دعوت سے انکار کیا اور عناد کا شکار ہوگیا۔ اسی طرح اس کی بیوی ام جمیل نے بھی دعوت دین کو قبول کرنے سے انکار کیا اور وہ بھی عناد میں مبتلا ہوگئی۔ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ لہب نازل فرمائی:

﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَٱمْرَأَتُهُۥ حَمَّالَةَ ٱلْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍۭ ﴾

"ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ (خود) ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کے

کام اس کا مال آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا۔ عنقریب وہ شعلے والی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی (بھی آگ میں داخل ہوگی) جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔''

ابولہب اور اس کی بیوی نے تکبر کیا اور اپنے دونوں بیٹوں کو مشورہ دیا کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں سے جدا ہو جائیں۔ ابولہب نے کہا جب تم دونوں محمد ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو جدا نہ کرو گے میرا سر تم دونوں کے سروں پر حرام ہے۔

یہ صدمہ دونوں نوخیز کلیوں کے لیے بہت بھاری تھا لیکن نبوی گھرانہ صبر کا گھرانہ تھا اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور اللہ کے حکم اور فیصلے پر راضی رہنے والا گھرانہ تھا۔ بہت جلد ہی اس گھر کے باسیوں کے دلوں سے یہ پریشانی ختم ہوگئی اور معمول کے مطابق زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں ہوگئی۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا۔ دونوں میاں بیوی نے قریش کی ایذاؤں پر اسلام کی خاطر صبر کیا۔ بالآخر رقیہ رضی اللہ عنہا نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت حبشہ کی اور دونوں نے پردیس میں مشکل ترین حالات میں دن گزارے۔

وہاں حبشہ میں ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا عطا کیا۔ جس کا نام والدین نے عبداللہ رکھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابھی چھٹے سال میں ہی تھا اور اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ وہاں ایک شریر مرغ پھر رہا تھا۔ اس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور اس کی آنکھ پر زور سے اپنی چونچ ماری جس سے اس کے چہرے پر ورم آ گیا۔ پھر بیمار ہوا اور فوت ہوگیا۔

رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ مکہ واپس آ گئی۔ پھر دونوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی وہاں انہوں نے اسلامی مملکت کی بنیادیں پڑتے ہوئے دیکھیں۔ دن پر دن

گزرتے گئے، متعدد چھوٹے بڑے واقعات پیش آئے، پھر جس دن مسلمان مجاہدین انصار و مہاجرین مشرکین مکہ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے میدان بدر کی طرف روانہ ہوئے تو رقیہ رضی اللہ عنہا کو اچانک مرض نے آ دبوچا۔ وہ بستر سے لگ گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ مریضہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی ہے۔ اسے خاص اہتمام کی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مریضہ کے پاس رہنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ اس کی دیکھ بھال کریں۔ عثمان رضی اللہ عنہ دو مہمات کے درمیان لٹک گئے۔ انہیں رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی پریشانی بھی تھی اور بدر میں قریش کا سامنا کرنے والے مسلمانوں کی فکر بھی تھی جہاں قریش کو عددی اور مادی برتری حاصل تھی اور جہاں مسلمان تعداد میں انتہائی کم تھے، اسلحہ بھی ان کے پاس برائے نام تھا اور سواری کے لیے گھوڑے اور اونٹ بھی مناسب تعداد میں نہیں تھے۔

رقیہ رضی اللہ عنہا کی حالت پہلے سے بھی زیادہ دگرگوں ہوگئی۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی گود میں رقیہ رضی اللہ عنہا کی روح طاہر پھڑ پھڑا رہی تھی تو اس وقت بدر میں مسلمان کامیابی کے پھریرے لہراتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف خوشی میں نہاں چلے آ رہے تھے۔

نبی مکرم ﷺ کی فتح معرکہ کی خوشی بھی مکمل نہیں ہوئی کہ آپ ﷺ واپس آ کر اپنے داماد عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تعزیت کے لیے تشریف لے گئے اور اپنی محبوب بیٹی کی فوتگی کے دکھ میں ان کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حصہ نکالا کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنی مرضی سے جنگ سے پیچھے نہیں رہے بلکہ اطاعت رسول اللہ ﷺ میں وہ میدان قتال میں نہ گئے اور اپنی بیوی کی عیادت کے لیے مدینہ میں رہنا گوارا کر لیا۔

نیز آپ ﷺ کی جانب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ حوصلہ افزائی بھی تھی اور یہ اس بات کا اشارہ بھی تھا، گویا عثمان رضی اللہ عنہ معرکہ میں شریک تھے۔ اہالیان مدینہ جنگی قیدیوں،

معرکہ کے نتائج اور مال غنیمت کی تقسیم کے ساتھ مصروف ہوگئے۔ نیز طویل تھکاوٹ اور مشقت کے بعد راحت کے کچھ لمحات انہیں میسر آ گئے جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ بیتے ایام کی تلخیوں اور فرحتوں کو یاد کر کر کے اپنا غم غلط کرنے میں لگ گئے۔ بالآخر جب وہ کچھ پرسکون ہوئے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس غزوۂ احد کے بعد آئے اور اپنی بیٹی حفصہ کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کش کی۔ انہوں نے کچھ سختی کے ساتھ انکار کردیا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو صاف بتادیا کہ وہ شادی کے متعلق بالکل نہیں سوچتے۔ گویا وہ انہیں ان کی پیشکش کو نامناسب کہہ کر ملامت کرنا چاہتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ان کے ہاں فوت ہوئی تو کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس مقام پر رکھے۔ بھلا اس مقام کے لائق کسی اور کی بیٹی کیسے ہوسکتی ہے؟

رسول اللہ ﷺ کو عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت کا علم ہوا اور جب ان کا پختہ عزم دیکھا تو آپ ﷺ کو ان پر رحم آ گیا اور پوچھا عثمان کیا بات ہے، میں تجھے پریشان اور غمگین دیکھتا ہوں؟

عثمان رضی اللہ عنہ نے یاس بھرے لہجے میں کہا: کیا جو مصیبت مجھ پر ٹوٹی ہے وہ کسی اور پر بھی ٹوٹی ہے؟ آپ ﷺ کی بیٹی فوت ہوچکی ہے۔ میری کمر ٹوٹ گئی اور میرے اور آپ ﷺ کے درمیان سسرالی تعلق ٹوٹ گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی کا نکاح بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کردیا اور جو مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کا مقرر ہوا، اتنا ہی اس کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا بھی مقرر ہوا اور دوسری بیوی کے بھی وہی حقوق مقرر ہوئے جو پہلی بیوی کے تھے۔

عثمان رضی اللہ عنہ خوش ہوگئے اور ان کی طبیعت بحال ہوگئی۔ خاص کر جب سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی انس و محبت اور رونق و تر و تازگی سے بھردی اور اسی دوسری شادی کے بعد ہی آپ کو ذوالنورین کا لقب ملا۔ جب تک دنیا باقی رہے گی دنیا والے

اس لقب کو یاد کرتے رہیں گے۔

عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کی رونقیں لوٹ آئیں۔وہ رسول اللہ ﷺ کے بہت ہی اچھے داماد ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کے ذریعے ان کو وسیع رزق دیا جو انہوں نے زیادہ تر مسلمانوں کے فائدے اور بھلائی میں خرچ کر دیا۔ خصوصاً جب کوئی سخت وقت آتا تو عثمان رضی اللہ عنہ بے تحاشا صدقہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تن تنہا غزوۂ تبوک میں مسلمان فوجیوں کو پورے ساز و سامان کے ساتھ تیار کیا۔ جسے ''جیش عسرت'' یعنی تنگی کے زمانے کا لشکر کہا جاتا ہے۔ جس نے نبی اکرم ﷺ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر تعریف کی اور فرمایا: عثمان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، آج کے بعد وہ جو کام بھی کرے گا۔

اگر عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی دوسری بیٹی کے ساتھ پر رونق زندگی مختصر عرصہ تک گزاری تو پہلی بیٹی کی الم انگیز موت کی طرح آپ کی دوسری بیٹی کی موت کا وقت بھی جلد ہی آ گیا ۹ھ ابھی شروع نہیں ہوا کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ نبی اکرم ﷺ کو اپنے جگر گوشہ کی وفات سے دکھ تو ہوا لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت زار پر آپ ﷺ کو اسی طرح دکھ ہوا جس طرح آپ ﷺ کو اپنی پہلی بیٹی کی وفات سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پریشانی پر دکھ ہوا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں ضرور اس کی شادی بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

جہاں تک رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی چاروں بیٹیوں سے بڑی تھی اور شاید اسی لیے ان کی زندگی میں نشیب و فراز بھی سب سے زیادہ آئے۔ اس کے باپ نے ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ اس کی شادی

کی ۔ وہ بہت ہی اچھا داماد تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے ٹوٹ کر محبت کی اور اسے وہی مقام و منزلت دی جس کی وہ مستحق تھی۔ ویسے ہی ابوالعاص رضی اللہ عنہ بذات خود قدر و منزلت کا مالک تھا اور اسی طرح وہ شریف النسب بھی تھا۔

جب وحی کی ابتدا ہوئی تو زینب رضی اللہ عنہا نئے دین پر ایمان لے آئی۔ ابوالعاص نے اس معاملہ میں اس سے کوئی جھگڑا وغیرہ نہ کیا اور نہ ہی دشمنی والا موقف اپنایا، جیسا کہ عتبہ اور عتیبہ نے کیا جو ابولہب کے بیٹے تھے اور زینب رضی اللہ عنہا کی دونوں بہنیں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما ان سے منسوب ہو چکی تھیں۔

اگرچہ ابوالعاص اپنے شرک پر جا رہا تھا اور دین حنیف کے ساتھ اسے عناد بھی رہا لیکن وہ اپنی بیوی اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا سے محبت پر بھی قائم رہا۔ ہمیشہ اس کے ساتھ وہ احسان والا معاملہ ہی کرتا۔ اسی طرح زینب رضی اللہ عنہا لانے کے باوجود اپنے خاوند کے ساتھ محبت اور وارفتگی پر قائم رہی۔ وہ ہمیشہ اللہ سے دعا گو رہی کہ وہ اس کے خاوند کا بھی اسلام کے لیے سینہ کھول دے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے والد کے ساتھ جانے پر قادر نہ ہو سکی۔ بلکہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی اپنے خاوند ابوالعاص کی خدمت پر کمر بستہ ہو گئی اور اس کے گھر کو بنانے سنوارنے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی جبکہ ابوالعاص بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وہی خدمت بجالاتا جس کی وہ مستحق تھی۔

جب جنگ بدر برپا ہوئی تو ابوالعاص بھی اپنی قوم کے نوجوانوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے چل پڑا۔ وہ بھی اسلام کے خاتمے کی نوید سننے اور متکبرین کے ساتھ متکبر بن کر بدر کی طرف جنگجوؤں میں شامل ہو گیا۔

تاہم زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں ہی رہی۔ ایک طرف اس کا خاوند اور اس کی قوم تھی جبکہ

دوسری طرف اس کا باپ اور اس کے مددگار و جاں نثار تھے اور وہ سب دین اسلام کی حفاظت کے لیے پر عزم تھے۔

اس خاتون جیسا اس وقت کسی کا موقف نہ تھا اور نہ ہی اس جیسی کسی کے دل میں پریشانی تھی۔ بہر حال تقدیر کو اس عورت کی کمزوری اور بے بسی پر رحم آ گیا۔ اس کو دلی سکون اور نفسیاتی راحت مل گئی۔ چونکہ مسلمان کامیاب ہو گئے اور جہاں مسلمانوں نے مشرکین کے ستر سورمے قیدی بنائے، ابوالعاص بھی ان میں سے ایک تھا۔ وہ قیدیوں میں آ گیا لیکن معرکے میں اسے کوئی جسمانی یا جانی نقصان نہیں ہوا۔

پھر جب مشرکین مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے تاوان روانہ کیے تو زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے خاوند کو چھڑانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ البتہ وہ قیمتی اور نفیس جڑاؤ ہار اس کے پاس تھا جو شادی کے وقت اس کی والدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسے تحفہ میں دیا تھا۔ وہ ہار اگرچہ نادر و نایاب تھا لیکن اس وفا والی بیوی کی نظروں کے سامنے اس کے خاوند کے مقابلے میں اس ہار کی کوئی قیمت نہ تھی، سو اس نے وہی ہار تاوان میں بھیج دیا۔ جس دن ابوالعاص کے اقرباء وہ ہار لے کر مدینہ منورہ آئے اور جونہی رسول اللہ ﷺ کی نظر اس ہار پر پڑی۔ آپ ﷺ کو بیتے دنوں کی یاد نے آ لیا۔ یہ ہار تو ان کی جاں نثار بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا، پھر ان کی پیاری بیٹی کو وہ تحفے میں مل گیا۔

رسول اللہ ﷺ کا نرم خو دل دھڑکنے لگا، پھر آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک پھوٹ پڑے، سارا ماحول سوگوار ہو گیا۔

نبی مکرم ﷺ جہاں یہ نہ چاہتے تھے کہ اپنی باوفا بیٹی کا دل توڑیں وہاں یہ بھی آپ ﷺ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ مجاہدین سے ان کا مال غنیمت زبردستی سلب کر لیا جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے خلق کریم کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت لطیف و بلیغ اور انوکھے

انداز میں مجاہدین مدینہ سے یہ درخواست کی۔ اگر تم چاہو تو میری بیٹی کو اس کا قیدی اور اس کا ہار واپس کر دو۔ چنانچہ ابوالعاص اپنی بیوی کے پاس ہار سمیت صحیح وسالم پہنچ گیا لیکن وہ احسان جو اس کے گلے کا ہار بن گیا وہ قیمتی ہاروں اور جانوں سے ہزاروں گنا قیمتی ہے۔

لہٰذا ابوالعاص کی نگاہوں میں اپنی بیوی کی قدر ومنزلت اور بڑھ گئی۔

اس واقعہ کے بعد زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں ابوالعاص کے پاس زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف قاصد بھیج کر اسے اپنے پاس بلالیا کیونکہ قرآن کریم نازل ہو چکا تھا جس میں مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان نکاح حرام ہونے کا بیان تھا۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے جب ابوالعاص کو آزاد کیا تو اس سے عہد لیا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے پاس بھیج دے گا۔

مدینہ منورہ کے راستے میں کسی ظالم درندے نے زینب رضی اللہ عنہا کو خوفزدہ کیا جبکہ وہ حاملہ تھیں تو وہ ڈر کے مارے اپنے اونٹ سے گر پڑیں اور ان کا حمل ضائع ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ خود بھی داعی اجل کو لبیک کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غیبی مدد کی جنہوں نے اسے ظالم سے چھڑایا اور اس کی جان بچائی اور وہ مدینہ منورہ بڑی ہی مشقتوں اور کلفتوں کے بعد پہنچ سکی۔ اس نے دوران سفر سخت ترین تکلیفیں جھیلیں۔

ادھر مکہ مکرمہ میں ابوالعاص کے دل میں زینب رضی اللہ عنہا کی محبت بیدار رہی۔ وہ لحظہ بھر بھی اس کے دل کے نہاں خانے سے غائب نہ ہوئی۔ وہ اس کے لیے تڑپتا واویلا کرتا اور اسا سی طرف جانے کا شوق رکھتا اور حالات کی آسودگی کا انتظار کرتا۔

پھر وہ تجارت میں مشغول ہو گیا۔ تجارت ہی پر اس کی گزر بسر تھی۔ سب قریش مکہ اس پر اعتماد کرتے تھے۔ وہ اپنا سامان تجارت دے کر اسے کاروبار کے لیے بھیجتے، اس کو نفع حاصل ہوتا اور اہل مکہ پر نفع تقسیم کر دیتا۔

جب شام کو جانے والے قافلے کا وقت مقررہ آیا۔ ابوالعاص قافلے میں شامل ہو گیا

اور اہل مکہ کے کچھ دیگر تاجر بھی اس قافلے کے ساتھ چل دیے۔انہوں نے شام کی مشہور منڈیوں جیسے بصریٰ وغیرہ میں اپنا سامان فروخت کیا اور جب وہاں سے مکہ کے لیے واپس ہونے لگے تو یہ قافلہ مسلمانوں کی ایک جہادی پارٹی کے ہتھے چڑھ گیا۔انہوں نے ان کا سارا سامان ضبط کرلیا اور قافلہ کے سرغنہ ابوالعاص کو گرفتار کرنا چاہا لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ ابوالعاص کے لیے دنیا تنگ ہوئی۔ وہ بیابان میں چل رہا تھا اور اپنے آپ سے باتیں کررہا تھا۔ وہ اکیلا اور خوفزدہ تھا۔وہ سوچتا جارہا تھا کہ مکہ میں وہ کیا منہ لے کر جائے گا اور جن لوگوں کا مال وہ لایا تھا ان کو کیا جواب دے گا۔اس نے کافی سوچ بچار کی پھر اس نے ذہانت سے لبریز ایک عزم کرلیا۔ جب وہ بذات خود نادم ہوگیا تو اسے اور کسی کی پروانہ رہی۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ میں رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھارہے تھے اور مسلمان آپ ﷺ کے پیچھے قرآن کی سماعت کررہے تھے اور اپنے رب کے حضور خشوع وخضوع سے گڑگڑا رہے تھے اور اس سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دنیا وآخرت کی بھلائیاں مانگ رہے تھے۔ اسی ثناء میں انہوں نے اچانک ایک عورت کی آواز سنی۔جو نماز کے دوران زور سے اعلان کررہی تھی۔"بے شک میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی"۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے پھرے تو دہشت زدہ لہجے میں مقتدیوں سے پوچھا کیا تم نے بھی وہ الفاظ سنے ہیں جو میں نے سنے ہیں؟

انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔آپ ﷺ نے وضاحت کی جو کچھ ہوا مجھے اس سے پہلے کچھ علم نہ تھا...... اور بے شک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔پھر آپ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ تجھ تک نہ پہنچ پائے کیونکہ تو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو پورے واقعہ کا اسی وقت علم ہوا جب سب مسلمانوں کو علم ہوا۔

آپ ﷺ کو علم ہوا کہ ابوالعاص خوفزدہ ہو کر آیا اور زینب رضی اللہ عنہا سے پناہ طلب کی۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیٹی پر ترس آ گیا۔ صرف اسی لیے نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی بیٹی ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اس نے اپنے دل میں کتنے عذاب جھیلے اور اس نے اپنے دل میں کتنی امیدیں بسا رکھی ہوں گی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کو ابوالعاص کی ہدایت کی قوی امید تھی۔

چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ ابوالعاص کے لیے خصوصی دعا کیا کرتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ سب مشرکین کی ہدایت کے لیے دعا کیا کرتے۔ آپ ﷺ کو اسے ہدایت ملنے کی بھی آرزو تھی۔ جب مسلمانوں کو علم ہوا کہ زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے تو انہیں قصے کی تمام جزئیات کا علم ہوا۔ سب مسلمانوں نے خانہ نبوت کا احترام کیا۔ ان سب نے نبی اکرم ﷺ کی اپنی بیٹی پر شفقت کا ملاحظہ کر لیا تھا تو مجاہدین کے جس گروہ نے یہ قافلہ پکڑا تھا اور اس کا سامان ضبط کیا تھا وہ سب سامان اسے لوٹا دیا، خواہ کوئی چھوٹی چیز تھی یا بڑی، کچھ بھی کم نہ تھا اور اسے وہاں تک پہنچا آئے جہاں اس کی جان اور اس کے مال کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

ابوالعاص مکہ مکرمہ میں حیران و پریشان ہو کر آیا۔ وہ طویل غور و خوض کے بعد اپنے متعلق اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو کچھ اس کے ساتھ کیا گیا، اس میں اس کے ساتھ کہیں دشمنی کا شائبہ تک نظر نہ آیا اور یہ کہ مسلمان اس کا مال نہیں لینا چاہتے تھے۔ حالانکہ جب انہوں نے مکہ سے ہجرت کی تو وہاں بہت زیادہ اموال چھوڑ گئے۔ وہ جب وہاں سے نکلے تو اپنے گھر بار سب کچھ چھوڑ دیا اور مالدار ہونے کے باوجود فقیر و محتاج بن گئے یہ سب کچھ انہوں نے اللہ کے دین کی خاطر برداشت کیا اور آج وہی لوگ اعلیٰ شان و شوکت اور بلند منزلت و مرتبت والے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عزت حاصل کر لی اور معرکہ بدر سے شروع ہو کر اب تک وہ قریش کی عزت خاک میں ملا رہے ہیں اور ان

کی خرمستیوں کو تہس نہس کررہے ہیں۔ ہر اس اذیت کا بدلہ لے رہے ہیں جو انہوں نے برداشت کی تھی۔اب وہ دنیا پر ضرور غلبہ حاصل کریں گے۔ابوالعاص نے زینب رضی اللہ عنہا کی وسعت قلب کو یاد کیا اور رسول اللہ ﷺ کی رحمدلی پر نظر دوڑائی اور زینب رضی اللہ عنہا کے اکرام واحترام میں مسلمانوں کے موقف پر بھی وہ دنگ رہ گیا۔جس نے اس کی عزت واعتماد کو حوصلہ دیا۔

جونہی وہ مسجد حرام میں داخل ہوا اور کعبۃ اللہ پر نظر پڑی نورِ ایمان اس کے دل پر لشکارے مارنے لگا اور اس نے ایک نیا سچا عزم کیا لیکن اس دن کے عزم سے بہت اچھا یہ عزم تھا:جس دن مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس کے قافلے پر حملہ کرکے اس کا سامان ضبط کرلیا تھا اور قریب تھا کہ وہ مرچکا ہوتا۔آج کے دن وہ نئے سرے سے پیدا ہورہا تھا۔اہل مکہ نے پرجوش طریقہ سے اس کا استقبال کیا اور اس کی مبارک آمد اور کثیر منافع لانے پر خوشی کے گیت گائے۔جب وہ کثیر منافع لے چکے تو وہ اس کی حمد وثنا بیان کرنے لگے اور اس کی امانت،شرافت اور منزلت ومرتبت کے گن گانے لگے۔ جب انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو ابوالعاص نے بلند آواز سے انہیں مخاطب کیا کہ جس آواز میں اس کی عزت نفس اور لہجے کی صداقت نمایاں تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: اے قریش کی جماعت! کیا میں نے تمہارے حقوق ادا کردیے ہیں۔وہ کہنے لگے ہاں ہاں۔ تو ہمارا امانت دار بھائی ہے۔ بے شک تم نے ہماری امانت ادا کردی۔بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا۔ابوالعاص کہنے لگا:

''تم جان لو بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے ایمان کا اعلان پوری قوت اور شان وشوکت سے کریں اور کوئی کمزوری یا پستی نہ دکھائیں۔وہ چاہتے تھے کہ قریش پر ان کے

گھر میں حجت تمام کر دیں۔ سب سے پہلے ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے قریش کے حقوق ادا کیے۔ تاکہ وہ اس کی امانت پر طعنہ زنی نہ کریں اور اس کے بعد انہوں نے ببانگ دہل کلمۂ حق بلند کیا۔ اسی موقعہ پر ان کی قوم کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ وہ جو سن رہے ہیں کیا یہ حقیقت ہے؟

سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی نیت سے چل پڑے۔ اس کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کتنے خوش ہوں گے اور آپ ﷺ اسے زینب رضی اللہ عنہا لوٹا دیں گے تو اسے ایسے لگے گا گویا اس کی روح اس کو لوٹا دی گئی ہے اور اس کا ضمیر کھل اٹھے گا اور اس کا دل مطمئن ہو جائے گا۔ تاکہ وہ اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلوص دل کے ساتھ سچی محبت نئے سرے سے شروع کر سکے اور وہ دونوں رسول اعظم ﷺ کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر سکیں۔ یہاں تک آ کر سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے قصے پر پردے تان دیے جاتے ہیں یا جیسا کہ آج کل میڈیا والے کہتے ہیں ''اس کی فائل بند کر دی گئی'' اور نیک خاتمے پر اس کا قصہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ اپنے داماد ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے اور ابھی ۸ ھ ختم نہیں ہوا تھا کہ ان دونوں کو انتہائی الم انگیز صدمے سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ ان دونوں سے زینب رضی اللہ عنہا جدا ہو جاتی ہے۔ اس کو موت اچک لیتی ہے اور اپنے والد محترم رسول اللہ ﷺ کے سابقہ دکھوں میں ایک اور دکھ کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اپنے خاوند کے دل میں حسرتیں اور طویل یادداشتیں چھوڑ جاتی ہے جو کبھی ختم نہ ہوئیں۔

سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیتی ہوئی زندگی کے بعد جینے کی لذت حاصل نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ ہر وقت غمزدہ و پریشان رہنے لگتے ہیں۔ وہ اسی حالت میں زینب رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کرتے ہیں، وہ اس کی لحد میں اترتے ہیں، جب باہر نکلتے ہیں تو ان کے چہرے سے مسرت کی کرنیں پھوٹ رہی ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے زینب رضی اللہ عنہا اور اس کی کمزوری یاد آئی۔ تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ وہ ان سے قبر کی تنگی اور غم ہلکا کر دے تو اس نے ایسے ہی کیا اور ان پر عذاب قبر آسان ہو گیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بعد ابوالعاص رضی اللہ عنہ زیادہ دیر زندہ نہ رہے۔ شاید کہ ان کو بیوی کے غم نے منجمد کر دیا تو وہ اسی حالت میں شریفانہ وکریمانہ انداز سے اعلیٰ علیین میں ان سے جا ملے۔

اور زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی اولاد میں سے صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی محفوظ و مامون تھیں۔

سب اولاد رسول اللہ ﷺ کی سماعت و بصارت کے سامنے ہی راہیٔ ملک عدم ہو گئی۔ ایک پاکیزہ روح کے رخصت ہونے کے بعد دوسری پاکیزہ روح رخصت ہوتی گئی اور رسول اللہ ﷺ صبر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تقسیم کے ساتھ راضی رہے۔

آپ ﷺ فرماتے تھے مصیبتوں کے لحاظ سے سب سے عظیم لوگ انبیاء ہوتے ہیں پھر درجہ بدرجہ (ایمان دار) لوگ۔

فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا

سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کی آنکھ کا تارا تھی اور آپ ﷺ کو اپنی سب بیٹیوں سے زیادہ محبوب تھی۔ انہی کے متعلق نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ آپ ﷺ کی اسی بیٹی کے بطن سے آپ ﷺ کی نسل جاری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تعلق سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے بہت گہرا تھا۔ آپ ﷺ اپنے دل کی گہرائی سے اس کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ آپ ﷺ اس کی خواہشات کا احترام کرتے تھے اور اسے جو چیز ایذا دیتی تھی آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے تھے، بلکہ ایک بار آپ ﷺ نے اس بیٹی کے بارے میں فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ تیری ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے اور تیری رضامندی سے راضی ہوتا ہے۔''

جب آپ ﷺ اپنے کسی سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے آپ ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے اور آپ ﷺ اس کا سر اور پیشانی چومتے۔ بعض اوقات جب آپ ﷺ اپنے سفر سے واپس آتے تو آپ ﷺ کسی سے نہ ملتے۔ پہلے آپ ﷺ مسجد میں جاتے، وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے پھر سب سے پہلے اپنی بیٹی سے ملنے جاتے اور بہت پیار ومحبت کے ساتھ اسے ملتے اور اسے خوش دیکھ کر آپ ﷺ بھی مطمئن ہو جاتے۔ پھر آپ ﷺ اپنی بیویوں کے پاس جاتے۔

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس جاتیں تو آپ ﷺ اس کا استقبال کرتے، اس کا سر چومتے پیشانی کو چومتے۔ آپ ﷺ اسے خوش آمدید کہتے۔ آپ رضی اللہ عنہا اس کی تکریم کرتے اور اسے اپنی جگہ پر بٹھاتے، ان کی کنیت ''ام ابیہا'' تھی یعنی اپنے باپ کی ماں۔ [بخاری، ترمذی، ابوداؤد]

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بلوغت کی عمر کو پہنچی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کنیز نے انہیں کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی! آپ کو کیا مانع ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں کہ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ سے کر دیں؟

علی رضی اللہ عنہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اپنی حالت پر غور وفکر کیا اور ان کے پاس شادی کے لیے جو کچھ تھا، اس کے بارے میں سوچا جبکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قدر ومنزلت اس کے باپ کے حوالے سے معروف تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کنیز کی بات سن کر مبہوت ہو گئے اور اسے درد بھرے لہجے میں کہنے لگے:

''کیا میرے پاس کوئی چیز ہے جس کے بدلے میں شادی کروں؟''

لیکن وہ کنیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مسلسل امید دلاتی رہی اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس

جانے کے لیے زور لگاتی رہی۔تا آنکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔وہ سوچنے لگے کہ جس کام کے لیے آیا ہوں کس طریقہ سے منہ سے ادا کروں؟

وہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ہیبت و جلالت انہیں خاموش رہنے پر مجبور کردیتی۔انھوں نے کچھ کہنے کی پوری کوشش کی لیکن بات کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں مضطرب و پریشان دیکھا۔آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تم کیسے آئے ہو، کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ان کو بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

نبی مکرم ﷺ نے ان پر خصوصی شفقت فرمائی اور آپ ﷺ نے نبوی فراست سے پہچان لیا کہ اس مقام پر علی رضی اللہ عنہ کسی خاص بات کے سبب ہی بیٹھے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:''شاید تم فاطمہ کے نکاح کا پیغام دینا چاہتے ہو؟''

علی رضی اللہ عنہ کی مشکل حل ہوگئی۔وہ فوراً شرماتے لجاتے بول اٹھے:

جی ہاں یارسول اللہ! نبی اکرم ﷺ نے دوسرا سوال بھی خود ہی علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔کیا تیرے پاس اسے مہر دینے کے لیے کوئی چیز ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا:نہیں! یارسول اللہ! اللہ کی قسم! میرے پاس کچھ نہیں۔

اور جب نبی اکرم ﷺ ان سے یہ باتیں پوچھ رہے تھے تو ان کے خانگی اور معاشی حالات آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے۔لیکن آپ ﷺ ہم پلہ سے مخاطب تھے۔ایسے آدمی کو ٹکا سا جواب نہیں دیا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ چند لمحے سوچ بچار کی پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

تم نے اس زرہ کا کیا کیا جو میں نے تمھیں پہنائی تھی؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ میرے پاس ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اس کی

شادی تمہارے ساتھ کردی، تو وہ اسے دے دے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب نکاح کی خبر ملی تو وہ رو پڑی۔ نبی اکرم ﷺ ان کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے ان کی بھیگی پلکیں دیکھیں۔ آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کو فرمایا: ''اے فاطمہ! تو رو کیوں رہی ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کے سب سے بڑے عالم، سب سے زیادہ بردبار اور سب سے پہلے اسلام لانے والے کے ساتھ تیرا نکاح کیا ہے۔''

نہایت سادگی سے نکاح کے لوازمات مکمل کیے گئے۔ مہر کی مقدار چار سو درہم سے کم تھی۔ اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مشفق باپ نے اپنی بیٹی کو جو اشیاء دی وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

① ایک عدد مشکیزہ۔

② ایک عدد اوڑھنی۔

③ پینے کے دو برتن۔

④ ایک عدد چکی۔

⑤ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا ایک تکیہ۔

⑥ چھوٹا سا لحاف۔

⑦ ایک عدد چھانی۔

⑧ ایک عدد پیالہ۔

رسول اللہ ﷺ نے اس نکاح کا بہت زیادہ اہتمام کیا اور اسے بہت ہی اہمیت دی۔ آپ ﷺ نے اس نکاح کے ذریعے بہت بڑی خیر کی امید لگائی۔ جب سہاگ کی پہلی رات آئی تو آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جب تک تو مجھے نہ ملے کچھ مت کرنا۔

آپ ﷺ دونوں (دولہا دلہن) کے پاس گئے۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس

سے وضو کیا۔ پھر وضو کا بچا ہوا پانی علی رضی اللہ عنہ پر ڈالا اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اور نہایت تضرع و آہ وزاری کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! تو ان دونوں میں برکت فرما اور ان دونوں پر برکت نازل فرما اور ان دونوں کے لیے ان کی نسل میں برکت فرما۔

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے بچے کی ولادت کے دن قریب آئے تو نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر آیت الکرسی اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ [یونس: 3]

''بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد، وہی اللہ تمھارا رب ہے، سو اس کی عبادت کرو۔ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''

تلاوت کرنے کو کہا:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ دیگر تمام خواتین کی طرح تمام مشکل خانگی اعمال خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتی تھیں اور دیگر کچھ کام کم محنت طلب بھی ہوتے تھے۔ اکثر اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں کی خواتین زیادہ خوشگوار زندگی بسر کرتیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ان کے ناز و نعم اور ان کی آسودگی و کشادگی بہت بہتر ہوتی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں جھاڑو لگاتیں، سالن پکاتیں، آٹا گوندھتی، روٹی پکاتیں اور اپنے دیگر گھریلو کام کاج میں دن رات مصروف رہتیں۔ چکی پیستی اور مشکیزہ میں کنویں سے پانی بھر کر لاتیں جس سے ان کے نرم و گداز ہاتھوں اور کندھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔

بعض اوقات دیگر خواتین کی طرح گھریلو کام کاج کرتے ہوتے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی گھبرا جاتیں اور تنگی محسوس کرتیں۔ایک بار انہوں نے سنا کہ مسلمانوں کو کسی جنگ میں فتح حاصل ہوئی اور وہاں سے وہ خادموں اور کنیزوں کو جنگی قیدی بنا کر لائے اور انہیں مسجد کے صحن میں ٹھہرایا گیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جلدی جلدی اپنے اباجان کے پاس گئیں کہ ان کنیزوں میں سے ایک کنیز عطا کی جائے تاکہ گھر کے کاموں میں وہ ان کا ہاتھ بٹائے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو ان کے دل پر رعب نبوت غالب آ گیا اور وہ شرما گئیں کہ آپ ﷺ سے اپنی ضرورت کے مطابق کچھ طلب کر لیں۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گئیں اور آپ ﷺ سے کہا کہ میں تو صرف آپ ﷺ کو سلام کرنے آئی تھی۔

پھر وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوبارہ آئیں۔وہ ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ان دونوں نے مل کر آپ ﷺ کو اپنی ضرورت یعنی ایک خادم کے متعلق آگاہ کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے لیے واضح کیا کہ گھر کے مشقت آمیز کام کرتے کرتے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھک جاتی ہیں ۔بے شک رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت کرتے تھے۔اس کے باوجود آپ ﷺ نے نہایت صاف گوئی سے ان کا مطالبہ رد کر دیا۔آپ ﷺ نے ان دونوں کو فرمایا:نہیں! اللہ کی قسم! میں آپ دونوں کو کوئی خادم یا کنیز عطا نہیں کروں گا۔کیا میں اہل صفہ اپنے پیٹوں کی پر بل ڈالتے دیکھتا رہوں۔میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں۔لہٰذا میں یہ خدام وکنیزیں بیچ کر ان کی قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کروں گا۔جب وہ دونوں واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی پریشانی کا احساس ہوا۔آپ ﷺ کچھ دیر ٹھہرے کہ ان کے گھر چل دیے۔جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ دونوں اپنے بچھونوں پر سونے کے ارادے سے چلے گئے ہیں۔ ان پر

ایک چھوٹی سی اوڑھنی ہے۔ اس سے جب وہ اپنے سر ڈھانپتے تھے تو ان دونوں کے پاؤں کھلے رہ جاتے اور جب وہ پاؤں ڈھانپتے تو ان دونوں کے کھلے رہتے۔

جب ان دونوں کو آپ ﷺ کی آمد کا احساس ہوا تو آپ ﷺ کی تعظیم کے لیے وہ کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو فرمایا: تم دونوں اپنی اپنی جگہ پر رہو۔ کیا میں تم دونوں کو اس سے قدرے بہتر ایک عمل نہ بتاؤں جو تم نے مجھ سے طلب کیا ہے۔

یہ ایسے الفاظ ہیں جو جبرئیل علیہ السلام نے مجھے سکھلائے ہیں۔ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہا کرو۔ اور جب تم دونوں اپنے بستروں پر آؤ تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہا کرو۔ [بخاری: ۳۱۸۔ مسلم: ۲۹۲۷]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے یہ عمل سنا ہے۔ اسے کبھی ترک نہ کیا۔ ان سے پوچھا گیا اور نہ ہی جنگ صفین والی رات آپ ﷺ نے یہ عمل ترک کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے صفین والی رات بھی یہ عمل کیا۔ [بخاری: ۳۱۸۔ مسلم: ۲۹۲۷]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: آپ ﷺ ان کے درد اور تکالیف کم کرنا چاہتے تھے اور اپنی بیٹی کو تسلی دینا چاہتے تھے تاکہ اس کی وہ سختی کچھ کم ہو جائے جو آپ ﷺ نے بھی ملاحظہ کر لی تھی کہ جو اس پر آئی ہوئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! کچھ گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کفارہ نمازوں اور روزوں سے ادا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا کفارہ محنت ومشقت اور اہل وعیال کا غم ادا کرتا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس نصیحت میں بہت بڑا درس عبرت وموعظت پوشیدہ تھا اور وہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ابا جان! رسول اعظم سید المرسلین و سید الاوّلین والآخرین جناب محمد بن عبداللہ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ میری بیٹی عام زندگی دیگر لوگوں کی

نسبت زیادہ بہتر طریقے سے بسر کرے۔ بلکہ آپ ﷺ نے تو یہ چاہا کہ وہ دیگر لوگوں کی طرح تنگدستی کی زندگی بسر کرے۔ پھر اسی طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان سے پہلے ان کی دیگر تینوں بہنوں کی زندگی بالکل اسی ڈگر پر بسر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی رہے۔ آمین

آپ ﷺ کی بیٹیاں دیگر عورتوں کی طرح رہتی تھیں۔ البتہ خانۂ نبوت کی طرف نسبت کا جو شرف ان کو مل چکا تھا اس لحاظ سے وہ سب لوگوں سے افضل ضرور تھیں۔ دیگر لوگ اس عزت و تکریم کو محنت کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ اس معاملہ میں کسی ایک کو دوسروں پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ چاہے اس کا آپ ﷺ کے ساتھ صلہ قرابت جو بھی ہو۔ نبی اکرم ﷺ اپنے اہل و عیال خصوصاً اپنی بیٹیوں کو ہمیشہ احتیاط کی تلقین کرتے رہتے تھے اور انہیں ڈراتے رہتے تھے کہ کہیں وہ میرے ساتھ اپنی قرابت پر بھروسا نہ کرلیں۔ آپ ﷺ نے ایک بار اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

اے فاطمہ بنت محمد! میں تجھے اللہ کے نزدیک کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ آپ ﷺ اپنی ایسی گفتگو کا رخ اکثر اوقات اپنی اولاد کی جانب کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ انہیں فرماتے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ تو میرے پاس اپنے اعمال صالحہ لے کر آئیں اور تم میرے پاس اپنا حسب و نسب لاؤ۔

کبھی کبھار نبی مکرم ﷺ اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خوشحالی کو دیکھ کر انجانے اندیشے میں مبتلا ہو جاتے۔ حالانکہ اس وقت سب مسلمان انتہائی کسمپرسی کی حالت میں گزر بسر کرتے۔ آپ ﷺ محض یہ چاہتے تھے کہ خانۂ نبوی دیگر مسلمانوں کے لیے نمونہ ہو۔

ایک بار آپ ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو اس کے ہاتھ میں سونے کا کڑا پہنا ہوا دیکھا اور وہ اپنے پاس ایک عورت کو کہہ رہی تھی۔ یہ کڑا مجھے ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ نے تحفتاً دیا ہے۔

آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

اے فاطمہ! کیا تجھے لوگوں سے ایسی باتیں سننا پسند ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کا کڑا ہے۔ پھر آپ ﷺ وہاں سے فوراً چل پڑے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر جلدی جلدی وہ کڑا فروخت کر دیا اور اس سے حاصل ہونے والی قیمت کے عوض ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ اس کے اس عمل سے بہت مسرور ہوئے اور اس کو دعا دی۔ کبھی کبھی نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں ایسے واقعات بھی پیش آ جاتے جیسے واقعات عام لوگوں کے گھروں میں اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک بار علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان باہمی رنجش اور تلخ کلامی ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں پر ترس آیا۔

آپ ﷺ ان دونوں کے گھر میں حیران و پریشان تشریف لائے اور جب تک ان دونوں نے آپس میں صلح نہ کرلی، آپ ﷺ وہیں رہے۔

جب آپ ﷺ صلح کے بعد ان کے گھر سے روانہ ہوئے تو مسرت و فرحت کی جھلکیاں آپ ﷺ کے رخ انور پر نمایاں تھیں اور آپ ﷺ فرما رہے تھے بے شک میں نے اپنی دو محبوب ترین ہستیوں کے درمیان صلح کرادی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مثالی خاوند بیوی کی طرح زندگی بسر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بھلائی پر اکٹھے کیا۔ نیز رسول اللہ ﷺ کو اپنے داماد سے ہر وقت بھلائی ہی حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ ان کے حسن معاشرت کی ہمیشہ تعریف کرتے۔ نیز آپ ﷺ ان کے حسن اخلاق کی بھی خوبی بیان کرتے۔ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح جنت کی خوشخبری دے دی اور ان کا شمار بھی عشرہ مبشرہ میں ہوگیا۔

بہرحال رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ ایک واقعہ نے آپ ﷺ

کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ جس دن آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ علی رضی اللہ عنہ عربوں کے کسی خاندان میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ کون ہے، وہ ابو جہل جو رسول اللہ ﷺ کا ازلی دشمن تھا، اس کی بیٹی سے علی رضی اللہ عنہ نکاح کرنے کے خواہشمند تھے۔ آپ ﷺ اس بات سے سخت غصے میں آئے کیونکہ آپ ﷺ کو یہ بات ہرگز پسند نہ تھی کہ سب عورتوں کی طرح آپ ﷺ کی بیٹی کی بھی سوکن ہو۔

آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: بے شک بنو ہاشم بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے کر دیں تو ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ پہلے میری بیٹی کو طلاق دے دے اور پھر ان کی بیٹی سے شادی کر لے چونکہ میری بیٹی میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ وہ بات مجھے خوش کرتی ہے جو اسے خوش کرے اور وہ چیز مجھے اذیت دیتی ہے جو اسے اذیت دے۔

گویا دیگر مسلمانوں کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی یہ بھی خصوصیت تھی۔ علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہ نامنظور تھا کہ وہ آپ ﷺ اور آپ کی بیٹی سے بدسلوکی کریں اور ان سے آپ ﷺ کے لیے ہمیشہ دلی محبت ہی ظاہر ہوئی اور پھر بقیہ زندگی انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزار دی۔ حتی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے رب سے اس حال میں ملی کہ وہ اپنے خاوند سے راضی تھی اور ان کا خاوند اپنی بیوی سے راضی تھا۔

رسول اللہ ﷺ بچوں کے درمیان

بچوں کے متعلق نبویؐ مؤقف تمام تہذیب یافتہ و متمدن معاشرہ سے اعلیٰ ترین تھا جس میں عواطف، جذبات، احساسات، محبت، رحمت اور پیار نمایاں تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب بھی صبح یا شام کوئی بچہ دیکھتے چھوٹا ہو یا بڑا۔ آپ ﷺ اس کے چہرے کو ضرور تھپتھپاتے۔ آپ ﷺ اسے سلام کرتے۔ اس سے نرمی اور لجاجت سے ہم کلام ہوتے، حتی کہ اہم و حساس ترین اور مصروف ترین حالات بھی آپ ﷺ کو بچوں کے ساتھ اس سلوک میں آڑے نہ آتے۔ مشغولیت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو آپ ﷺ کے اس سلوک کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہ بنتی اور یہی طرز عمل آپ ﷺ ننھے منے معصوم دودھ پیتے بچوں کے ساتھ رکھتے۔ آپ ﷺ ان کو گدگداتے، ہنساتے اور گلکاریاں کرواتے۔ [بخاری: ٤٧۔ مسلم: ٢١٦٨]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو بچوں پر مہربان نہیں دیکھا۔ [مسلم: ٢٣٦١]

غزوۂ خیبر کے لیے جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ جب مجاہدین کے ہمراہ بنوغفار کے علاقے میں محوِ سفر تھے تو بنوغفار کی ایک نوعمر لڑکی نے اپنے آپ کو مجاہدین کی خدمت کے لیے پیش کیا۔ آپ ﷺ کو اس کے پیدل چلنے کی وجہ سے اس پر ترس آ گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کرلیا۔ جب آپ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا تو وہ لڑکی

آپ ﷺ سے شرمانے لگی اور آپ ﷺ سے دور ہونے لگی۔ تو آپ ﷺ کو معلوم ہوگیا کہ اسے حیض آ گیا ہے اور یہ اس کا پہلا حیض تھا۔ آپ ﷺ نے اسے نہ تو ڈانٹا اور نہ اس پر افسوس کرتے ہوئے اف، اف کہا۔ بلکہ آپ ﷺ نے اسے بتایا کہ خون والی جگہ اور کپڑوں کو وہ کیسے صاف کرے گی۔ پھر جب معرکہ ختم ہوا اور اموال غنیمت تقسیم ہونے لگا تو آپ ﷺ نے اس لڑکی کو خدمات کے عوض ایک جڑاؤ ہار دے دیا۔ اس نے اپنے مرنے تک اس ہار کو اپنے جسم سے علیحدہ نہ کیا۔ اس دوشیزہ کو لیلیٰ غفاریہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں۔

آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی نے ایک پرندہ پالا ہوا تھا وہ مرگیا۔ وہ بچہ اس پرندے سے بہت محبت کرتا تھا تو وہ اس پرندے کی موت پر رونے لگا۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کے رونے پر ترس آ گیا۔ آپ ﷺ اس کے غم میں تخفیف کرنے کے لیے مزاح کے طور پر اس کو فرماتے:

''اے ابوعمر! تیرے نغیر (پرندے) نے کیا کیا؟'' [بخاری: ۶۲۰۳۔ مسلم: ۲۱۵۰]

اور جب بچہ سمجھ دار ہوتا تو آپ ﷺ اس کو نصیحت کے انداز میں سمجھاتے۔ جیسے آپ ﷺ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سوار کرلیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے چند باتیں سکھلاتا ہوں۔ تو اللہ کو یاد کیا کر، اللہ تجھے یاد رکھے گا۔ تو اللہ کو یاد کیا کر تو ہمیشہ اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو کوئی چیز مانگے تو صرف اللہ سے مانگ اور جب تو مدد طلب کرنا چاہے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر اور تو یقین کرلے اگر پوری امت اکٹھی ہوکر تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ تجھے وہی فائدہ پہنچائے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر وہ اکٹھے ہوجائیں کہ تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تجھے اتنا نقصان ہی پہنچائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ [ترمذی: ۲۵۱۶۔ ۲۵۱۸]

قلم تقدیر اٹھالیا گیا اور تقدیر کے صفحات خشک ہو گئے ہیں اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: تو اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ تو خوشحالی کے زمانے میں اللہ کو پہچان وہ تجھے تنگدستی میں پہچان لے گا...... اور تو یقین کر لے جو مصیبت تجھ سے ٹل گئی ہے، وہ تجھے ملنے والی نہیں تھی اور جو مصیبت تجھے آ گئی ہے، وہ تجھ سے ٹلنے والی نہیں تھی تو یقین کر لے کہ نصرت صبر کے ساتھ ملتی ہے اور کشادگی، تنگدستی کے بعد ملتی ہے اور بے شک ہر تنگی کے ساتھ سہولت ضرور ہوتی ہے۔ [بخاری: ۲۲۶۹۔۲۸۰٤]

مزاح کے لہجے میں رسول اللہ ﷺ کے تعلیم دینے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جیسے سیدنا عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب وہ چھوٹا بچہ تھا تو مجھے میری والدہ نے انگوروں کے چند گچھے رسول اللہ ﷺ کو دینے کے لیے بھیجا تو آپ ﷺ کو دینے سے پہلے میں نے کچھ انگور کھالیے۔ جب میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے میرا کان مروڑ کر فرمایا: ''اے دھوکے باز'' [ابن السنی: ٤٠١]

آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے نرمی اور پیار سے امانت کی ادائیگی کی اہمیت بتلائی۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس نومولود بچے لائے جاتے۔ آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے۔ بعض اوقات ان کے ناموں کا انتخاب بھی فرماتے اور انہیں گھٹی پلاتے۔

جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے نومولود اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت کی خوشخبری ملی۔ تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنے نومولود بیٹے کو نبی اکرم ﷺ کے پاس لائی۔ آپ ﷺ نے بچہ اپنی گود میں رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے کھجور کا ایک دانہ منگوایا، آپ ﷺ نے بچے کو اس کی گھٹی دی پھر اس کے لیے دعا فرمائی اور اس پر برکتوں کے نزول کو طلب کیا۔ [بخاری: ۳۱٤۷۔ مسلم: ۲۱٤٦]

نبی اکرم ﷺ بچوں کو نرمی سے گدگداتے اور ان کو پیار سے چھوتے۔ جیسا کہ عبداللہ

بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر آپ ﷺ اپنی ایک بیوی کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ ہو گیا۔ بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ ایک ایک کر کے ان میں سے ہر ایک کے دونوں رخسار چھوتے۔[الحاکم: ۱/۳۷۲]

جب آپ ﷺ کے پاس پہلا پہلا پھل لایا جاتا تو آپ ﷺ پھلوں کے مالک کے لیے دعا کرتے۔ آپ ﷺ فرماتے اے اللہ! تو ہمارے مدینے میں برکت فرما اور ہمارے پھلوں میں اور ہمارے مد اور ہمارے صاع میں برکت کے ساتھ برکت فرما۔

پھر آپ ﷺ کی محفل میں جو سب سے چھوٹا بچہ ہوتا، آپ ﷺ اسے یہ پھل دے دیتے۔ [مسلم: ۱۳۷۳۔ترمذی: ۳٤٥٤]

آپ ﷺ کے گھر میں کچھ بچے آئے، انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کچھ لوگوں کے ہمراہ کھجوریں تناول فرما رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ کو لوگوں کے ساتھ مصروفیت نے بچوں کی طرف توجہ کرنے سے نہیں روکا بلکہ آپ ﷺ نے مٹھی بھر کر بچوں کو کھجوریں دیں اور آپ ﷺ نے شفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔[طبرانی، مجمع الزوائد: ٥/١٧]

خانۂ نبوت کے بچوں کی آپ ﷺ کے پاس شان ہی نرالی تھی۔ آپ ﷺ ان پر رحم کرتے۔ انہیں اپنے قریب بٹھاتے اور ان کے ساتھ بہت ہی پیار و محبت کرتے تھے۔ ان پر آپ ﷺ شفقت کرتے۔ جب آپ ﷺ کا گزر بچوں پر سے ہوتا تو آپ ﷺ ان کو سلام کرتے۔[بخاری: ٦٢٤٧]

جب بھی آپ ﷺ کسی سفر سے لوٹتے تو آپ ﷺ بچوں کو دیکھ کر خوش ہو جاتے۔ انہیں اپنے ساتھ چمٹاتے، ان سے نرم نرم باتیں کرتے اور ان کے حال احوال پوچھتے۔

اس وقت اکثر صحرائی عرب سخت طبیعت اور وحشی پن، اکھڑ مزاج کے مالک تھے۔ جیسا

کہ جہالت کی حالت میں ہوتا ہے۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور آپ ﷺ کو دیکھتے کہ اپنے بچوں کو چومتے ہیں یا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کو چومتے تو وہ حیران ہو جاتے۔ بلکہ بعض اوقات وہ تعجب کرتے ہوئے پوچھتے: کیا آپ بچوں کو چومتے ہو؟

نبی اکرم ﷺ فرماتے: جی ہاں۔

لیکن وہ کہتے ہم تو اللہ کی قسم! ان کو نہیں چومتے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت نکال دی تو میں بے بس ہوں۔'' [بخاری: ۵٦۵۲]

اور جب آپ ﷺ کے گھر والوں سے کوئی بیمار ہو جاتا وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتا۔ آپ ﷺ اس کو بہت اہمیت دیتے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے اس پر مہربان ہو جاتے۔ آپ ﷺ کی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ یارسول اللہ ﷺ بے شک میرا بیٹا قریب الموت ہے تو آپ ہمارے پاس آ جائیں۔ آپ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ہمراہ وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے بچے کو اٹھایا اور اپنی گود میں رکھ لیا۔ حال یہ تھا کہ سکرات موت کی وجہ سے بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی بچے پر شفقت کے سبب آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ تو سعد رضی اللہ عنہ کو اس حال پر بڑا تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگے یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کے دل میں چاہے اسے ڈال دیتا ہے اور اللہ اپنے انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحم کرتے ہوں۔ [بخاری: ۱۲۸٤۔ مسلم: ۹۲۳]

جب آپ ﷺ سفر سے واپس آتے، اپنے خاندان کے بچوں سے ضرور ملتے۔ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آپ ﷺ سفر سے آئے تو میرے پاس سب سے پہلے پہنچے۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے آگے اپنی سواری پر بٹھا لیا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا آیا تو اسے آپ ﷺ نے اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ تو ہم تینوں ایک ہی

اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔[مسلم:۲٤۲۸]

سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ نے اپنی شفقت ومحبت کو اپنی بیٹیوں کی اولاد پر اسی طرح انڈیل دیا جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنی محبت وشفقت کو اپنی اولاد پر انڈیلا۔آپ ﷺ جب بھی ان میں سے کسی کو ملتے تو ہشاش بشاش چہرے اور اضافی شفقت کے ساتھ ملتے۔

آپ ﷺ اپنی عام نرمی سے بڑھ کر ان سے نرمی کرتے۔آپ ﷺ ان کو اٹھا لیتے ان کو گدگداتے اور ہر وقت ان کی غنغناہٹ پر کان لگاتے اور جس چیز کو وہ پسند کرتے یا جو چیز آپ ﷺ ان کے لیے پسند کرتے،آپ ﷺ مہیا فرماتے۔

یمن کے گھونگوں کا بنا ہوا ایک نہایت نفیس ہار رسول اللہ ﷺ کو ہدیتاً ملا۔آپ ﷺ کو وہ بڑا ہی خوشنما لگا۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے اہل میں سے سب سے محبوب ترین فرد کو یہ ہار دوں گا۔پھر آپ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور آپ ﷺ نے وہ ہار اس کی گردن میں ڈال دیا۔سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر ایک موہکہ تھا آپ ﷺ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو خوش کرنے کے لیے اس موہکہ پر اپنا ہاتھ پھیرا جب وہ بڑی ہوئیں تو اپنے نانا جان نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیتی ہوئی خوشگوار یادیں دہراتی رہتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کو امامہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے کریں کہ آپ ﷺ نماز پڑھتے ہوئے امامہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کندھے پر اٹھا لیتے ۔جب آپ ﷺ رکوع یا سجدے میں جاتے تو اسے نیچے اتار دیتے اور جب آپ ﷺ اٹھتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے۔حتی کہ آپ ﷺ نے اسی طرح نماز مکمل کی۔

الحسن والحسین رضی اللہ عنہما

نبی اکرم ﷺ کے دل میں ان دونوں کا جو مقام ومرتبہ تھا،وہ آپ ﷺ کے اس

فرمان سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ دونوں میرے لیے دنیا کی خوشبوئیں ہیں۔ آپ ﷺ کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کے موقعہ پر ازحد خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ جب آپ ﷺ کی طرف اسے بلند کیا گیا تو آپ ﷺ کو عظیم فرحت حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ نے بڑی ہی عنایت سے پوچھا: تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟

بچے کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے اس کا نام ''حرب'' رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے لطافت نبویہ سے فرمایا: یہ ''حسن'' ہے۔

آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تربیت کرنا چاہتے تھے کہ نومولود بچے کا نام محبوب ترین ہستیوں کے ناموں پر ہونا چاہیے اور نبی اکرم ﷺ کی یہی عادت مبارکہ تھی کہ جو نام آپ کو پسند نہ آتا، آپ اسے تبدیل کر دیتے۔ آپ ﷺ تفاولاً ایسا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں نماز والی اذان کہی۔ [ابوداود: ۵۱۰۵۔ ترمذی: ۱۵۱٤]

آپ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی ولادت کے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا۔ ایک مینڈھا ذبح کیا اور ان دونوں کے سر منڈوائے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ [ابن حبان: ۵۳۱۱۔ الحاکم: ۲۳۷/٤]

حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقے کے متعلق آپ ﷺ نے وائی کے لیے ایک ایک دستی بھیجنے کا حکم دیا اور سب لوگ کھائیں اور دوسروں کو کھلائیں اور وہ جانور کی کوئی ہڈی نہ توڑیں۔

[مراسیل ابی داود: ۳٤۲]

آپ ﷺ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر راحت وسکون محسوس کرتے۔ ان دونوں کو آپ بہلاتے۔ ان سے خوشگوار اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی آپ ﷺ ان دونوں میں سے کسی ایک کے دونوں ہاتھ پکڑتے اور اس کے پاؤں اپنے قدم مبارک

کے اوپر رکھتے اور اسے جھولا جھلاتے:

پھر آپ ﷺ اس کو چومتے اور دعا کرتے۔ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس کے ساتھ محبت کر۔ ایک بار آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف گھر سے باہر نکلے تو حسن رضی اللہ عنہ آپ کے ایک کندھے پر تھے اور حسین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دوسرے کندھے پر تھے۔ کبھی آپ ﷺ ایک کو چومتے اور کبھی دوسرے کو چومتے بالآخر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو ان دونوں سے محبت کرے گا، وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جو ان دونوں سے کینہ رکھے گا، وہ مجھ سے کینہ رکھے گا۔ آپ ﷺ کو ان دونوں کے متعلق نظر بد کا اندیشہ ہوا تو آپ ﷺ ان دونوں کے لیے یوں دعا کرتے۔ میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ذریعے تم دونوں کو پناہ میں دلواتا ہوں۔ ہر شیطان اور شریر کے شر سے اور ہر نظر بد سے۔[بخاری: ۳۳۷۱-۳۱۹۱]

ایک بار سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے دونوں بچوں کو لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو اٹھایا اور انہیں اپنی گود میں بٹھالیا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو چوما اور ایک بازو سے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لٹالیا اور دوسرے بازو میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا اور ان سب پر آپ ﷺ نے کالی کملی ڈال دی اور یوں دعا کی: اے اللہ! ''میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ آگ کے سپرد نہیں کرتا۔''

کتنی ہی بار ایسے ہوا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے اپنے نانا ﷺ کو سجدے کی حالت میں دیکھا تو وہ چھلانگ لگا کر آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہوگئے اور جب ان بچوں کے والدین نے ان کو روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے منع کر دیا۔ جب آپ ﷺ اپنی نماز پوری کر لیتے، ان دونوں کو اپنی گود میں لے لیتے اور فرماتے'' جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ان دونوں سے محبت کرے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ان دونوں کو آپ ﷺ کے کندھوں پر دیکھا تو کہہ اٹھے: تم

دونوں کی سواری بہت عمدہ ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور وہ دونوں کتنے عمدہ شہسوار ہیں۔'' [مجمع الزوائد: ۹/۱۸۲]

بعض دفعہ ان دونوں میں سے جب کوئی آتا اور آپ ﷺ نماز میں ہوتے تو وہ آپ کی پیٹھ یا گردن پر سوار ہو جاتا تو آپ ﷺ اسے نہ اتارتے بلکہ وہ خود جب چاہتا اترتا اور جب وہ آپ ﷺ کی رکوع کی حالت میں آتا تو آپ ﷺ اپنے پاؤں مزید کھول دیتے۔ تاکہ وہ دوسری طرف سے نکل جائے۔ نبی اکرم ﷺ فرصت کی تلاش میں رہتے کہ فرصت ملے تو دونوں بچوں کو بہلائیں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کھانے کی ایک دعوت میں گئے۔ آپ ﷺ نے رستے میں دیکھا کہ حسین بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے تو نبی اکرم ﷺ جلدی جلدی لوگوں سے آگے نکل گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ آگے کیے تو حسین رضی اللہ عنہ ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اسے ہنسانے لگے۔ بالآخر آپ ﷺ نے اسے پکڑ لیا۔ آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور اپنا دوسرا ہاتھ اس کے سر اور کانوں کے درمیان رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو اپنے ساتھ لپٹا کر چوم لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں۔'' اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرے گا جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے گا۔ حسین رضی اللہ عنہ نواسوں میں سے نواسہ ہے۔ [ترمذی: ۳۷۷۵۔ ابن ماجہ: ۱۴۴۔ ابن حبان: ۶۹۷۱]

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے پاس کھیل رہے تھے یا آپ ﷺ کی گود میں بیٹھے تھے اور ایک روایت کے الفاظ ہیں وہ دونوں آپ ﷺ کے پیٹ کے اوپر تھے۔

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ ان دونوں سے محبت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیوں ان سے محبت نہ کروں جبکہ وہ دونوں میرے لیے دنیا کی دوخوشبوئیں ہیں۔ میں ان کو سونگھتا ہوں۔[مجمع الزوائد:۹/۱۸۱]

آپ ﷺ کی ان کے ساتھ رحمت کا یہ حال تھا کہ ایک دن آپ ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کو دیکھا وہ دونوں گرتے پڑتے آرہے تھے۔ آپ ﷺ فوراً منبر سے اترے، ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے ان دونوں کو بٹھایا اور فرمانے لگے: اللہ عظیم نے سچ فرمایا ہے:

''بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔'' [التغابن:۱۵]۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مستقبل کے بارے میں اہم باتیں پہلے ہی بتا دیں۔ آپ ﷺ نے اس کے متعلق ایک عظیم خبر اس وقت دی جب ایک بار خطبہ کے دوران آپ ﷺ نے اسے اپنے پہلو میں ایک جانب بٹھایا۔ آپ ﷺ ایک بار سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے اور ایک بار تمام سامعین کی طرف دیکھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرادے۔

بے شک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ عمل اس وقت کیا جب وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوگئے اور جس سال دونوں کے درمیان یہ صلح ہوئی، مسلمان مؤرخین اس سال کو ''جماعت کا سال'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد امت مسلمہ میں مکمل سکون ہوگیا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اہل بیت اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا چلو بھر خون نہ بہا۔ ایک طرف تو گھریلو بچوں کے ساتھ محبت، مودت، شفقت اور رحمت کا

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ حال تھا کہ جب صحراء عرب میں رہنے والے بدو آپ ﷺ کا یہ حال بچوں کے ساتھ دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے کیا آپ ﷺ بچوں کو چومتے بھی ہیں۔ کوئی آ کر کہتا میرے دس بیٹے ہیں، میں نے کبھی بھی کسی ایک کو نہیں چوما۔

رسول اللہ ﷺ انہیں ڈانٹتے ہوئے نرمی سے کہتے ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

چونکہ بدو بے آب وگیاہ صحراء میں زندگی کی سختیاں تن تنہا برداشت کرتے تھے، اس لیے ان کے دل بھی سخت ہو گئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے گھروں میں بچوں اور عورتوں پر ان کی بے جا ہیبت اور رعب وجلال طاری رہے۔

بنوتمیم کے سردار اقرع بن حابس جب اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے اسلام لانے کی غرض سے آپ ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو چوم رہے ہیں تو انہیں بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ بچوں کو چومتے ہیں، میرے دس بیٹے ہیں میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'' [بخاری: ۵۶۵۱۔ مسلم: ۲۳۱۸]

آپ ﷺ کی طرف سے گھر کے چھوٹے بچوں کے لیے ایک طرف تو پیار ومحبت اور ان کے ناز وانداز اٹھانے کے یہ نادر نمونے تھے تو دوسری طرف شریعت کی متابعت سے روگردانی کرنے یا خلاف شریعت کوئی کام کرتے ہوئے آپ ﷺ چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہ کرتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹے بچے سمجھ نہیں رکھتے تو آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا کوئی وزن نہ تھا۔

ایک بار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ ﷺ صدقہ و

خیرات تقسیم کر رہے تھے۔ وہ جلدی سے ایک کھجور کی طرف لپکے اور اسے منہ میں ڈال لیا۔ سب سے جلدی ان کے نانا رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ جا کر پکڑ لیا اور ان کے منہ سے کھجور نکال لی، اس کے ساتھ ان کا لعاب دہن بھی بہہ نکلا۔ آپ ﷺ حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اپنے منہ سے کخ کخ کی آواز نکلی۔ کیا تجھے پتہ نہیں بے شک ہم اہل بیت کے لیے صدقہ حلال نہیں۔ [بخاری: ١٤١٤۔ مسلم: ١٠٦٩]

نبی اکرم ﷺ نے اپنی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی اس بات کو بڑی ہی اہمیت دی، جب وہ آئی اور گھبراتے ہوئے بتایا: یا رسول اللہ ﷺ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما گم ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ نے چاروں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلاش کے لیے بھیج دیا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی طرف چلی گئیں۔ جدھر آپ ﷺ جا رہے تھے۔ آپ ﷺ چلتے رہے حتی کہ پہاڑ کے دامن میں ہو لیے۔ اچانک وہاں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے اور ان کے سامنے ایک خوفناک سانپ پھن پھلائے اپنی دم پر کھڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جلدی سے اس کی جانب لپکے پہلے تو وہ سانپ رسول اللہ ﷺ پر جھپٹا، پھر وہ واپس مڑا اور کسی بل میں داخل ہو گیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس آئے، ان دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا۔ پھر ان کے چہروں پر ہاتھ پھیرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان جائیں تم اللہ کے نزدیک کتنے معزز ہو۔ پھر ان دونوں میں سے ایک کو آپ ﷺ نے اپنے دائیں کندھے پر اٹھایا اور دوسرے کو اپنے بائیں کندھے پر اٹھایا اور واپس چل دیے۔ طبرانی نے اسے روایت کیا ہے۔ [مجمع الزوائد: ۱۸۲/۹]

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا محبت وشفقت میں وہی معاملہ تھا جو آپ ﷺ کا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ رکھتے تھے۔

اسامہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نواسوں کی ہی طرح تھا چونکہ ان کے باپ کو صدر اسلام میں زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارا جاتا تھا اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو اسی آبائی تعلق کی بنا پر محبوب بن حبیب کہا جاتا تھا۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑتے اور اپنی ایک ران پر بٹھا لیتے اور اپنی دوسری ران پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بٹھا لیتے۔ پھر ہم دونوں کو اکٹھا کر دیتے اور آپ ﷺ یہ دعا کرتے: ''اے اللہ تو ان دونوں پر رحم فرما چونکہ میں بھی ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔'' [مسلم:۲۳۱۵]

اسامہ رضی اللہ عنہ جوانی کی حدود کو چھونے لگا اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں کے لاڈ و پیار میں اضافہ ہوتا گیا۔ سب لوگوں کو آپ ﷺ کے ہاں ان کی اس قدر و منزلت کا بخوبی علم تھا۔ ایک بار قریش کی ایک عورت چوری کے الزام میں پکڑی گئی، اب اس پر حد کا لگنا یقینی بات تھی۔ انہوں نے سوچا کہ کوئی تگڑی سفارش ہی یہ مشکل حل کرا سکتی ہے۔ سب نے مل کر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی منت سماجت شروع کر دی اور انہیں آمادہ کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بنو مخزوم کی اس عورت کی سفارش کریں تاکہ آپ ﷺ اس پر حد نہ لگائیں۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ جونہی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے آپ ﷺ نے ان کی خصوصی تکریم کی، انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے قریب کر لیا۔ جب آپ ﷺ کو علم ہوا کہ ان کے آنے کا مقصد کیا ہے تو آپ ﷺ کا رخ انور غصے سے سرخ ہو گیا اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ بے شک تم سے پہلے لوگ اسی لیے برباد ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اس کو وہ چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔''

اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ چوری کرتی تو میں یقیناً اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کو جب علم ہوا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ ﷺ میرے لیے مغفرت طلب کریں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے مغفرت طلب کی۔

اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس عظیم خانہ نبوت میں پرورش پائی جہاں سے عظیم لوگ نکلے۔ انہوں نے دنیا کو فتح کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ شان وشوکت والے بہادر آدمی تھے۔ ان کی جوانی کے ابتدائی دنوں میں ہی ان کی سطوت کی علامات نظر آنے لگی تھیں۔ تقریباً سترہ سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس لشکر کا امیر بنا کر مجاہدین اسلام کا جھنڈا دیا جو آپ ﷺ نے شام کی طرف روانہ کیا۔ تا کہ وہ غزوۂ موتہ کے شہداء کا بدلہ لیں کہ جس غزوہ میں ان کا باپ بھی شہید ہو چکا تھا جو اس لشکر کے امیر تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے باپ کے مقتل کی طرف جاؤ اور اپنے دشمن کو گھوڑوں کے پاؤں تلے روند ڈالو۔ تم اللہ کے نام سے قتال کرو۔ اللہ کی راہ میں اللہ کا انکار کرنے والوں کے خلاف لڑو۔

رسول اللہ ﷺ کے اپنی بیویوں کی سابقہ اولاد سے حسن سلوک کے نمونے

آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کی سابقہ اولاد سے حسن سلوک کی عمدہ ترین مثال پیش کی۔ بلکہ ان کے باپوں کے بعد آپ ﷺ نے ان کا حقیقی باپ کی طرح ہی شفقت و رحمت کا برتاؤ ان کے ساتھ کیا۔ پھر وہ بھی اپنی نسبت خانۂ نبوت کی طرف ہونے پر فخر کرتے اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

ان میں سے سب سے پہلے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چاروں بچے تھے۔ جن میں سے بڑا بچہ ہند بن ابی ہالہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے باپ کا بدلہ یوں دیا کہ وہ اپنے آپ کو نبی ﷺ کا بیٹا سمجھتا اور آپ ﷺ کو اپنا باپ گردانتا۔ وہ کہا کرتا: میں اپنے ماں باپ اور بھائی بہن کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر ہوں۔ میرے باپ محمد ﷺ ہیں میری ماں خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ میرے بھائی قاسم ہیں اور میری بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں تو میرے نسب جیسا کس کا نسب ہے؟

ہند رضی اللہ عنہ بہت بڑے ادیب اور فصیح و بلیغ تھے۔ وہ وصف بیان کرنے میں بے مثال تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا وصف بہت خوبی، عمدگی اور محکم انداز میں بیان کیا اور انہوں نے آپ ﷺ کے اوصاف ایسے الفاظ میں بیان کیے جو نبی اکرم ﷺ کی شان کے عین مطابق ہیں جو اس کی آپ ﷺ سے دلی محبت اور سچے جذبات کی دلیل ہے اور یہ کہ

ہند رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر نبی اکرم ﷺ کی تربیت کا کس قدر گہرا اثر تھا۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ ﷺ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح کیا تو ان کے پہلے شوہر سے پانچ بچے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کبھی کسی کو ناپسندیدگی سے نہ دیکھا، جس طرح کہ عموماً خاوند ہونے والی بیویوں کی سابقہ اولاد کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اپنی موت تک رسول اللہ ﷺ کے حسن معاشرت کی تعریفیں کرتی رہیں اور آخر عمر تک آپ ﷺ کا احترام کرتی رہیں۔

اسی طرح سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی اکلوتی بیٹی کو بھی رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں رہ کر شفقت ومحبت ہی ملی چونکہ وہ بھی اپنے باپ عبیداللہ بن جحش کی شفقت ومحبت سے محروم ہوگئی تھی۔

جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں تو وہ اپنے ساتھ چار بچوں کو لائیں ان سب سے چھوٹی زینب رضی اللہ عنہا دودھ پیتی بچی ماں کی گود میں تھی۔ اس کی اولاد کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے اپنے ماں کے پاس آنے سے محروم نہ رہی۔ بلکہ تمام بچے رسول اللہ ﷺ سے لحہ بھر وہی محبت وشفقت پاتے رہے جو انہوں نے اس دن دیکھی تھی جس دن آپ ﷺ نے ان کی والدہ سے نکاح کیا تھا۔

آپ ﷺ پہلی رات جب اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو اس کی گود میں زینب رضی اللہ عنہا تھی جو اپنی ماں کا دودھ پی رہی تھی نہ تو آپ ﷺ نے اسے ماں سے جدا کیا اور نہ ہی اپنی بیوی کو ڈانٹ پلائی بلکہ آپ ﷺ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر آگئے اور آپ ﷺ کو ننھی منی بچی پر ترس آ گیا کہ کہیں وہ اپنی ماں کے دودھ سے محروم نہ ہو جائے۔ دونوں میاں بیوی کو کئی بار یہی حادثہ پیش آیا۔ بالآخر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی کہ اس کی غفلت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ان کی قربت سے محروم ہو رہے ہیں۔

تب اس نے اپنی بیٹی کے معاملے پر غور کیا اور میاں بیوی کا ملاپ جاری ہو گیا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا سیدنا عمر بن ام سلمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اولاد کی طرح اسے نصیحت کرتے اور آپ ﷺ شفیق باپ کی طرح اس کی تربیت کرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت بیتے ہوئے ایام کی یاد تازہ کرتے ہوئے ایک دن کہنے لگے: کہ میں رسول اللہ ﷺ کی گود میں اپنا بچپن گزار رہا تھا تو پلیٹ میں میرا ہاتھ گوشت کا پیچھا کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لڑکے اللہ کا نام لے کر اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے سامنے سے کھا۔ بچے نے رسول اللہ ﷺ کی یہ نصیحت پلے سے باندھ لی اور اس پر عمل کا عزم کر لیا کیونکہ بچہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کرتا تھا۔ وہ کہتے ہیں: اس کے بعد ہمیشہ کے لیے میرے کھانے کا یہی طریقہ بن گیا۔ [بخاری: ٥٣٧٦۔ مسلم: ٢٠٢٢]

رسول اللہ ﷺ اپنے رشتہ داروں کے درمیان

جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

''وہ آپؐ (اے نبی ﷺ) اپنے قرابت داروں کو ڈرائیں (اللہ کے عذاب سے)۔''

[الشعراء: ٤/ ٢٠]

تو رسول اللہ ﷺ نے دعوت دین کا آغاز کرنے کے لیے اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کیا اور ان کے لیے کھانے کا بندوبست کیا اور کھانے کے بعد انہیں دعوت دی۔ امام ابن اثیرؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا ہے تو اے علی! ایک صاع غلہ لے کر ایک بکری ہمارے لیے پکاؤ اور تم ہمارے لیے دودھ سے شیرینی بناؤ۔ پھر تم میرے لیے بنوعبدالمطلب کو بلاؤ۔

علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ایسے ہی کیا۔ اس دن آپ ﷺ کے پاس سب مدعوین جمع ہوگئے اور کم وبیش چالیس آدمی تھے۔ ان میں آپ ﷺ کے تمام چچا ''ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب شامل تھے۔ میں نے ان کے آگے کھانے سے لبالب بھرا وہ برتن رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے چھری سے گوشت کاٹنا شروع کیا۔ پھر برتن چاروں اطراف ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لے کر شروع کرو۔ سب لوگوں نے کھانا کھایا اور شوربہ پی لیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبدالمطلب! اللہ کی قسم! مجھے کسی ایسے نوجوان کے متعلق علم نہیں جو اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر چیز لایا ہو جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ بے شک میں تمہارے لیے دنیا وآخرت کی بھلائی لایا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ پس تم میں سے کون میری اس معاملے میں مدد کرے گا۔ تاکہ وہ میرا بھائی بن جائے؟ پھر جو کچھ آپ ﷺ کی دعوت کے ساتھ ہوا اس کا تفصیل سے تذکرہ کتب سیرت وتاریخ میں موجود ہے۔ ابولہب کے علاوہ سب نے مختلف طریقوں سے آپ ﷺ کی مدد کی۔

رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کرنے والا، ایفائے عہد کرنے والا اور رحمدل کوئی نہیں۔

آپ ﷺ اپنے خاندان کے ہر فرد کے حالات کے متعلق باخبر رہتے یا جو کوئی بھی کسی معمولی سے طریقے سے آپ ﷺ سے مربوط ہوتا، چاہے وہ قرابت کی وجہ سے ہو یا نسب کی وجہ سے۔ قریب کا ہو یا دور کا۔ ان میں سے ہر شخص آپ ﷺ کے فضل و مرتبت کا معترف ہوتا اور بدلے میں ان پر جو کچھ واجب ہوتا وہ بھی سب کو معلوم تھا۔ اس کے پہلو بہ پہلو آپ ﷺ اپنے تمام قرابت داروں کے ساتھ پورے خلوص قلب کے ساتھ محبت کرتے۔ آپ ﷺ کے دل میں ان کی جو محبت ہوتی اس کو کھول کر بیان کر دیتے۔ تاکہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کے باہمی روابط مضبوط ہو جائیں۔

آپ ﷺ عقیل بن ابی طالب سے فرماتے: اے ابو یزید! میں دوبارہ تمہارے ساتھ محبت کرتا ہوں اور دوسری بار تیرے ساتھ اس لیے محبت کرتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے میرا چچا تمہارے ساتھ کتنی محبت کرتا تھا۔

جب آپ ﷺ کے کسی قریبی پر کوئی مصیبت آتی تو آپ ﷺ اس پر خصوصی شفقت و رحمت فرماتے اور اس کی مدد کے لیے فوراً سرگرم ہو جاتے۔ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے چچا

ابوطالب کثرت عیال کے باعث فاقہ کشی اور مشقت اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔

آپ ﷺ نے اس کے متعلق غور و فکر کرنا شروع کیا کہ میں اپنے چچا کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں کیونکہ طویل عرصہ تک وہی آپ ﷺ کی سر پرستی کرتا رہا اور آپ ﷺ کی تربیت و پرورش کا بوجھ اٹھاتا رہا۔ بلکہ جب تک آپ ﷺ جوان ہو گئے اور اپنے ازدواجی گھر میں منتقل ہو گئے، تب تک چچا ہی آپ ﷺ کی کفالت کرتا رہا۔ آپ ﷺ نے بھی اپنے گھر میں منتقل ہونے کی جلدی کی تا کہ آپ ﷺ کا بوڑھا چچا نفسیاتی طور پر مجروح نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے دل میں سوچ لیا کہ کس طرح اپنے چچا کی نیکی کا کچھ بدلہ چکایا جا سکتا ہے۔ پھر زیادہ دیر نہ گزری کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بالکل نئی سوچ کا الہام کیا اور آپ ﷺ نے اس سوچ پر عمل کرنے کے لیے اپنے دوسرے چچا عباس کے پاس جانے میں جلدی کی۔ جو آپ ﷺ کا ہم عمر تھا بلکہ آپ ﷺ سے کچھ بڑا ہی تھا، لیکن بنو ہاشم میں سب سے زیادہ خوشحال تھا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اے عباس! بے شک تمہارا بھائی ابوطالب کثیر العیال ہے اور تمہیں اچھی طرح معلوم ہے، اس شدت کے وقت لوگوں کا کیا حال ہے۔ لہٰذا تم ہمارے ساتھ اس کے پاس آؤ۔ ہم کوشش کریں کہ اس سے اس کا ایک بیٹا میں لے لوں اور ایک بیٹا تم لے لینا۔ ہم اس سے ان دونوں کے ذریعے اس کا بوجھ ہلکا کریں گے۔ اس طریقے سے جعفر بن ابی طالب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئے اور اس کے بھائی علی رضی اللہ عنہ کی کفالت کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذمہ لی۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے، پھر اس کا معاملہ جو ہوا سو ہوا۔

نبی اکرم ﷺ اپنے قرابت داروں کی مسلسل خبر گیری کرتے، ان کے بیمار کی عیادت کرتے، اپنا دایاں ہاتھ اس پر رکھتے اور یوں دعا فرماتے:

''اے لوگوں کے رب! تو بیماری لے جا، تو شفا دے، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں ہے۔ وہی حقیقی شفا ہے جو بیماری کو نہیں چھوڑتی۔'' [بخاری: ۵۷۴۳۔

مسلم: ۲۱۹۱]

آپ ﷺ ان کو ایسی دعائیں سکھاتے جو انہیں اللہ کے قریب کرتیں اور آفات سے بچاتیں۔

آپ ﷺ نے اپنی کسی بیٹی سے فرمایا: تو جب صبح کرے تو یہ دعا کیا کر۔ اللہ تعالیٰ اپنی تعریفات کے ساتھ پاک ہے۔ اللہ کے بغیر کسی میں (کچھ کرنے کی) طاقت نہیں۔ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ تو یقین کر لے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

یہ دعا جو صبح کرتے ہوئے پڑھے وہ شام تک (ہر مصیبت سے) محفوظ ہو جاتا ہے اور جو شام کے وقت یہ پڑھے وہ صبح ہونے تک محفوظ ہو جاتا ہے۔[ابو داؤد: ۵۰۷۵]

محبت کے اس انداز کے باوجود نبی اکرم ﷺ اپنے قرابت داروں کے متعلق بہت ڈرتے تھے اور آپ ﷺ کا ان سے مطالبہ ہوتا کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح ہی شریعت کا التزام کریں۔ آپ ﷺ فرماتے لوگ جب میرے پاس اپنے اعمال لے کر آئیں تو تم اپنا نسب لے کر مت آنا۔

اور آپ ﷺ کے قرابت داروں پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اگرچہ انہیں عظیم فضیلت و مرتبت حاصل تھی۔ پھر بھی وہ عام مسلمانوں کی طرح نیک اعمال ہی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہی فرمایا: اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

اور اللہ کی پناہ کہ وہ ایسا کام کرلے، وہ ہمیشہ عظیم اعمال ہی سرانجام دیتی رہی۔ صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے متعلق آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اے بنو ہاشم کی جماعت! اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ اے بنو عبدالمطلب کی جماعت! اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو آگ

سے بچالے۔ رہا میں! تو اللہ کی قسم! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ذرہ بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔ ہاں البتہ تمہاری میرے ساتھ قرابت داری ہے۔ میں اس صلۂ رحمی کے واسطے سے تمہیں فائدہ پہنچاؤں گا۔ [بخاری ومسلم]

اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

اے فاطمہ بنت محمد ﷺ، اے صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا، اے بنوعبدالمطلب! میں اللہ سے تمہیں ذرہ بھر فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میرے مال سے تم جو چاہو مانگ لو۔

نبی اکرم ﷺ اپنے اہل بیت کی فضیلت کے معترف تھے۔ وہ سب کے سب اپنی استطاعت کے مطابق اعمال صالحہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو جائے۔

درج ذیل سطور میں ان کے متعلق آپ ﷺ کے موقف کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی آپ ﷺ کے دل میں عظیم قدر و منزلت راسخ تھی۔ اس نے آپ ﷺ کی ابتدائی عمر میں جو تربیت کی تھی، وہ آپ ﷺ کبھی نہ بھولے اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم لکھ آئے ہیں کہ آپ ﷺ کے بچپن میں اس خاتون نے آپ ﷺ کی کیسے نگہداشت کی تھی۔ آپ ﷺ اس کی وفات تک اس کے ساتھ احسان اور صلۂ رحمی کا سلوک کرتے رہے اور جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے پاس آگئی تو آپ ﷺ کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ آپ ﷺ نے اس کی ہر طرح سے تکریم کی اور جب اس کے پاس پیغام اجل پہنچ گیا تو آپ ﷺ کو اس کا انتہائی حزن و ملال ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے جنازہ میں سب سے اچھی دعا کی۔ پھر آپ ﷺ نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اپنے دل میں اس کی قدر و منزلت کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی قمیض میں اسے کفن دیا اور جنت البقیع الغرقد

میں اس کے لیے قبر کھودی گئی جو اہل مدینہ کا قبرستان ہے۔تو آپ ﷺ بذات خود اس میں اترے اور اس کو وہاں رکھنے سے پہلے آپ ﷺ اس کی لحد میں لیٹ گئے تا کہ رحمت کے فرشتے آنے والی میت کو ڈھانپ لیں۔

اور جب نبی اکرم ﷺ اس کی قبر سے باہر نکلے تا کہ لوگ اس نیک خاتون کی میت کو لحد میں اتاریں اور پھر اس پر مٹی ڈالیں تو آپ ﷺ کو اندازہ ہوا کہ لوگوں کی نظریں آپ ﷺ کی منتظر ہیں۔گویا وہ آپ ﷺ سے پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ جو کچھ آپ ﷺ نے آج کیا ہے،اس سے پہلے آپ ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کیا،اس کا کیا سبب ہے؟ تو آپ ﷺ اس خاتون کے لیے احسن انداز سے استغفار کرنے لگے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔آپ ﷺ کو وہ خوشگوار یادیں رلا رہی تھیں جو اس نیک خاتون کے زیر تربیت رہ کر آپ ﷺ کو حاصل ہوئی تھیں۔آپ ﷺ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں:ابوطالب کے بعد اس عورت سے بڑھ کر میرے ساتھ احسان کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

نبی اکرم ﷺ اپنے تمام چچاؤں کی جلالت کے قدر دان تھے۔آپ ﷺ ہمیشہ ان کے لیے بھلائی کے طالب رہے اور آپ ﷺ کو ہمیشہ اندیشہ رہتا کہ کہیں آپ ﷺ کے کسی چچا پر کوئی آفت نہ آ جائے۔

عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں معرکہ بدر میں آپ ﷺ کا عجیب وغریب مؤقف سامنے آیا۔جب آپ ﷺ کو اندازہ ہوگیا کہ عنقریب آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ قریش کی جانب سے قتال کریں گے۔آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان مجاہدین اسے قتل نہ کردیں یا کوئی مجاہد اسے زخمی نہ کردے۔تو آپ ﷺ نے سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ گر میرا چچا عباس رضی اللہ عنہ ان میں سے کسی کے وار کے نیچے آ جائے تو وہ اس سے تعرض نہ کرے اور نہ

اسے کوئی نقصان پہنچائے۔

یہ ہدایات آپ ﷺ نے اس لیے دیں کہ عباس رضی اللہ عنہ نے مکہ میں رہتے ہوئے کبھی کسی مسلمان کو کوئی گزند نہ پہنچائی اور بدر کی طرف صرف اپنے قومی تعصب کی بنا پر قوم والوں کے ساتھ شامل ہوئے۔ یہ ان کے ساتھ اپنے بھتیجے اور ان کے ساتھیوں سے نفرت یا ان کی عداوت کی وجہ سے شامل نہیں ہوئے۔ مزید برآں نبی اکرم ﷺ ان کے دل کو اسلام کے قریب سمجھتے تھے۔

اور جب معرکہ حق و باطل ہوا اور معرکہ سے دور عباس رضی اللہ عنہ قیدی بن کر آئے تو نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا بڑا دکھ ہوا۔ آپ ﷺ کا اطمینان ختم ہو گیا اور جب بیڑیوں میں جکڑے عباس رضی اللہ عنہ کی آہ و زاری آپ ﷺ سنتے تو آپ ﷺ سو نہ سکتے تھے۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ کی اتنی رسوائی کبھی نہ دیکھی تھی۔ وہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کی گزر بسر اعلیٰ درجے کی تھی۔

جب آپ ﷺ کی پریشانی آپ ﷺ کے چہرے سے ظاہر ہوتی تھی تو آپ کو کہا جاتا: اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ رات بھر سوئے کیوں نہیں؟ آپ ﷺ فرماتے میں عباس رضی اللہ عنہ کی چیخ و پکار سن کر رات سو نہ سکا۔ چونکہ مجاہدین نے عباس رضی اللہ عنہ کی بندشیں سخت کر دی تھیں۔ ایک آدمی اٹھا اور اس نے عباس رضی اللہ عنہ کو قید سے آزاد کر دیا۔ تب عباس کی آہ وزاری ختم ہو گئی۔ نبی اکرم ﷺ تعجب سے پوچھنے لگے: کیا ہو گیا میں عباس کی چیخ و پکار نہیں سن رہا۔ آپ ﷺ کو ان کے متعلق کسی بری خبر کا اندیشہ ہونے لگا کہ جس کی وجہ سے ان کی آواز نہیں آتی۔

ایک آدمی نے کہا: میں نے اس کی بندشیں کھول دی ہیں۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ کا چہرہ پر رونق ہو گیا اور آپ ﷺ کو دلی طور پر سکون میسر آ گیا لیکن زیادہ دیر نہ گزری کہ آپ ﷺ نے اس آدمی کو کہا: ”تم تمام قیدیوں کی بیڑیاں اسی طرح کھول دو۔“

عباس رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو نبی اکرم ﷺ نے دلی فرحت محسوس کی۔ وہ اسلام لائے تو ان کے مقام کا اعتراف کیا گیا اور آپ ﷺ نے خود مسلمانوں کو اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی اہمیت بتلائی اور آپ ﷺ ان کی خصوصی تکریم کرنے لگے۔ آپ ﷺ فرماتے:

یہ میرے چچا ہیں اور چچا باپ کی طرح ہوتا ہے۔ یہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو قریش میں سب سے زیادہ سخی ہیں اور سب سے بڑھ کر صلۂ رحمی کرنے والے ہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم ﷺ کے پاس خاص قدرومنزلت بھی اس لیے تمام مسلمان ان کی بلند شان کے معترف تھے اور ان کی عظمت کے قائل تھے۔ یہاں تک کہ جب عباس رضی اللہ عنہ کا گزر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما پر سے ہوتا اور وہ دونوں گھوڑے پر سوار ہوتے تو وہ گھوڑے سے اتر پڑتے یہاں تک کہ عباس رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزر جاتے۔ یہ سلوک صرف ان کی جلالت شان کی وجہ سے ہوتا۔ وہ دونوں کہتے نبی اکرم ﷺ کے چچا آرہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے اسلام کے کس قدر متمنی تھے، یہ سب کو معلوم اور مشہور ہے۔ آپ ﷺ ان کے لیے ہر قسم کی خیر کے طلبگار تھے۔ آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ شرک پر ہی نہ مرجائیں۔ اس لیے آپ ﷺ اپنی دعوت میں نہایت گریہ گزاری کرتے اور ان سے کہتے کہ وہ شہادتین کی گواہی دے دیں۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کو کہا: اے پیارے چچا: آپ اس کلمہ کا اقرار میرے کان میں کردیں اور جب وہ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کو بڑا افسوس ہوا۔ جس سال وہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تاریخ اسلام میں اس سال کو ''غم کا سال'' کہا جاتا ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نبی اکرم ﷺ کے ہاں ان کی بڑی ہی قدرومنزلت تھی۔ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ یہ آپ ﷺ کی ہونہار بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند ہیں۔ اس لیے بھی آپ ﷺ

ان کے ساتھ خاص عنایت کا برتاؤ رکھتے تھے۔ معرکۂ بدر کے بعد ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کو گم پایا، وہ بڑے پریشان ہوئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو چاروں طرف تلاش کیا۔ بالآخر انہیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے چچازاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے راز و نیاز میں مصروف ہیں۔

آپ ﷺ نے بڑی چاہ سے کہا: ابوالحسن کو پیٹ میں مروڑ اٹھے تو میں اس وجہ سے ان کے ساتھ تھا اور دیر ہو گئی۔

آپ ﷺ اکثر طور پر علی رضی اللہ عنہ کے لیے صدق دل سے دعا گو رہتے۔ آپ ﷺ انہیں اپنے قریب کرتے، انہیں اپنا ہم راز بناتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کے سینے پر تھپکی دی اور یہ دعا دی:

"اے اللہ! تو اس کے دل کو ہدایت دے اور اس کی زبان کو پختگی عطا فرما۔"

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے نفرت کی گویا اس نے مجھ سے نفرت کی۔ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو اذیت دی گویا اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی گویا اس نے اللہ کو اذیت دی جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

[الاحزاب: ۳۳]

"بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تاکہ اہل بیت تم سے نجاست دور کر دے اور وہ تمہیں پاک کر دے' پاک کرنا۔"

تو آپ ﷺ نے فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بلایا۔ آپ ﷺ چونکہ وہیں تھے۔ آپ ﷺ نے مناسب نہ سمجھا کہ اہل بیت کی دعوت ذرا مؤخر کر دی جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان کو جلد از جلد بشارت دینے کا ارادہ کیا اور جو

کچھ ان کے بارے میں نازل ہوا تھا ان کو سنا کر خوش کرنا چاہتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! بے شک یہ میرے گھر والے ہیں۔ پس تو ان سے نجاست دور کر دے اور ان کو پاک کر دے، پاک کرنا۔''

اور جب آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخات قائم کی تو علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا اور اسے فرمایا: تو میرا بھائی اور میرا صحابی ہے۔

آپ ﷺ نے ان کے متعلق مزید فرمایا: میں جس کا دوست ہوں، علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! تو اس کو دوست بنا جو علی رضی اللہ عنہ کو دوست بنائے اور تو اس کے ساتھ عداوت رکھ جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عداوت رکھے گا۔

سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

نبی اکرم ﷺ اس قدر غیرت کے ساتھ حزن وملال میں کبھی نہ دیکھے گئے۔ جس طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ ﷺ کو دیکھا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ سخت الم و غضب کی حالت میں تھے۔ خاص کر جب آپ ﷺ نے اپنے چچا کا کٹا پھٹا جسم غزوۂ احد کے میدان میں دیکھا۔ جن کا مثلہ کر دیا گیا تھا اور انتڑیاں اور جگر باہر نکال دیے گئے تھے اور ان کا پاکیزہ بدن زخموں سے چور تھا۔ کان کاٹ دیے گئے تھے، ناک کاٹ دیا گیا تھا، آنکھیں نکال دی گئی تھیں۔ آپ ﷺ اس حالت میں صرف اتنا ہی کر سکے کہ آپ ﷺ نے ان کے قاتل کے لیے بددعا کی۔ کیونکہ یہ منظر ہی بڑا دردانگیز اور رقت آمیز تھا۔ آپ ﷺ ان پر رو پڑے۔

ان کو دفنانے سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے ان کی کئی مرتبہ نماز جنازہ پڑھی۔ جب بھی کوئی شہید آپ ﷺ کے پاس لایا جاتا، اس کی نماز جنازہ پڑھتے وقت آپ ﷺ حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے۔

آپ ﷺ نے اپنے شکستہ دل سے فرمایا:

''اے چچا! اللہ آپ پر رحم کرے۔ بے شک آپ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ خیرات کے کام کرتے تھے۔ تمہارے غم جیسا غم اور تمہاری مصیبت جیسی مصیبت میں کبھی نہ دیکھوں گا۔ اور میں آپ جیسے الم انگیز منظر پر آج سے پہلے کبھی نہیں ٹھہرا اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش پر کسی میدان میں غلبہ عطا کیا تو میں ضرور ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے جونہی یہ دعا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لے کر حاضر ہو گئے:

﴿ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ٥ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ٥ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ٥ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴾

[النحل: ۱۲۵ تا ۱۲۸]

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔ بے شک تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔ اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے اور بلاشبہ اگر تم صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اور صبر کر اور نہیں تیرا صبر مگر اللہ کے ساتھ اور ان پر غم نہ کر اور نہ کسی تنگی میں مبتلا ہو، اس سے جو وہ تدبیریں کرتے ہیں۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈر گئے اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں۔''

یہ فرمان سن کر نبی اکرم ﷺ پرسکون ہو گئے۔ آپ ﷺ نے خود بھی صبر کیا اور حمزہ رضی اللہ عنہ

کے لیے خصوصی دعا فرمائی اور انہیں ''سید الشہداء'' اور ''اسد اللہ'' یعنی شہیدوں کا سردار اور اللہ کا شیر کے لقب عطا فرمائے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے مقربین صحابہ میں سے تھے اور انہیں آپ ﷺ کے اہل بیت میں ہی شمار کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ ان کے لیے یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! ان میں برکت فرما اور ان کے ذریعے اپنے دین کو پھیلا۔''

ایک بار آپ ﷺ نے انہیں اچھی طرح چھی ڈالی اور یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ ان کو حکمت عطا فرما۔''

آپ ﷺ نے انہیں دوبارہ بلایا اور ان کے منہ میں تر پھونک دی اور یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور انہیں کتاب اللہ کی تفسیر عطا فرما۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دعاؤں کو قبول کیا اور ان کے متعلق آپ ﷺ کی آرزوؤں کو پورا کیا اور آپ ﷺ کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا کہ ''یہ شخص اس امت کا فقیہ ثابت ہوگا اور عقل وشوکت کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہوگا۔

جب نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میں فہم و فطانت دیکھی تو آپ ﷺ اپنے قرابت داروں میں سے ان کو زیادہ نصائح وارشادات عطا فرمانے لگے اور انہیں اپنے قریب رکھنے لگے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ایک بار نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھینچا تا آنکہ اپنے برابر کھڑا کیا۔ جب آپ ﷺ اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو میں پیچھے ہٹنے لگا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھ سے پوچھا تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ کیا کسی کو آپ ﷺ کے برابر نماز

پڑھ لینی چاہیے جبکہ آپ ﷺ ''رسول اللہ'' ہیں۔ آپ ﷺ نے میری بات سن کر مجھے یوں دعا دی۔ اے اللہ! تو اس کے علم وفہم میں اضافہ فرما۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہی شان نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہی۔ آپ ﷺ سیدنا عبداللہ کو بلاتے، اپنے قریب کرتے، ان کے سر پر شفقت سے اپنا ہاتھ پھیرتے اور انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیتے اور آپ ﷺ ان پر جس قدر ہوتی اپنی محبت وشفقت نچھاور کرتے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک بار نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجا وہ گئے اور پھر لوٹ آئے اور اپنے باپ کو بتایا۔ میں نے آپ ﷺ کے پاس ایک اجنبی آدمی دیکھا ہے۔ میں اسے نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟

عباس رضی اللہ عنہ فوراً آپ ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ کو اپنے بیٹے عبداللہ کی بات بتائی۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں بلایا، انہیں اپنی گود میں بٹھایا اور ان کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے علم میں اضافے کے لیے دعا فرمائی۔

گزشتہ صفحات میں نبی اکرم ﷺ کا سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کر کے ان کو آپ ﷺ کی وصیت کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ اپنے چچازاد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ ﷺ ان سے ان کی سبقت اسلام کی وجہ سے خصوصی محبت کیا کرتے تھے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ نے جس گھر میں طویل عمر تک پرورش پائی تھی اور آپ ﷺ نے اپنے بچپن سے لے کر جوانی تک عمر عزیز کے اہم مراحل وہاں گزارے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ اس گھر کے ہر فرد کے لیے وفادار اور مخلص تھے اور اس کے تمام افراد کو آپ ﷺ ہمیشہ خیر کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ جب جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے اور مدینہ منورہ میں

رسول اللہ ﷺ سے آ کر ملے تو آپ ﷺ کو ان کی آمد کی بہت زیادہ خوشی ہوئی جس کی مقدار کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

جس دن حبشہ سے قافلہ واپس مدینہ پہنچا اسی دن فتح خیبر سے مجاہدین واپس آئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کا استقبال کیا۔آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور آپ ﷺ نے اپنا مشہور فرمان جاری کیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجھے فتح خیبر سے زیادہ خوشی ہوئی یا آمد جعفر رضی اللہ عنہ سے ۔لیکن نبی ﷺ کو یہ خوشی جو آپ ﷺ کے چچا کی وجہ سے ہوئی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔

چنانچہ جعفر رضی اللہ عنہ شام کے قریب غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے۔آپ ﷺ کو ان کی شہادت کا عظیم صدمہ ہوا۔آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے معرکہ کی تفصیل اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتائی اور اس طرح بتائی گویا صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی آنکھوں سے معرکہ کا نظارہ فرما رہے ہیں۔

پھر نبی ﷺ نے فوراً ہی جعفر رضی اللہ عنہ کے ننھے بچوں کو یاد کیا اور آپ ﷺ نے ان کے ساتھ رحم دلی کا اظہار فرمایا۔آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔جب آپ ﷺ گھر کے اندر گئے تو آپ ﷺ نے جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم جعفر رضی اللہ عنہ کے بچے میرے پاس لاؤ۔آپ ﷺ نے ان کو اپنے قریب کر لیا، ان کو سونگھنے اور اپنے ساتھ لٹانے لگے اور ان پر شفقت کی وجہ سے آپ ﷺ کی آنکھیں بہنے لگیں۔

جب جعفر کی شہادت کو تین دن گزر گئے تو آپ ﷺ نے ان کے گھر والوں کو فرمایا: آج کے بعد تم میرے بھائی پر مت رونا۔چھوٹے بچوں کو منگوایا اور حجام کو بھی منگوایا۔ اس نے بچوں کے سر مونڈ دیے ۔وہ آپ ﷺ کے پاس تین دن تک رہے۔آپ ﷺ مسلسل ان کو نصیحت اور تزکیہ و تربیت فرماتے رہے اور ان کے آرام کا خیال کرتے رہے۔ تا کہ ان کا غم غلط ہو گیا۔

آپ ﷺ نے ان کو نئی زندگی کے ساتھ جینے اور چلنے کے لیے تیار کیا۔تاکہ مصیبت ان کے دلوں میں پیوست نہ ہو جائے۔[ابو داؤد:۱٤۹۲]

ایک ماہ کے بعد غزوۂ موتہ سے مجاہدین واپس آئے۔لوگ ان کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر نکل آئے اور بچوں کی دائمی عادت کی بنا پر بڑوں کے ساتھ بچے بھی وہاں گئے۔رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر باہر نکلے۔آپ ﷺ کو ان بچوں پر ترس آ گیا۔آپ ﷺ تمام بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے،آپ ﷺ کی کوشش ہوتی کہ بھیڑ کے درمیان بچوں کی حفاظت کی جائے۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو کہا:بچوں کو اپنے ساتھ رکھو اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس لاؤ۔وہ آئے تو آپ ﷺ نے اسے اپنی سواری پر اپنے آگے سوار کر لیا۔آپ ﷺ اسے تسلی دینے لگے۔آپ ﷺ اس کے باپ کے بدلے میں اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔وہ چونکہ اپنے باپ کی واپسی کی امید لے کر آیا تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کے باپ کے بعد اس کے باپ ٹھہرے۔یعنی باپ کی سی شفقت صرف رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہی ان کو ملی۔

نبی اکرم ﷺ کی شفقت کا یہ انداز تھا کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور یوں دعا فرمائی:

''اے جعفر کی اولاد!میں تو ان کا جانشین بن جا اور عبداللہ کے ہاتھ کی کمائی میں برکت فرما اور دنیا و آخرت میں میں ان کا سرپرست ہوں۔''

اکثر اوقات جب نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر گزرتے،جب آپ ﷺ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو اپنے آگے سوار کر لیتے۔

سیدنا ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

یہ نبی اکرم ﷺ کے سب سے بڑے چچا کے بیٹے تھے۔ان کا باپ حارث اپنی جوانی

کے زمانے میں اپنے باپ عبدالمطلب کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا اور ان کا بیٹا ابوسفیان نبی اکرم ﷺ کا رضاعی بھائی تھا، ان دونوں کو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا۔

ابوسفیان شاعر تھا۔ جب دعوت اسلامی کا غلغلہ بلند ہوا اور میدان جہاد میں ہتھیاروں اور مجاہدین کے ہمراہ شعراء بھی آ گئے تو ابوسفیان بن حارث اسلام کی ہجو میں شعر کہنے لگا۔ وہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی ہجوگوئی کرتا تھا۔ حتی کہ نبی اکرم ﷺ کو اذیت پہنچتی بلکہ اتنی اذیت آپ ﷺ کو دیگر مشرکین شعراء کی ہجوگوئی سے نہ ہوتی، جتنی اذیت ابوسفیان بن حارث کے اشعار سے ہوتی، کیونکہ یہ آپ ﷺ کا چچازاد اور رضاعی بھائی تھا۔

حسان بن ثابت اور دیگر اسلامی شعراء رضی اللہ عنہم نے اس کی ہجوگوئی کا منہ توڑ جواب دیا اور رسول اللہ ﷺ کا بھرپور دفاع اور آپ ﷺ کی مدد کی۔ جب فتح مکہ کے دن ابو سفیان بن حارث نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس کے ہجوگوئی پر مشتمل اشعار کے باوجود اس کا اسلام قبول کرلیا۔

پھر یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے اسے اپنا محبوب بنالیا اور اسے جنت کی بشارت دی اور اس کے لیے فرمایا: مجھے امید ہے کہ یہ حمزہ (رضی اللہ عنہ) کا جانشین بنے گا۔ نبی اکرم ﷺ کی امید سچ ثابت ہوئی۔ چونکہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں بڑی عمدگی سے آزمائش میں پورا اترے۔ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جو شدید معرکہ آرائی کے وقت ثابت قدم رہے، وہ ان لوگوں کے ساتھ فرار نہیں ہوا جو میدان چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔ اگرچہ جو کچھ ہوا سب کچھ اچانک ہوا کسی کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا اور جو کچھ ہوا وہ سب خلاف توقع تھا۔ ان کے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام نہیں چھوٹی۔ جس پر آپ ﷺ سوار تھے۔ انہوں نے اس دن آپ ﷺ کا دلیری سے دفاع کیا۔ نبی ﷺ نے ان کے متعلق ایک بار فرمایا: ابوسفیان رضی اللہ عنہ میرے بہترین اہل میں سے ہے۔

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا

نبی اکرم ﷺ ابوطالب کے گھر والے سب مردوں اور خواتین ان کا احترام کرتے تھے اور آپ ﷺ سب کی جلالت و عظمت کے قائل تھے۔ آپ ﷺ کا دل ہمیشہ اس کے گھر کی طرف لپکتا تھا۔

باوجودیکہ ابوطالب کی بیٹی ام ہانی رضی اللہ عنہا فتح مکہ والے سال تاخیر سے اسلام لائی۔ نبی ﷺ اس سے بہت پہلے ہی ام ہانی رضی اللہ عنہا کے لیے بھلائی کی امید کرتے تھے۔ آپ ﷺ اس کے گھر جا کر قیلولہ فرماتے۔

شب اسراء و معراج آپ ﷺ ام ہانی رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے اپنی سیر کے متعلق بتایا تو وہ بڑی ہی حیران ہوئی۔ جب آپ ﷺ نے وہاں سے روانگی کا ارادہ کیا تو اسے اندیشہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اگر اس بات کا اعلان گروہ قریش کے سامنے کیا تو کوئی انہونی نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس نے آپ ﷺ کا کپڑا پکڑ لیا اور آپ ﷺ کو روکنا چاہا۔

پھر جب فتح مکہ والے سال ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی کو پناہ دی تو اسے اندیشہ ہوا کہ عین ممکن ہے رسول اللہ ﷺ میری پناہ کو تسلیم نہ کریں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے مکان پر آئی۔ آپ اس وقت غسل فرمارہے تھے اور آپ ﷺ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے آگے پردہ تانا ہوا تھا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر دی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی پناہ کو رد نہیں کیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اے ام ہانی! تو نے جس کو پناہ دی ہے، ہم نے بھی اسے پناہ دے دی۔

آل حلیمہ رضی اللہ عنہا

نبی اکرم ﷺ کی وفا اپنی قریبی اولاد سے تجاوز کر کے آپ ﷺ کے دور کے رشتہ داروں تک پھیل گئی۔ آپ ﷺ کے ساتھ احسان کا جس کی طرف سے کم از کم صلہ یا رابطہ

تھا، آپ ﷺ ہمیشہ اس کے ساتھ نیکی اور احسان فرماتے۔ چاہے وہ صلہ قرابت کا ہوتا یا رضاع کا چاہے کوئی بڑا ہو یا چھوٹا۔ اس نے کسی قسم کی نیکی آپ ﷺ کے ساتھ کی، آپ ﷺ ضرور بدلے میں اس کے ساتھ نیکی کرتے اور اس کے احسان کا بدلہ احسان سے دیتے۔

اسی وجہ سے آپ ﷺ اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی تکریم کرتے۔ بلکہ آپ ﷺ نے اس کی اولاد کی ہمیشہ تکریم وتشریف بجالائی۔

جب حلیمہ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کی خبر سنی تو وہ خوشی خوشی آپ ﷺ کو مبارک باد دینے کے لیے مکہ آئی کیونکہ آپ ﷺ کی خوشی میں اس کی بھی خوشی تھی۔ آپ ﷺ کو بھی اس کی آمد کی انتہائی خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے محفل منعقد کی اور اس کا حال احوال پوچھا، تب اس نے قحط اور خشک سالی کا شکوہ کیا۔ نیز فاقہ کشی اور قلت زاد کی بابت بتایا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ اس کا خاوند مہمان خاتون کی تکریم میں مگن ہے تو وہ بھی اس کی خدمت میں لگ گئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسے بیس موٹی تازی بکریاں، تنومند اونٹنیاں تحفہ میں دیں، ان کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ نے اسے سواری کے لیے لحیم وشحیم اونٹ عطا کیا، تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر اپنے وطن اور اپنے قبیلے والوں کے پاس پہنچ جائے۔

جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچی تو نہایت مسرور تھی اور اس کا دل مکہ میں ہی رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھ فخر الموجودات نے جو سلوک کیا، اس پر وہ فخر کرتی تھی۔ غزوۂ حنین میں نبی ﷺ نے مجاہدین کو حلیمہ رضی اللہ عنہا کی قوم بنو سعد کا ایک شخص بجاد نامی حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اس نے اپنی حرکات سے مسلمانوں کی صفوں کو چیر کر رکھ دیا تھا۔ جلد ہی وہ مجاہدین کے قابو میں آ گیا۔ مجاہدوں نے اس کو اس کے تمام اہل خانہ سمیت معا نکالا گیا، ان کے ساتھ شیما بنت حارث نامی ایک عورت بھی تھی۔ سیاق واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین

نے اس عورت کی مشکیں خوب کس کر باندھیں۔ وہ کہنے لگی: تم نہیں جانتے اللہ کی قسم! میں تمہارے نبی ﷺ کی رضاعی بہن ہوں۔ جو اسے کھینچ کر لا رہے تھے، انہوں نے اس کی بات کو سچ نہ جانا بلکہ وہ کہنے لگے یہ ہماری سختیوں سے چھٹکارا پانے کے لیے ایسے کہہ رہی ہے۔ بہرحال مجاہدین اس عورت کو اس کی قوم کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آئے۔ جب وہ بندھے ہاتھوں آپ ﷺ کے سامنے آئی تو آپ ﷺ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ آپ ﷺ کی تصویر اور نقش ونگار سے اس کی آنکھیں بھر گئیں اور تقریباً پچاس برس قبل کی یادیں دہرانے لگی۔ جب وہ اس رسول ﷺ کے ساتھ اپنے بچپن میں بنوسعد کے صحراؤں میں بھاگ دوڑ کرتی تھی۔ اس کے ساتھ کھیلتی تھی۔ اسے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ وہ زور زور سے چلانے لگی۔ حالانکہ وہ بھی قیدیوں کے ہمراہ تھی لیکن طویل مسافت اور پہاڑی پگڈنڈیوں کی وجہ سے تھک کر نڈھال ہو چکی تھی۔

وہ کہنے لگی: یارسول اللہ! میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیما بنت حلیمہ سعدیہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا مان رکھ لیا۔ اس کی بات سن کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور آپ ﷺ نے چاہا کہ جو بات وہ کہہ رہی ہے، اس کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہیے تا کہ اس کی بات پر اعتماد کیا جا سکے۔ آپ ﷺ نے محبت بھرے انداز میں کہا: اس بات کا کیا ثبوت ہے؟

عورت حیران و پریشان ہو کر سوچنے لگی: وہ اپنے ذہن کو پچاس سال پر محیط ماضی میں دوڑا رہی تھی۔ اس نے اچانک دفور جذبات سے سرشار ہو کر کہا:

اے اللہ کے نبی! کیا آپ ﷺ کو وہ دن یاد ہے، جس دن ہم خیموں کے قریب کھیل رہے تھے جو ہمارے خاندان بنوسعد کے خیمے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو اپنے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے محبت سے میری پشت پر کاٹ لیا تھا؟ اصحاب رسول ﷺ

یہ قصہ لہہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ پھر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوؤں رم جھم ہونے لگے۔ جو بچپن کی پاکیزہ اور شیریں یادوں کے مناظر دیکھنے لگی تھیں۔

آپ ﷺ نے شیما کو اپنے قریب کر لیا اور اسے خوش آمدید کہا اور آپ ﷺ نے اپنے اوپر سے اپنی کملی اتار کر زمین پر بچھائی اور شیما کو اس کے اوپر بٹھا دیا۔ پھر آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ اجنبی لوگوں کی طرف سے اس عزت وحوصلہ افزائی سے پھولے نہ سماتی تھی۔

جب نبی عظیم ﷺ نے اسے اہمیت دی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسے عزت و تکریم دی۔ اس کے چہرے سے یہ عیاں ہو رہا تھا گویا وہ ان لوگوں کا منہ چڑا رہی تھی جو اس پر سختی کر کے یہاں لائے تھے، وہ انہیں کہہ رہی تھی۔ کیا تم نے دیکھ لیا تم نے مجھے کس قدر رسوا کیا اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے میری کس قدر عزت افزائی کی۔

رسول اللہ ﷺ نے شیما کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے میری بہنا! اگر تو چاہے تو میرے پاس پوری محبت و تکریم کے ساتھ رہ اور اگر تو چاہے تو میں تجھے اپنی قوم کے پاس بھیجنے کے لیے تیار کرتا ہوں۔ اتنی عزت افزائی کے بعد شیما ہشاش بشاش ہو گئی۔ جس تھکن اور مشقت سے وہ گزری تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی پسند کے انتخاب کا موقع دیا تو وہ ہکا بکا ہو گئی۔ بالآخر اس پر اپنے قبیلہ کی محبت اور شوق غالب آ گئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کچھ ایسے افراد بھی ہوں جنہیں اس کی خدمات و اہتمام کی ضرورت ہو۔ اس نے پورے وقار سے کہا: یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کی طرف لوٹ کر جاؤں گی۔

نبی اکرم ﷺ نے بڑی حسرت سے اپنی رضاعی بہن کو الوداع کیا۔ آپ ﷺ نے

اس پر احسان کرتے ہوئے اس کی خدمت کے لیے تین غلام اور ایک کنیز اس کے ہمراہ بھیجی۔ تاکہ وہ شیما کے کام کریں۔ نیز آپ ﷺ نے اسے چوپائے اور بکریاں دینے کا بھی حکم فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ آل حلیمہ کے ساتھ بار بار احسان فرماتے رہے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک عمر رسیدہ بوڑھا شخص آیا، جب آپ ﷺ نے اسے بحیثیت رضاعی باپ کے پہچان لیا تو آپ ﷺ اس کے احترام میں اٹھے اور اسے خوش آمدید کہا۔ اپنا کوئی کپڑا بچھایا تاکہ وہ اس پر بیٹھ جائے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حلیمہ کا بیٹا یعنی آپ ﷺ کا رضاعی بھائی آ گیا۔ آپ ﷺ اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور اسے اپنے سامنے بٹھایا۔

جب شکست خوردہ بنوہوازن غزوۂ حنین کے بعد وفد لے کر آئے، ان میں آپ ﷺ کا ایک رضاعی چچا بھی تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر اور اس کی ساری قوم پر خصوصی شفقت فرمائی۔ آپ ﷺ نے سوچا کہ ان کی تکریم کی جائے۔ آپ ﷺ اگرچہ اللہ کے رسول تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کے آگے اپنے چچا کی خاطر یہ تجویز رکھی کہ اگر وہ چاہیں تو ان کے قبیلہ کے قیدی مرد اور قیدی عورتیں واپس کر دیں۔ تو اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی دلچسپی کی وجہ سے قیدیوں کو واپس کر دیا۔ تاہم کچھ لوگوں نے قیدی واپس کرنے سے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے مال کے عوض قیدی خرید کر آزاد کیا۔

ابولہب کی لونڈی ثوبیہ

ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کو رسول اللہ ﷺ نے کبھی نہ بھلایا۔ جس نے آپ ﷺ کی ولادت کے بعد کئی روز تک دودھ پلایا تھا۔ حتی کہ حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے لے گئی۔

وہ جب بھی مکہ میں آتی آپ ﷺ اس کا حال احوال پوچھتے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کی تکریم کرتیں۔ وہ اس وقت لونڈی تھی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابولہب سے کہا تو اسے میرے ہاتھ بیچ دے تاکہ میں اسے آزاد کردوں۔ ابولہب نے انکار کردیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو ابولہب نے اسے آزاد کردیا تو رسول اللہ ﷺ ثوبیہ کی طرف صلہ رحمی کرتے ہوئے تحفے تحائف بھیجا کرتے اور اس کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوتی مثلاً لباس و نان ونفقہ وغیرہ آپ ﷺ اس کی طرف بھیج دیا کرتے۔

بالآخر جب آپ ﷺ فتح خیبر سے واپس لوٹے تو ثوبیہ کے مرنے کی اطلاع آپ ﷺ کو ملی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا اس کے بیٹے مسروح کا کیا بنا؟ وہ رسول اللہ ﷺ کا رضاعی بھائی تھا۔ تو آپ ﷺ کو بتایا گیا۔ وہ اس سے پہلے مر چکا ہے۔ گویا ثوبیہ کا کوئی قرابت دار باقی نہ بچا۔ [الاستیعاب: ۲۸۔ الطبقات: ۱/ ۱۰۸]

سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا

یہ نبی اکرم ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں۔ آپ ﷺ اس کی تکریم کرتے تھے۔ آپ ﷺ اکثر اوقات اس کے گھر اس کی دیکھ بھال کے لیے جاتے اور وہاں جا کر قیلولہ کرتے۔

ایک بار آپ ﷺ وہاں جا کر سوئے یا قیلولہ کے دوران بیدار ہوئے تو آپ ﷺ مسکرانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے کچھ لوگ پیش کیے گئے۔ جو بحر اخضر کی پشت پر سوار ہوں گے۔ جیسے بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی اس بات کو ام حرام ﷺ نے غور سے سنا اور یقین کرلیا اور آرزو کی کہ وہ بھی ان میں شامل ہو جائے۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! اللہ سے میرے لیے آپ ﷺ دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے بنا دے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان میں سے ہے۔ نیز آپ ﷺ نے اس کی شہادت کی دعا

فرمائی۔ دن گزرتے گئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا اس کے بعد سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نکاح کے بندھن میں بندھ گئیں۔ ان کے ساتھ ۲۷ھ کو فتح قبرص کے لیے مجاہدین کے ساتھ شامل ہوگئیں۔ جب وہ سمندر کے ساحل پر اترے۔ وہ اونٹنی پر سوار ہوئیں۔ اچانک ان کی سواری بدک گئی۔ وہ سواری سے گر پڑیں اور شہید ہوگئیں اور وہ اسی جگہ دفن کی گئیں۔

[اسد الغابہ: ٦/ ٢٣٥]

رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے گھروں میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھرانے نبی ﷺ کے لیے مرکز نگاہ کی طرح تھے۔آپ ﷺ ان سے ملنے کے لیے ان کے گھروں میں جاتے۔ آپ ﷺ ان کے لیے دعائیں کرتے۔ وہ بھی آپ ﷺ کا والہانہ استقبال کرتے۔ان میں سے جب کوئی بیمار ہوجاتا آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے جاتے اور جب وہ آپ ﷺ کو اپنے گھر بلاتے تو آپ ﷺ ان کی دعوت کوقبول کرتے اور جب ان میں سے کوئی اچانک غائب ہوجاتا تو آپ ﷺ اس کے متعلق مسلسل پوچھتے رہتے۔

ایک عورت جو مسجد کی خدمت کرتی تھی، آپ ﷺ کو وہ نظر نہ آئی، وہ مسجد میں جھاڑو دیتی اور وہیں رہتی۔آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا:انہوں نے کہا:وہ رات کوفوت ہوگئی اور ہم نے آپ ﷺ کو بتائے بغیر اسے دفن کردیا۔

آپ ﷺ ان پر ناراض ہوتے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو کیوں مطلع نہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس کی قبر کے متعلق پوچھا:انہوں نے آپ ﷺ کی اس تک رہنمائی کی۔ آپ ﷺ نے اس کی قبر کے پاس جا کر اس کی نماز جنازہ ادا کی۔ [بخاری:۱۳۳۷۔ مسلم:۹۵۶]

یہ اس لیے کہ آنجناب ﷺ سب لوگوں کو چاہے وہ بڑا اور معزز ہو یا کوئی ادنیٰ سا عام مسلمان ہو،مرد ہو یا عورت ہو۔ان میں سے کسی کا قریبی ہو یا دور کا ہو۔آپ ﷺ ان کو

یہ تعلیم دیتے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں اور آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہمی محبت کا درس دیا کرتے۔

آپ ﷺ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تو اس کی روح نکل چکی تھی اور آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔آپ ﷺ نے اس کی آنکھیں بند کیں۔پھر فرمایا: بے شک جب روح قبض ہوتی ہے، نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔

جب اس کے گھر والے چیخنے چلانے لگے۔اس پر حزن وملال کا اظہار کرنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو افسوس کرنے کا مسنون طریقہ بتلایا۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے اوپر صرف بھلائی اور نیکی کی دعا کیا کرو۔کیونکہ فرشتے تمہاری دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی۔

''اے اللہ! تو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں کے درجات بلند فرما اور ان کے ورثاء میں ان کا نائب بنا اور اے رب العالمین تو اس کی اور ہماری مغفرت فرما اور اس کی قبر کو وسیع کر اور اس کے لیے تو اسے منور فرما۔[مسلم: ۹۲۰]

آپ ﷺ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے تو آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تھے تو رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچ کر رونے لگے۔آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کے ہمراہی بھی رونے لگے۔[بخاری: ۱۳۰۴۔مسلم: ۹۲۴]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے جو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری صحابی آپ ﷺ کے پاس آئے اور سلام کیا' پھر وہ جانے لگا: تو رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: اے انصاری بھائی! میرے بھائی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا بہترین۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم

سے پوچھا تم میں سے کون کون ان کی عیادت کے لیے جائے گا؟ آپ ﷺ اٹھے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل دیے۔[مسلم:۹۲۵]

آپ ﷺ ایک بار سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان پر خصوصی شفقت فرمائی اور ان کے لیے یوں دعا فرمائی۔اے سلمان! اللہ تعالیٰ تجھے مرض سے شفا دے اور تیرے گناہ معاف کرے اور تیری وفات تک تجھے تیرے دین اور جسم میں عافیت دے۔[ابن السنی:۵۳۸]

بلکہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ ایک بدو کی عیادت کی۔آپ ﷺ نے اسے سوچوں میں گم پایا۔آپ ﷺ اس کی حالت دیکھ کر غمزدہ ہوگئے اور اس کی پریشانی کو کم کرنے اور اسے سہارا دینے کے لیے آپ ﷺ نے یوں دعا کی:''یہ مرض کفارہ اور تطہیر کا سبب ہے۔''[ابن السنی:۵۳۵]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے مرض پر آپ ﷺ نے یوں دعا کی: آپ ﷺ نے تین بار یہ الفاظ دہرائے''اے اللہ! تو سعد رضی اللہ عنہ کو شفا دے۔''[مسلم:۱۶۲۸]

نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے گھروں میں ان کی طرف سے اپنی دعوت کو قبول کرتے اور ان کے گھروں کے افراد میں سے ایک فرد کی طرح ان کے ساتھ مل کر کھاتے۔ان میں قطعاً کسی قسم کی نخوت یا تکبر کا اظہار نہ کرتے۔

آپ ﷺ فرماتے تھے:اگر مجھے دستی یا پائے کی دعوت ملے تو میں ضرور قبول کروں گا اور اگر مجھے کوئی دستی یا پایہ تحفہ میں ملے تو میں ضرور لوں گا۔[بخاری:۲۵۶۸]

آپ ﷺ اپنے اصحاب کے لیے برکت ومغفرت کی دعا کرتے۔

سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے باپ کے پاس بطور مہمان آئے۔ ہم نے کھانا آپ ﷺ کے سامنے رکھا۔ میرا باپ بولا:یارسول اللہ!

آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا فرمائی: ''اے اللہ! جو ان کو رزق دے اس میں ان کے لیے برکت فرما اور تو ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔'' [مسلم:٢٠٤٢]

سیدنا ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے لیے کھانا پکوایا۔انہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی دعوت کی۔جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کو ثواب (بدلہ، جزا) دو۔

وہ بولے یارسول اللہ! اس کے ثواب سے کیا مراد ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک جب کوئی آدمی کسی کے گھر میں جاتا ہے اور وہاں کھانا کھاتا ہے اور اس کا مشروب پیتا ہے تو اس کے لیے انہیں دعا کرنی چاہیے ۔یہ اس کا ثواب ہے۔[ابوداود:٣٨٥٣]

نبی مکرم ﷺ دعوت دین کے ساتھ ساتھ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو ادب، حسن سلوک اور شرافت ومروت کی تعلیم بھی دیتے۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ کے لیے کھانا بنوایا،اس نے آپ ﷺ سمیت پانچ افراد کی دعوت کی تو آپ ﷺ کے ہمراہیوں کے ساتھ ایک زائد آدمی بھی چلنے لگا جس کو میزبان نے نہیں بلایا تھا۔جب نبی اکرم ﷺ میزبان کے دروازے کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کے میزبان کو کہا: یہ شخص ہمارے ساتھ بن بلائے آ گیا ہے، اگر تو اجازت دے تو ٹھیک، وگرنہ یہ لوٹ جائے گا۔تو صحابی مذکور کی خوشی اسی میں تھی کہ وہ ہر اس آدمی کی تکریم کرے جو آپ ﷺ کے ساتھ ہو تو میزبان نے کہا: یارسول اللہ! میری طرف سے اسے بھی اجازت ہے۔[بخاری:٢٠٨١]

نبی مکرم ﷺ جب انصار کے گھروں میں ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کے لیے

دعا کرتے۔[نسائی: ۸۳٤۹]

جب آپ ﷺ اصحاب کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھتے تو آپ ﷺ ان کو کھانے کے آداب کی طرف رہنمائی کرتے۔مثلاً کھانے سے پہلے اللہ کا نام لیں۔ہاتھ دھوئیں۔ دائیں ہاتھ سے کھائیں۔ایک بار آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی نے اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔آپ ﷺ نے اسے فرمایا: تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔اس نے کہا: مجھ میں اتنی طاقت نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ میں طاقت نہ رہے۔ اسے اس نے آپ ﷺ کی بات ماننے سے اس کے تکبر نے روک لیا۔تو اس کے بعد اس کا ہاتھ اس کے منہ کی طرف نہ اٹھ سکا۔[مسلم: ۲۰۲۱]

اسی طرح آپ ﷺ ان کو یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہر آدمی اپنے آگے سے کھائے۔ البتہ کھجور اور پھل ہوں تو ہر کسی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جہاں سے چاہے کھائے۔آپ ﷺ تو اپنی تین انگلیوں سے ہی کھاتے تھے۔[مسلم: ۲۰۳۲]

جب آپ ﷺ کی طرف کوئی کھانا لاتا تو آپ ﷺ اس کا شکریہ ادا کرتے اور آپ ﷺ اس سے لاپروائی نہ کرتے۔یہاں تک کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے کبھی کھانے میں عیب جوئی نہ کی۔اگر آپ ﷺ کو بھوک ہوتی تو کھا لیتے اور اگر آپ ﷺ ناپسند کرتے تو اسے چھوڑ دیتے۔[بخاری: ۵٤۰۹۔ مسلم: ۲۰٦٤]

نبی مکرم ﷺ ایک بار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔انہوں نے آپ ﷺ کے آگے روٹی اور روغن زیتون پیش کیا۔آپ ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے یوں دعا فرمائی: تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا اور تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور تمہارے لیے فرشتوں نے رحمت کی دعائیں کیں۔

[ابن ماجہ: ۱۷٤۷]

جب آپ ﷺ کے لیے کھانا لایا گیا اس میں گوہ کا گوشت تھا تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھایا۔آپ ﷺ کے اصحاب نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا وہ حرام ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔لیکن میرے مزاج کو یہ نہیں بھاتا۔اصحاب نے وہ گوشت کھالیا لیکن آپ ﷺ ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے۔

نبی مکرم ﷺ جب اپنے اصحابؓ کے گھروں میں ان کو ملنے کے لیے جاتے تو آپ ﷺ ان کو وعظ ونصیحت کرتے۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے تو میری والدہ نے مجھے بلایا۔اس نے کہا: تو ادھر آ میں تجھے ایک چیز عطا کروں گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو اسے کیا چیز دینا چاہتی ہے؟ اس نے کہا: کھجور، رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: اگر تو اسے کچھ نہ دے گی تو تیرے ذمہ ایک جھوٹ لکھ دیا جائے گا۔[اسے بیہقی نے روایت کیاھے]

خادموں کے ساتھ نبی ﷺ کا برتاؤ

کوئی اپنے خدام کی اس طرح تکریم نہیں کرتا جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے خدام اور غلاموں کی کیا کرتے۔ آپ ﷺ خادموں کو صرف اس نظر سے نہیں دیکھا کرتے کہ وہ خادم اور غلام ہیں اور بس! بلکہ آپ ﷺ ان کا احساس کرتے۔ ان کے جذبات کا خیال رکھتے اور ان کے حقوق کا اعتراف کرتے اور ان کی آراء وافکار کا احترام کرتے۔ نبی اکرم ﷺ نے خدام کے ساتھ حسن معاملہ کی ترغیب دلائی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اردگرد تمہارے بھائی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمہارے ماتحت کیا ہے۔ پس جس کسی کے قبضہ میں اس کا بھائی ہو تو اسے وہی کھانا کھلائے جو خود کھائے اور اسے وہی لباس پہنائے جو وہ خود پہنے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف مت دو اور اگر تم انہیں تکلیف دو تو پھر ان کی مدد کرو۔

اس طرح اسلام نے خادم اور خدمت کا اپنے پیروکاروں کو ایسا مفہوم عطا کیا ہے جو جاہلیت کے مفہوم سے واضح طور پر مختلف ہے۔ چونکہ دین انسان اور انسانیت کا احترام کرتا ہے جو کائنات میں افضل ترین مخلوق ہے۔ نبی مکرم ﷺ کے لاتعداد غلام اور خدام تھے آپ ﷺ نے بتدریج سب کو آزاد کر دیا۔ یہاں ہم بعض خدام اور کنیزوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سلوک کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا

برکہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی تب سے مربیہ تھی جب سے اس کی والدہ نے

وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ کا اس کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے گھر میں آئی۔ پھر آپ ﷺ کے ساتھ ہی وہ آپ کے چچا ابو طالب کے گھر میں آ گئی۔ پھر وہ آپ ﷺ کے ساتھ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہی۔

آپ ﷺ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور آپ ﷺ اس کی اضافی تکریم کرتے۔ آپ ﷺ فرماتے: ام ایمن رضی اللہ عنہا میری حقیقی ماں کے بعد میری ماں کے قائم مقام ہے۔ جب آپ ﷺ بڑے ہوئے تو آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: جس کو یہ بات خوش کرے کہ وہ کسی جنتی عورت سے شادی کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کر لے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ شادی کی۔ اس کے بطن سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ اس کے بعد بھی اس کی ملاقات کے لیے جاتے۔ آپ نے کبھی اس کے ساتھ ملاقات کا ناغہ نہیں کیا۔ آپ ﷺ جب بھی اسے بلاتے تو اے امی جان! کہہ کر بلاتے۔ آپ ﷺ اسے اپنے اہل خانہ میں شمار کرتے۔ آپ ﷺ نے فرماتے یہ خاتون میرے گھر والوں سے بچ جانے والی ہے۔ اس کی اولاد نبی اکرم ﷺ کے نزدیک محبوب ترین تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے میدان قتال میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اسے اپنی عجمی کنیت کی وجہ سے دعا کرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا تھا۔ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور آپ ﷺ کو قتال کی مصروفیت کی کوئی پروا نہ رہتی۔ آپ ﷺ اس کی طرف کان لگا دیتے۔ آپ ﷺ اس کے پاس آ کر ٹھہرتے اور اس کے ضعف پر آپ ﷺ ترس کھاتے۔

اس سب کے باوجود وہ ایک حبشن کالی کلوٹی عورت تھی، نہ ہی اس کا کوئی گھر تھا اور نہ ہی اس کی کوئی قدر و منزلت یا شان و شوکت تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پر خانۂ نبوت کی

نسبت کا سایہ کر دیا اور اس کی شان کو بہت رفعت عطا کر دی۔

حتی کہ جلیل القدر اصحاب رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کے لیے اس کے گھر جاتے۔ اس سے اپنے احترام وخلوص کا اظہار کرتے۔ وہ وہاں برکت تلاش کرتے۔ اس کی رضا کے طالب بنتے اور اس کا قرب چاہتے۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما اس کی ملاقات کے لیے گئے تو وہ اتنے زور سے روئی کہ دونوں کو اس پر ترس آ گیا۔ دونوں نے اسے کہا: کیا تو نہیں جانتی کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس کے رسول ﷺ کے لیے بہت بہتر ہے۔

اس نے کہا بالکل ایسے ہی ہے لیکن میں تو وحی کے منقطع ہونے کی وجہ سے رو رہی ہوں جو آسمان سے آتی تھی۔ یہ سن کر وہ دونوں بھی رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ام ایمن رضی اللہ عنہا اپنی شان پر بہت فخر کرتی تھی اور وہ آپ ﷺ سے جب مخاطب ہوتی تو اس طرح مخاطب نہ ہوتی جس طرح کوئی کنیز اپنے مالک سے ہم کلام ہوتی ہے کیونکہ وہ آپ ﷺ کے حسن خلق کو اچھی طرح پہچانتی تھی جو آپ ﷺ کمزوروں کے لیے پیش کرتے اور جو آپ ﷺ کی جبلت میں راسخ تھا۔

ایک بار اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پانی پی رہے ہیں۔ تو وہ کہنے لگی مجھے بھی پلا دیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس جرأت مندی پر بڑا تعجب ہوا انہوں نے اسے ملامت کے انداز میں کہا: کیا اللہ کے رسول ﷺ کو تو اس انداز سے مخاطب کر رہی ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے پہلے سے بھی زیادہ جرأت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میں نے جو خدمت ان کی ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ طویل ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور اسے پانی پلایا۔ آپ ﷺ نے اسے پانی پیش کرتے وقت اپنا رخ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف کر لیا اور فرمایا: یہ سچ کہہ رہی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ کے ساتھ کوئی خادم نہیں تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کو کسی کی خدمت کی طلب تھی ۔بلکہ آپ ﷺ بذات خود اپنے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرتے۔

جب آپ ﷺ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھے تو بعض اوقات آپ ﷺ کے اردگرد جو لوگ ہوتے آپ ﷺ کی خدمت بجالاتے۔ نہ تو آپ ﷺ اپنی طرف سے کسی کو تکلیف دینا چاہتے اور نہ آپ ﷺ کو کسی سے یہ امید ہوتی۔

پھر ایک دن سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ایک ذہین وفطین لڑکا تھا انہوں نے یہ لڑکا آپ ﷺ کو بطورِ خادم دے دیا۔ آپ ﷺ نے اسے قبول کرلیا۔انس رضی اللہ عنہ نے سفر وحضر میں دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔

اس لڑکے کو اپنے مالک کی خدمت کرتے ہوئے ایسا گھرانہ ملا جو اپنے خدام سے ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ اٹھواتے۔ نہ ہی انہیں کہیں سے گالی گلوچ سننی پڑتی۔نہ ان سے کوئی نفرت کرتا، نہ کوئی زجر وتوبیخ کرتا۔نہ ان کو کوئی مارتا اور نہ ہی کوئی سزا دیتا بلکہ ان میں سے کمزوروں پر رحم کیا جاتا اور ان کے حالات پر غور وفکر کیا جاتا۔کب ان سے کوئی لغزش ہوجاتی تو ان کے ساتھ وسعت ظرفی کا معاملہ کیا جاتا اور اگر ملامت کی ضرورت ہوتی تو نرم انداز میں ملامت کی جاتی۔

یہاں آپ ﷺ کے خادموں کے ساتھ حسن سلوک کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔ایک بار آپ ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو اپنے کسی کام کے لیے بھیجا۔جب کچھ رستہ طے ہوا تو اس نے اپنے ہم عمروں کو کھیلتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگا۔وہ بھی دیگر بچوں کی طرح ایک بچہ تھا۔کھیل کے علاوہ انہیں کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے اسے جس کام کے لیے بھیجا تھا، وہ بالکل بھول گئے۔ وہ ابھی اسی طرح غافل تھا کہ اچانک اس کے پیچھے سے کوئی آیا اور اس کے کپڑے پکڑ لیے اور اس سے بغل گیر ہو گیا۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے جب دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے اور آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے انس! جس کام کے لیے میں نے تجھے بھیجا تو وہاں چلا جا۔

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی یا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز کو اپنے کسی کام کے لیے بھیجا اس نے آپ ﷺ تک واپسی میں دیر کر دی۔ اس کی اس حرکت نے آپ ﷺ کو بہت پریشان کیا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس سے زیادہ اسے کچھ نہ کہا: آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک مسواک تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے قصاص کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس مسواک کے ذریعے تجھے مارتا۔

وہ مسواک بھلا کیا کر سکتا؟ اور کیا رسول اللہ ﷺ جب مسواک کے ساتھ اسے مارتے تو کیا اسے تکلیف ہوتی۔ بے شک آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ہی فرمایا: میں نے دس سال تک سفر و حضر میں نبی ﷺ کی خدمت بجا لائی۔ آپ ﷺ نے مجھے ایک بار بھی اف تک نہ کہی اور اگر میں نے کوئی کام کر لیا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا۔

اور اگر میں کوئی کام نہ کرتا تو آپ ﷺ یہ کبھی نہ فرماتے کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ اور میں نے کبھی کوئی کام کیا تو آپ ﷺ نے یہ کبھی نہیں فرمایا: تو نے برا کیا۔ یا جو تو نے کیا بہت برا کیا۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی میرے کسی کام میں عیب نہیں نکالا اور نہ ہی

آپ ﷺ نے مجھے کوئی کام دیا پھر میں نے اس میں سستی کی تو آپ ﷺ نے اس پر مجھے ملامت کی اور آپ ﷺ کے گھر والوں سے جب بھی کوئی مجھے ملامت کرتا تو آپ ﷺ فرماتے: تم اسے چھوڑ دو اگر تقدیر میں یہ کام ہونا ہوتا تو ہو کر رہتا۔ [بخاری: ۳۵۶۱۔ مسلم: ۲۳۳۰]

اس سے بھی بڑھ کر نبی ﷺ اس بچے کی تکریم کرتے تھے اور اس کے جذبات کو محسوس کرتے اور اس کی شان بڑھاتے۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ مزاح کرتے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی "یاذاالاذنین" "اے بڑے کانوں والے" یعنی ہر بات کو توجہ سے سننے والا" کہہ کر پکارتے۔ اسی طرح آپ ﷺ ان کے گھر والوں کی ملاقات کے لیے اکثر اوقات ان کے گھر میں جایا کرتے تھے۔ وہ اپنے عظیم مہمان کی بڑھ چڑھ کر تکریم و تعظیم کرتے اور وہ اپنی حسب استطاعت آپ ﷺ کی آؤ بھگت کرتے۔

بعض اوقات آپ ﷺ ان کے گھر میں نماز بھی ادا کرتے اور ان کے لیے دعا بھی کرتے۔ ایک دن انس رضی اللہ عنہ کی امی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کیا آپ ﷺ اپنے چھوٹے خادم انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا نہیں کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے گڑگڑا کر یہ دعا فرمائی۔

اے اللہ! تو اس کو مال و اولاد کا رزق عطا فرما اور اس کے لیے برکت فرما۔

اور ایک روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! کثرت سے اس کو مال و اولاد عطا فرما اور اسے طویل عمر دے اور جنت میں لے جا۔

ام انس رضی اللہ عنہا بے حد خوش ہوئیں۔ اسے یقین تھا کہ اس دعا کی برکت سے ان کے گھر خیر ضرور نازل ہوگی کیونکہ اس دعا کا اس کے دل پر ایسے ہی اثر ہوا۔ جیسے پیاسی زمین پر موسلا دھار بارش کا ہوتا ہے۔ چونکہ انس رضی اللہ عنہ کو کثیر اولاد اور وسیع رزق ملا۔

وہ اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مال والے تھے اور تعداد کے اعتبار سے ان

کی اولاد اور پوتوں، نواسوں کا سب سے طاقتور گروہ تھا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے تفصیلی حالات ہم تک منتقل کیے جو آپ ﷺ اپنے گھروں میں بسر کرتے تھے اور چونکہ انس رضی اللہ عنہ نے طویل مدت تک رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت میں رہے اور وہ ہر بات اور ہر فعل آپ ﷺ کی اقتدا سے کرتے اور آپ ﷺ کو اپنا نمونہ بناتے۔ یہاں تک کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی نماز سے زیادہ کسی کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہہ نہ دیکھی۔

تمام خادموں سے زیادہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے اور وہ آپ ﷺ کے ملاقات کے لیے آنے والوں کو آپ ﷺ کی طرف سے آپ ﷺ کے پاس آنے کی اطلاع بھی دیتے۔ [الترتيب الداريه: ۱/۲۱]

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک تھے۔ وہ آپ ﷺ کو نہ پاکر صبر نہ کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا کہ ان کا چہرہ متغیر ہوگیا ہے اور ان کے چہرے پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔

آپ ﷺ نے ان سے حقیقت حال پوچھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ثوبان! تیرے چہرے کی رنگت کیسے تبدیل ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا یارسول اللہ ﷺ! نہ تو میں بیمار ہوں اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہے۔ یہ بات صرف اتنی ہے کہ میں جب آپ ﷺ کو دیکھ نہ لوں تو آپ ﷺ سے ملنے تک مجھ پر عجیب قسم کی وحشت طاری ہوجاتی ہے۔ نیز جب میں جنت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے اندیشہ آلیتا ہے کہ میں وہاں آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکوں گا کیونکہ آپ ﷺ کی شان تو بہت اونچی ہوگی اور آپ ﷺ انبیاء کے ساتھ ہوں گے تو مجھے آپ ﷺ سے کیا نسبت ہوگی؟ اور آپ ﷺ کی منزلت ومرتبت کے آگے میری کیا حیثیت ہوگی اور اگر میں جنت میں نہ گیا تو آپ ﷺ کو کبھی بھی نہ دیکھ پاؤں گا۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو اس پر شدید ترس آیا۔اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ فرقان آپ ﷺ پر نازل ہوا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء:٦٩]

''اور جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا۔تو ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔انبیاء'صدیقین'شہداء اور نیکوکاروں کی طرح ان کا ساتھ بہت ہی اچھا ہے۔''

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کا تعلق یمن سے تھا۔وہ زمانہ جاہلیت میں قیدیوں میں آیا۔نبی ﷺ نے انہیں خرید کر آزاد کردیا۔اس کے بعد وہ اپنی قوم والوں کے پاس جانے پر راضی نہ ہوئے اور زندگی بھر سفر و حضر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہی رہتے۔

سیدنا حسنین رضی اللہ عنہ یہ نبی ﷺ کے وضو وغیرہ کی خدمت بجالاتے تھے

جب وہ نبی علیہ السلام وضو سے فارغ ہوتے تو آپ ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی آپ ﷺ کے اصحاب آپس میں تقسیم کر لیتے۔پھر حسنین رضی اللہ عنہ نے اپنا معمول بنالیا کہ جو تقسیم کے بعد پانی بچ جاتا وہ اضافی طور پر حسنین رضی اللہ عنہ اپنے پاس ایک صراحی میں محفوظ کر لیتا۔بالآخر آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے شکایت کی کہ حسنین رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ پانی اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔نبی ﷺ کو حسنین رضی اللہ عنہ کی اس حرکت پر بڑا تعجب ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے کوئی ایسا لڑکا دیکھا کہ جس کے پاس اس طرح کا خزانہ ہو؟

سیدنا شقران رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو غسل دینے والوں میں یہ بھی شامل تھا اور اگر نبی اکرم ﷺ کے ہاں ان کی خصوصی قدر و منزلت نہ ہوتی تو انہیں اس سعادت

میں کیسے شامل کیا جاتا؟ حالانکہ اس سعادت سے بڑے بڑے لوگ محروم کردیئے گئے۔

شقران رضی اللہ عنہ فخریہ بیان کرتے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر میں اترے اور وہاں وہ چادر بچھائی جس پر نبی اکرم ﷺ نماز ادا کرتے۔اس نے کہا:''اللہ کی قسم!یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے بعد یہ کسی کو جچتی نہیں۔''

سیدنا بکیر بن شداخ رضی اللہ عنہ

یہ بلوغت سے پہلے ہی نبی ﷺ کی خدمت کرنے لگے۔یہ آپ کی ازواج مطہرات کے پاس بھی بوقت ضرورت چلے جایا کرتے تھے۔ایک صبح کو یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے:یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس جایا کرتا تھا۔اب میں بالغ ہوگیا ہوں۔نبی اکرم ﷺ ان کی بات سن کر بہت ہی مسرور ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے لیے یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ!تو اس کی بات کو سچ ثابت کر اور اسے کامیابی عطا فرما۔''بعد والی زندگی کی ہر مہم میں وہ کامیاب ہوتا اور جو بات کرتا لوگ اس کی تصدیق کرتے۔

سیدنا ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ

یہ آپ ﷺ کے گھر میں رات گزارتے اور آپ ﷺ جب قیام اللیل کے لیے اٹھتے تو یہ آپ ﷺ کے لیے وضو کا برتن اور مسواک وغیرہ آپ ﷺ کے پاس لاتے۔

یہ سارا دن آپ ﷺ کی خدمت کرتے۔جب رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر اپنی کسی بیوی کے پاس جاتے تو ربیعہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی چوکھٹ سے لگ کر بیٹھ جاتے اور دل میں سوچتے۔شاید رسول اللہ ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آجائے۔ چنانچہ یہ آپ ﷺ کی طلب کے لیے تیار ہوکر بیٹھے رہتے اور نبی ﷺ کی تسبیحات کی آوازوں پر کان لگائے رکھتے۔یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے مصلّے سے دور ہوجاتے یا آپ ﷺ پر نیند کا غلبہ ہوتا اور سوجاتے۔ایک بار نبی ﷺ نے اس کی خدمات کا بدلہ

دینے کا ارادہ کیا تو اس سے پوچھ لیا۔کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت ہے؟

جواب میں اس نے آپ ﷺ سے مال، رزق یا دنیاوی فائدے کے حصول کی خواہش نہیں کی۔صرف اتنا کہا: یارسول اللہ! میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں یا اس نے کہا: میں آپ سے یہ کہنا چاہوں گا کہ آپ میرے لیے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ مجھے جہنم سے آزادی دے دے۔

نبی اکرم ﷺ نے بڑے ہی لطیف پرائے میں اس کی فرمائش کا جواب تو دیا لیکن بالواسطہ دیا۔آپ ﷺ نے اسے وہ رتبہ بتادیا جو اسے ہمیشہ کے لیے جنت میں پہنچا دینے والا تھا۔آپ ﷺ نے اسے کہا: میں ضرور ایسا کروں گا۔بہر حال تو بھی اپنے نفس کے لیے بکثرت سجدوں کے میری مدد کر۔[مسلم: ٤٨٨۔الترتیب الاداریہ: ١/ ٣٠]

نبی اکرم ﷺ کو جب پتہ چلا کہ وہ کنوارا ہے تو آپ ﷺ کو اس پر بڑا ترس آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: اے ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟

اس نے بے بسی سے جواب دیا: میرے ساتھ کون شادی کرے گی؟ اس نے مزید وضاحت کی کہ میں نہیں چاہتا۔آپ ﷺ کی خدمت سے مجھے کوئی روک دے اور نہ میرے پاس کچھ ہے جو میں کسی عورت کو دوں۔

نبی اکرم ﷺ کو اس پر رحم آ گیا۔آپ ﷺ نے اس سے کہا: تم فلاں قبیلہ والوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ اللہ کے رسول تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی فلاں لڑکی سے میری شادی کردو۔

وہ جب ان کے پاس گیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام دیا تو وہ بڑے خوش ہوئے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہلے اور آپ ﷺ کے قاصد کو خوش آمدید کہا اور پھر اس کی شادی کردی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے مہر کے لیے گٹھلی کے برابر سونا اکٹھا کیا اور اس کے ولیمہ

کی دعوت کے لیے دنبہ کے حصول کی کوشش کی۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: اس کے پاس جو جَو ہیں وہ دے دو تاکہ مدعووین کے لیے کھانا پکایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ربیعہ رضی اللہ عنہ کو غنی کر دیا۔

سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا

یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زرخرید کنیز تھی۔ انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ اس کا خاوند ایک حبشی تھا جس کا نام مغیث تھا۔ وہ اس کے ساتھ بہت شدید محبت کرتا تھا۔ جب یہ آزاد ہوگئی تو مغیث اس کے پیچھے پیچھے چلتا اور آنسو بہاتا۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو آپ ﷺ کو اس پر ترس آ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! کیا آپ نے مغیث کی بریرہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی شدت دیکھی ہے۔ اگر ہم بریرہ رضی اللہ عنہا سے بات کریں کہ وہ مغیث سے شادی کر لے۔ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اس سے اس موضوع پر بات کی۔ وہ کہنے لگی: یارسول اللہ! اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ایسے ہی کروں گی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حکم تو میں نہیں دوں گا لیکن میں سفارش کرتا ہوں۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے مغیث کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ [بخاری: ۲۵۸۲]

سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی کچھ احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بے شک ایک آدمی کو جنت کے دروازے سے صرف ایک چلو خون کی وجہ سے ہٹا دیا جائے گا جو اس نے ناحق ایک مسلمان کا بہایا ہوگا۔''

سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ

یہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ انہوں نے خدام کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق روایت کیے ہیں اور ان کے ساتھ آپ ﷺ کے لیے مثال حسن معاملہ وسلوک

بھی روایت کیا۔انہوں نے کہا:میں نے پانچ سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ میں جو کام بھی کرتا آپ ﷺ کبھی نہ فرماتے تو نے یہ کیوں کیا؟اور میں جس کام کو ترک کر دیتا۔آپ ﷺ نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ تو نے اسے کیوں چھوڑا۔[الترتیب الاداریہ: ۱/ ۲۷]

دیگر غلاموں کا تذکرہ

رسول اللہ ﷺ کے متعدد خدام تھے۔وہ سب ہر وقت آپ ﷺ کے پاس موجود نہ رہتے۔مؤرخین اسلام اور سیرت نگاروں نے چندایک کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً ابوالخشہ، انیسہ، رباج، یسار، ابورافع، قبطی، ابوموییہبہ کرکورہ، ہلال بن یسان، طہجان، مابورقبطی، واقد، ابولاقد، ہشام بن ضمیرہ، ابوہندانجشہ، ابولبابہ، رویقع اور سلمیٰ وغیرہ۔[الترتیب الاداریہ: ۱/ ۲۸]

مجموعی طور پر خانۂ نبوت میں متعدد خدام اور زیادہ تر آزاد شدہ غلام تھے۔وہ سب اپنی نسبت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہونے پر فخر کرتے تھے۔انہیں یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے اہل خانہ میں شمار کیا ہے۔

جو فوائد نبی ﷺ کے گھرانوں کو حاصل تھے۔وہی ان خدام و غلامان کو بھی حاصل تھے اور جو مصائب و مشکلات آپ ﷺ کے اہل خانہ پر آتے یہ خدّام بھی ان میں شریک ہوتے۔چونکہ آپ ﷺ نے اپنے خادموں اور غلاموں کو اپنے گھر والوں کی طرح صدقات وخیرات کا مال لینے سے منع کر دیا تھا۔یہ بھی ان کو اضافی شرف ملا ہوا تھا۔

آپ ﷺ نے اکثر مواقع پر فرمایا:صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں اور کسی کا غلام انہی میں سے ہوتا ہے۔کیا ہمیں کوئی ایسا مالک و آقا ملتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرح اپنے خادم کو اپنے ساتھ رکھے جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے خدّام کو اپنے ساتھ رکھتے اور کیا کوئی اپنے خادموں پر اس طرح شفقت کرتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے خادموں

کے ساتھ شفقت فرمایا کرتے۔اس باب میں نبی ﷺ نے انوکھی مثالیں قائم کی ہیں۔

یہ آپ ﷺ کا آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کو غزوہ خیبر میں دیگر مجاہدین کے ہمراہ شدید سردی نے آدبوچا۔اس کے پاس کوئی لحاف وغیرہ نہ تھا جس کے ذریعے وہ سردی سے اپنا بچاؤ کرتا اور اپنے جسم کو کڑاکے دار یخ بستہ سردی سے بچاتا۔چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔آپ ﷺ نے اپنا لحاف اس پر ڈال دیا۔ وہ صبح تک آپ ﷺ کے ساتھ سویا رہا۔ان سب غلاموں کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی آزاد کردیا تھا۔آپ ﷺ ان پر ہمیشہ احسان کرتے ،ان کے لیے دعائیں کرتے اور ان کو وعظ ونصیحت کرتے رہتے۔

اگرچہ انہیں آزادی مل چکی تھی لیکن پھر بھی وہ خانۂ نبوت سے جدانہیں ہوئے۔ وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے پر فخر کرتے اور آپ ﷺ کی خدمت میں بجالانے کو اپنے لیے اعزاز سمجھتے اور آپ ﷺ کی رضا کے علاوہ وہ کچھ نہ چاہتے۔

نبی رحمت ﷺ اپنے پڑوسیوں کے گھروں میں

اسلام نے قرآن کریم میں اور نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کے ذریعے پڑوسیوں اور ہمسائیوں کے حقوق کے متعلق بہت رغبت دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ [النساء: ٣٦]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے ہمسائے اور اجنبی ہمسائے اور پہلو کے ساتھی اور مسافر (کے ساتھ) اور (ان کے ساتھ بھی) جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ بنے ہیں، یقیناً اللہ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا، شیخی مارنے والا ہو۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام مجھے مسلسل پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتا رہا۔ حتی کہ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ ضرور اس کو وارث قرار دے گا۔ [بخاری: ٦٠١٤۔ مسلم: ٢٦٢٤]۔

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص میرے ساتھ چند لمحات کا بھی مومن نہیں ہے جو خود تو سیر ہو کر رات بسر کرے اور اسے علم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے۔

آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: اللہ کی قسم! وہ شخص مؤمن نہیں جس کی ہلاکت انگیزی سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو' آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔

جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا پڑوسی افضل ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کی طرف ہدیہ بھیجوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا دروازہ زیادہ قریب ہے۔ [بخاری: ٦٠٢٠]

یہ وہ مسلمان مساکین وضعفاء تھے جن کے پاس کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ لہٰذا وہ مسجد میں ایک سایہ دار جگہ پر رات گزارتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ ان کی فکر رہتی۔

آپ ﷺ حسب استطاعت ان کی مدد کرتے۔ جب آپ ﷺ کو کوئی ہدیہ ملتا تو آپ ﷺ اس میں سے کچھ کھالیتے اور بقیہ اصحاب صفہ کی طرف بھیج دیتے۔ لیکن جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ وخیرات کا مال آتا تو آپ ﷺ سب سے پہلے اصحاب صفہ کو بلاتے پھر دوسروں کو بلاتے۔ [التراتیب: ١/ ٤٧٣] اور جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو ان کی طرف چلے جاتے۔ [ترمذی: ٢٣٦٩]

گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کا کچھ مال آیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس اس مال میں سے خادم لینے کے لیے آئے۔ آپ ﷺ نے باوجود ان کی ضرورت کے اس مال میں ان کو خادم دینے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اہل صفہ بھوکے رہیں اور میں تمہیں خادم دوں، یہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ میں خادم فروخت کرکے اس قیمت سے اہل صفہ کی بھوک پہلے مٹاؤں گا۔

اہل صفہ کا وہ واقعہ بڑا حیران کن ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں، بے شک میں بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جاتا تھا۔ اگرچہ میں شدت بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک دن میں لوگوں کے رستے میں بیٹھ گیا جو رستہ ان کی مسجد کو جاتا تھا۔ میرے پاس سے نبی اکرم ﷺ گزرے تو مجھے دیکھ کر آپ ﷺ مسکرائے اور میرے چہرے کو پڑھ لیا اور میرے دل میں جو کچھ تھا وہ بھی جان گئے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آجاؤ اور آپ چل پڑے۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے چلنے لگا۔ آپ ﷺ گھر کے اندر چلے گئے، میں نے اجازت طلب کی تو مجھے بھی اجازت مل گئی۔ میں بھی گھر کے اندر چلا گیا۔ آپ ﷺ کو وہاں دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ ملا۔

آپ ﷺ نے گھر والوں سے پوچھا: یہ دودھ کہاں سے آیا؟ گھر والوں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں صحابی نے آپ کو ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اہل صفہ کے پاس جا اور انہیں بلا کر لا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ نہ ان کے پاس گھر تھا، نہ مال تھا اور نہ ہی انہیں کوئی جگہ دیتا تھا۔ جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ کا مال آتا تو آپ ﷺ وہ سارا مال اصحاب صفہ کی طرف بھیج دیتے۔ آپ ﷺ خود اس میں سے کچھ بھی نہ لیتے اور جب آپ ﷺ کو ہدیہ ملتا تو آپ ﷺ اس میں سے بقدر ضرورت لے لیتے اور بقیہ ان کی طرف بھیج دیتے۔

مجھے آپ ﷺ کا یہ حکم کچھ اچھا نہ لگا۔ میں نے دل میں کہا: اہل صفہ کے سامنے یہ دودھ بہت تھوڑا ہے۔ میں ہی اس دودھ کا زیادہ حق دار تھا کہ پی کر قوت حاصل کروں۔

جب وہ آ گئے تو آپ ﷺ نے مجھے ہی حکم دیا کہ ان کو دودھ پلاؤں۔ تو میں نے سوچا کہ ممکن نہیں کہ دودھ مجھ تک پہنچ جائے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے علاوہ چارہ نہیں تھا۔

میں ان کے پاس آیا۔ انہیں دعوت دی تو وہ سب چل پڑے۔ انہوں نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ گھر میں آ کر جہاں جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کیا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تو پیالہ پکڑ اور ان کو پلا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے پیالہ لے لیا۔ ایک ایک آدمی کو دینا شروع کیا۔ ہر آدمی خوب سیر ہو کر پیتا۔ پھر پیالہ مجھے لوٹا دیتا میں پھر دوسرے آدمی کو دے دیتا۔ وہ بھی خوب سیر ہو کر پیتا۔ پھر پیالہ مجھے لوٹا دیتا۔ بالآخر میں وہ پیالہ لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ اہل صفہ تمام کے تمام سیر ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے پیالہ مجھ سے لے کر اپنے ہاتھوں پر رکھ لیا۔ آپ ﷺ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اور تم رہ گئے ہیں۔ میں نے کہا: یارسول اللہ آپ سچ فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو بیٹھ کر پینا شروع کر دے۔ میں بیٹھ گیا اور پینا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا تو پی۔ میں نے پھر پیا۔ آپ ﷺ ہر بار یہی فرماتے تو اور پی۔ تو میں نے کہا: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اب دودھ جانے کا کوئی رستہ نہیں پاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر پیالہ مجھے دے دے۔ میں نے پیالہ آپ ﷺ کو دے دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف کی اور اللہ کا نام لے کر بچا ہوا دودھ پیا۔ [بخاری: ٦٤٥٢]

خانۂ رسول ﷺ کے محاسن

رسول اللہ ﷺ کا گھرانہ ایسی عالیشان صفات کے ساتھ متصف ہے جو بہت کم گھرانوں میں ایک جگہ اکٹھی نظر آئیں گی۔ وہ صفات اپنی شکل اور اپنے مضمون میں منفرد تھیں۔ وہ تمام محاسن واوصاف اخلاق کی رفعتوں اور دوریوں کے میدان میں بارش کی طرح برستے رہے۔ وہ سب قرآنی اخلاق تھے اور رسول اللہ ﷺ زمین پر چلتا ہوا قرآن تھے۔

ہر گھر میں چند اخلاقی پہلو تو پائے جاتے ہیں جبکہ چند غائب ہوتے ہیں۔ جیسے کچھ لوگ صدق گفتار سے مزین ہوں لیکن ایثار کے جذبے سے عاری ہوں۔ یا عبادت سے مزین ہوں اور علم سے خالی ہوں یا وہ امانت کی اہمیت پہچانتے ہوں اور صبر کی صفت سے تہی دامن ہوں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ کوئی ایک ہی خاندان تمام اوصاف و محاسن سے بیک وقت مزین ہو۔ ایسا صرف عظیم قائدین کاملین کے گھروں میں ہی ہوسکتا ہے۔

ہم بیت نبوت کی سیرت اور تاریخ کو اجمالی طور پر تحریر کر چکے ہیں اور جو کچھ ان گھروں میں واقعات اور مشکلات و معاملات پیش آتے رہے۔ ان کا تذکرہ ہو چکا ہے تو ہم اپنے آپ کو ایسے گھر کے سامنے پاتے ہیں جو اس عظیم قائد نبی ﷺ کی زندگی کے ابتدائی ایام و مراحل ہی سے نگاہوں کو خیرہ کر دینے کے لیے کافی ہے۔ قارئین کے سامنے

ہم خانۂ نبی ﷺ کی اہم صفات کو خلاصے کے طور پر تحریر کرتے ہیں۔

① مشکل ترین حالات میں جسم اور روح کا رشتہ قائم رکھنے والی گزر بسر۔

رسول اللہ ﷺ کے گھرانوں پر غذائی قلت اور عیش وعشرت کے میزان مثلاً رہائش، لباس اور بستر میں انتہائی سادگی اور غربت غالب رہی۔ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے کچے مکانات مسجد کے اردگرد بنے ہوئے تھے۔ وہ کل ۹ (نو) تھے۔ چار تو ہاتھوں سے بنے ہوئے گارے کی اینٹوں کے تھے اور دیگر پتھروں کے اوپر پتھر جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ ان کی چھتیں ٹپکتی تھیں جو کھجور کی ٹہنیوں سے ڈھانپی گئی تھیں۔ وہ سب برابر نہیں تھیں بلکہ دونوں اطراف سے اوپر نیچے ہوتی تھیں۔ نیچے کھڑا ہونے والا آدمی جب اپنا ہاتھ بلند کرتا تو چھتوں کو لگ جاتا۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز خیرہ کے ساتھ رہتا تھا جو ان کی والدہ تھیں۔ وہ طویل القامت لڑکا تھا۔

''میرا ہاتھ نبی اکرم ﷺ کے حجرات میں چھت تک پہنچ جاتا تھا۔'' ہر گھر ایک ایک کچے کمرے پر مشتمل تھا۔ ان میں بالوں سے بنے ہوئے کمبلوں کا ایک خیمہ نما ہوا کرتا تھا۔ جو چھت کے شہتیر سے بندھا ہوتا تھا جو عموماً بیری کی طرح کی لکڑی کا ہوتا تھا۔[التراتیب: ۲/ ۷۸]

ان کمروں کا فرش چونا گچ یا سیمنٹ کا پلستر والا نہیں ہوتا تھا۔ ان میں بچھونا ایک پرانی بوسیدہ چٹائی پر مشتمل ہوتا اور وہ زیادہ وسیع نہیں ہوتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے آگے سوئی ہوئی ہوتی میری ٹانگیں آپ ﷺ کے قبیلے کی جانب ہوتیں۔ آپ ﷺ جب سجدہ کرنا چاہتے تو مجھے ٹھوکا لگاتے تو میں ٹانگیں سکیڑ لیتی اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو میں دونوں پاؤں پھیلا دیتی۔

اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ کے گھروں

کے دروازوں میں لوہے کے کڑے ہوتے جنہیں پکڑ کر کھٹکھٹایا جاتا۔ لوگ ہاتھوں سے ہی دروازے بجاتے۔ ان دروازوں پر بالوں سے بنے ہوئے چیتھڑے ہوا کرتے۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر پہلے مسجد تعمیر کی، اس کے بعد اپنی بیویوں کے حجرات تعمیر کیے۔

ابتدا میں صرف سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تعمیر کیے۔ پھر جب ضرورت پڑتی رہی۔ بقیہ زوجات کے گھر تعمیر ہوتے رہے۔ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ غزوہ دومۃ الجندل سے واپس آئے تو آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا گھر پتھروں سے تعمیر کر لیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ عمارت کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میں نے چاہا کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ جاؤں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! مسلمان کے مال جانے کی بدترین جگہ عمارت کی تعمیر ہے۔ ان گھروں میں رسول اللہ ﷺ کی بیویاں جو مومنوں کی مائیں ہیں، ٹھہری رہیں۔ انہی گھروں میں وحی نازل ہوتی تھی اور انہی گھروں میں رسول اللہ ﷺ رات کا کچھ حصہ سو کر گزارتے اور پھر رات بھر قیام کرتے۔ عام مسلمانوں کے گھروں کی نسبت راحت کا سب سے کم سامان ان گھروں میں تھا اور خطرات کے لحاظ سے سب گھروں سے زیادہ خطرہ ان مکانات میں ہوتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ جب تھک جاتے تو کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی موٹی اور کھردری چٹائی پر آپ ﷺ سو جاتے۔ اس چٹائی کے نشانات آپ ﷺ کے پہلو میں پڑ جاتے۔ جب کبھی آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گھروں میں آتے اور وہ آپ ﷺ کی وہ حالت اور کیفیت دیکھتے جو چٹائی کی وجہ سے آپ ﷺ کی ہو جاتی تو انہیں بڑا دکھ ہوتا۔

ایک بار سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے گھر آئے۔ جب انہیں وہ کچھ دکھائی دیا جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کہہ دیا: یارسول اللہ! اگر ہم آپ کو کوئی کپڑا دے دیں جو آپ اپنے جسم شریف اور چٹائی کے درمیان بچھالیں تو اس چٹائی کی

تکلیف سے آپ بچ سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا دنیا سے صرف اتنا تعلق ہے مجھ کو دنیا سے صرف یہی نسبت ہے۔ جیسے ایک سوار دوران سفر کسی درخت تلے پڑاؤ کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر چل دیتا ہے۔

ایک بار سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی سادہ اور پرمشقت زندگی کا آپ کے زمانے میں قرب وجوار کے قبائلی سرداروں اور حکمرانوں کی پرتعیش زندگیوں سے موازنہ کیا تو ان کو بڑا دکھ ہوا۔ ان کو دونوں قسم کی زندگیوں میں واضح فرق نظر آیا۔

اکثر اوقات نبی اکرم ﷺ دوہرے کیے گئے چمڑے کی چٹائی پر سو جاتے۔ آپ ﷺ اس پر کچی نیند سوتے۔ جو آپ ﷺ کو طویل بیداری میں تہجد اور ذکر الٰہی وغیرہ کے لیے مستعد رکھتی۔ آپ ﷺ کچھ دیر ستاتے، پھر اللہ کے حضور قیام میں لگ جاتے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ کو آپ کی اس حالت پر ترس آ گیا۔ اس نے آپ ﷺ کے نیچے بچھائے جانے والے چمڑے کی چار تہیں لگا دیں۔ آپ ﷺ کو اضافی راحت مل گئی اور گہری نیند سو گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہیجانی کیفیت میں بیدار ہو گئے۔ کیونکہ آپ ﷺ قیام اللیل نہ کر سکے اور جب آپ کو اپنی بیوی کے فعل کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے ان کو کہہ دیا کہ آئندہ اس طرح نہ کرنا اور میرے بچھونے کو پہلے کی طرح بچھانا۔ کبھی کبھار آپ ﷺ ایسے بچھونے پر سوتے جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے ہوتے جن میں ابھار بھی ہوتے جو پتھریلی زمین سے زیادہ مشابہت رکھتے۔

[بخاری:٦٤٥٦]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک انصاری خاتون آئی۔ اس کی نظر جب رسول اللہ ﷺ کے کھردرے بستر پر پڑی تو اسے بڑا ترس آیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کے لیے ایک بچھونا بھیجا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ نے وہ دیکھا تو آپ کو وہ برا لگا

اور آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ ؓ کو حکم دیا کہ اسے وہیں لوٹا دو جہاں سے یہ آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو لوٹا دے۔ اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ سونے اور چاندی کے پہاڑوں کی میرے پاس قطاریں لگا دے۔

ان نبوی گھرانوں کی گزر بسر سادگی کے ساتھ ساتھ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہوتی ، جسے فقر سے زیادہ قریب کہا جاسکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کو مال کی کثرت کی خواہش نہیں تھی اور اکثر اوقات آپ ﷺ اپنے رب سے یوں دعا کرتے :

''اے اللہ! تو آل محمد کا رزق گزارے کی حد تک رکھ۔''

ایک بار آپ ﷺ نے کوہ اُحد کی جانب دیکھا اور فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ آل محمد ﷺ کے پاس اس (پہاڑ) جتنا سونا ہو اور میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردوں اور جب مروں جس دن بھی مروں تو میرے پاس دو دیناروں کے علاوہ کچھ بچ جائے وہ دو دینار جو میں اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے رکھوں اگر میں مقروض ہوتا۔

آپ ﷺ سکون کو پسند نہ کرتے اور نہ ہی زندگی کی رونقوں سے آپ کو کوئی دلچسپی تھی جبکہ آپ کی نگاہوں کے سامنے مسلمان فقراء مشقت آمیز اور تنگدستی بھری زندگی گزار رہے تھے۔ اسی لیے جب بھی آپ ﷺ کے پاس تھوڑا یا زیادہ مال آتا تو آپ ﷺ اسے فوراً تقسیم کر دیتے اور اکثر اوقات آپ خود بھوکے رہ جاتے۔ آل نبی ﷺ کا کھانا قلیل ہونے کے ساتھ ساتھ بے مزہ ہوتا۔ آپ ﷺ کے گھر والے لذت آمیز کھانا نہ بنانے کی کوشش کرتے اور نہ ہی انہیں میسر آتا۔

سیدہ عائشہ ؓ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، رسول اللہ ﷺ نے چھنا ہوا آٹا نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے چھنے ہوئے آٹے کی کبھی روٹی کھائی۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا۔ پھر وفات تک آپ ﷺ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کبھی نہ کھائی۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کبھی ''دقل'' ردی کھجور سے بھی پیٹ نہیں بھرا۔[مسلم:۲۹۷۸]

سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب سے نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت سے لے کر اپنی وفات تک آپ اور آپ ﷺ کے اہلخانہ نے گندم کی روٹی کبھی سیر ہوکر نہ کھائی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی وفات تک آپ اور آپ کے اہل خانہ جو کی روٹی سے بھی کبھی سیر نہ ہوئے۔ اکثر اوقات تین ماہ تک آپ ﷺ کے گھروں میں روٹی یا سالن پکانے کے لیے چولہا تک نہ جلتا۔[بخاری:۲۵۱۷۔مسلم:۲۹۷۲]

ایک بار نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: آل محمد ﷺ کے نو گھروں میں کبھی ایک صاع (سوا سیر) کھانا شام کے وقت میسر نہ آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ناپسندیدگی سے نہ کی بلکہ آپ ﷺ اپنی امت کو رغبت دلا رہے تھے اور اپنی امت والوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ مسلسل کئی راتیں فاقہ کشی کے ساتھ گزارتے اور آپ کے گھر والوں کو اکثر اوقات رات کا کھانا میسر نہ آتا اور ان کا اکثر طور پر کھانا جو کی روٹی ہوتا۔[ترمذی:۲۳۶۱]

بلکہ آپ ﷺ کی وفات تک آپ کے گھر والوں نے دو دن مسلسل جو کی روٹی بھی سیر ہوکر کبھی نہ کھائی۔[بخاری:۵۴۱۶۔مسلم:۲۹۷۰]

کبھی کبھار آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے: آجاؤ برکت والا رات کا کھانا کھاؤ اور عموماً یہ کھانا کھجور کے دو دانوں پر مشتمل ہوتا۔[مسند احمد میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے]

بعض اوقات نبی اکرم ﷺ کے پیٹ میں شدت بھوک کی وجہ سے بل پڑ جاتے۔

آپ ﷺ کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملتا۔ ایک فقیر عورت اپنی بیٹی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے گھر آئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی چیز نہ تھی جو اپنی مہمان کو پیش کرتی۔ البتہ کھجور کا ایک دانہ پڑا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ اٹھا کر اس عورت کو دے دیا۔ اس نے اس کو پھاڑا اور آدھی کھجور اپنی بیٹی کو دی اور آدھی خود کھالی۔

بعض اوقات نبی اکرم ﷺ کو بھوک لگتی تو آپ اپنے گھر والوں سے پوچھتے کیا کھانے کے لیے کچھ ہے؟

ایک بار آپ ﷺ نے سالن طلب کیا تو آپ کو کہا گیا: ہمارے پاس سرکہ کے علاوہ کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے وہی منگوا لیا۔ آپ اس میں روٹی کے لقمے ڈبو کر کھانے لگے اور آپ ﷺ فرماتے سب سے اچھا سالن سرکہ ہے۔ سب سے اچھا سالن سرکہ ہے۔

[مسلم:۲۰۵۲]

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا کہ وسعت غنا پسند کرلیں یا بمشکل گزر بسر تو آپ ﷺ نے سیر ہونے کی بجائے بھوک کا انتخاب کیا اور فرمایا: اے اللہ! تو آل محمد ﷺ کا رزق گزارے موافق کردے۔

اسی طرح آپ ﷺ اپنے رب کو مخاطب کر کے فرماتے۔ ایک دن میں بھوکا رہ کر تجھے پکاروں گا اور ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور تیرا شکر ادا کروں گا۔ اسی لیے آپ ﷺ مسلسل کئی روز بھوکے رہتے۔ حتیٰ کہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ کو شدید تکلیف ہو جاتی اور بھوک آپ ﷺ کو کاٹنا شروع کرتی تو آپ ﷺ پتھر لے کر اپنے پیٹ پر باندھ لیتے۔ تاکہ بھوک کا احساس مٹ جائے اور آپ ﷺ کھانا ملنے تک صبر کرتے۔

غزوۂ خندق میں مسلمانوں پر جب شدید وقت آیا اور وہ معرکہ کی تیاری کر رہے تھے،

ان میں سے کچھ نے اپنے پیٹوں پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھائے اور جب جزیرۃ العرب کے صدر مقام مکہ مکرمہ پر آپ ﷺ کو فتح نصیب ہوئی۔ بلکہ سارے اسلام کا وہ صدر مقام تھا اور یہ اس بات کا اعلان تھا کہ سب دنیا اسی دین کو اختیار کرے گی اور فتح عظیم کے دوسرے دن سرور اعظم ﷺ دوپہر کا کھانا کھانے لگے جس کے سامنے کسی کو ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ آپ ﷺ کو کھانے میں روٹی کے چند لقمے ہی ملے جو آپ ﷺ نے سرکہ میں ڈبو کر کھائے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سامنے وہ کھانا پیش کیا۔ اس دن بھوک سے نڈھال ہو کر اس کے پاس آپ آئے تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے بہتر کھانا پیش نہ کر سکنے کی بنا پر معذرت بھی کی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی! بہترین سالن سرکہ ہے۔ جس گھر میں سرکہ ہو وہ کبھی غریب نہیں ہوتا۔

ایک بار اپنے گھر میں ہی آپ ﷺ کو سخت بھوک نے ستانا شروع کیا۔ کھانے کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو بھی اسی ضرورت نے باہر نکالا ہے جس نے آپ ﷺ کو باہر نکالا تھا۔ آپ ﷺ ان دونوں کو لے کر ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس کچھ چھوہارے لایا۔ پھر اس نے ان کے لیے بکری ذبح کی۔

جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ کو کئی بار رات کو بھوکا سونا پڑتا تھا۔ رات کا کھانا میسر نہ ہوتا۔ شدت بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ پر آپ کے گھر والوں کو ترس آجاتا۔ یہاں تک کہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ اٹھتیں میں جب رسول اللہ ﷺ کی شدت بھوک کی وجہ سے بدحالی دیکھتی تو مجھے رونا آجاتا اور میں کہہ دیتی: یارسول اللہ! میری جان آپ ﷺ پر قربان ہوجائے۔ کاش! آپ ﷺ اپنی طاقت کے مطابق دنیا سے کچھ حاصل کر لیں۔

آپ ﷺ فرماتے: عائشہ! میرا دنیا سے کیا تعلق ہے؟ میرے بھائی اولو العزم انبیاء نے اس سے بہت زیادہ سخت حالات میں صبر کیا۔

بھوک رسول اللہ ﷺ کے گھروں کی علامت بن گئی۔ آپ ﷺ جب کھانا کھاتے تو پاک اشیاء کی قلت کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی جی بھر کر کھانا نہیں کھایا، کیونکہ آپ ﷺ کے سامنے عام مسلمان تنگدستی کے ساتھ گزر بسر کرتے۔ خصوصاً آپ ﷺ کے پڑوسی اصحاب صفہ آپ کی نگاہوں میں ہمیشہ رہتے۔

اس زہد اور ورع کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے کوئی پاکیزہ چیز کبھی بھی اپنے اوپر حرام نہیں کی۔ لیکن آپ ﷺ کم سے کم کھاتے۔ آپ ﷺ کو میٹھی اشیاء اور شہد بھاتا۔ نیز آپ ﷺ گوشت بھی پسند کرتے اور گوشت سے بکرے کی دستی اور پائے کو آپ ﷺ فضیلت دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے بکرے کا بازو ہدیہ ملے تو میں اسے کھاؤں گا اور اگر بکری کے پائے کی طرف میری دعوت کی جائے تو میں ضرور اسے قبول کروں گا۔ نیز آپ ﷺ کسی اور کو اتنے زہد اور اپنے آپ ﷺ کو نعمتوں سے محروی کے لیے نہ کہتے۔ تاہم آپ ﷺ سب کو اعتدال کی دعوت و رغبت ضرور دیتے۔

آپ ﷺ خود بھی تھوڑا کھاتے اور دوسروں کی کم خوری پر حوصلہ افزائی بھی کرتے۔

آپ ﷺ فرماتے: ابن آدم اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا۔ ابن آدم کی پشت کو سیدھا رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں۔

اسی لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے کھانے کے انداز کی یوں وضاحت کرتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا پیٹ کبھی کھانے سے نہیں بھرا۔ آپ ﷺ اپنے گھر میں ہوتے تو اہل

خانہ سے کبھی کھانے کے متعلق نہ پوچھتے اور نہ ہی آپ ﷺ اپنی بھوک کو ظاہر کرتے۔ اگر وہ آپ ﷺ کو کھانا کھلا دیتے تو آپ ﷺ کھا لیتے وہ جو بھی کھاتے آپ ﷺ اسے قبول کرتے اور وہ آپ کو جو کچھ پلاتے آپ پی لیتے۔

اکثر اوقات آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے پاس خالی پیٹ جاتے اور پوچھتے کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ اگر وہ کہتے ہاں ہے تو آپ کھا لیتے۔

اور اگر وہ کہتے کہ کچھ نہیں تو آپ ﷺ فرماتے: بے شک میں روزے کی نیت کرتا ہوں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی ۔وہ آپ ﷺ کے دسترخوان کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے تمام زندگی کبھی پلیٹوں میں کھانا نہیں کھایا اور نہ کبھی آپ کو باریک آٹے کی روٹی میسر آئی اور نہ ہی آپ کو کبھی بھنی ہوئی پوری بکری ملی اور نہ ہی کبھی آپ ﷺ نے میزوں پر لگا ہوا کھانا کھایا۔

[بخاری: ٥٤١٤-٦٤٥٧]

سیدنا سہل بن سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے لے کر وفات تک میدے کی روٹی نہیں دیکھی۔

سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ ﷺ کے زمانے میں چھلنیاں ہوتی تھیں؟

سہل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت سے لے کر اپنی وفات تک چھلنی نہیں دیکھی۔

ان سے پوچھا گیا کہ تم لوگ جَو کا آٹا چھلنی کے بغیر کس طرح کھاتے تھے؟

انہوں نے بتایا: ہم جو پیس لیتے پھر اس میں پھونکیں مار کر چھلکے اڑا دیتے اور جو باقی بچتے اسے گوندھ لیتے۔ [بخاری: ٥٤١٣]

نبی اکرم ﷺ کی تنگدستی اور مشقت سے بھرپور طرزِ زندگی نے امہات المؤمنین کو اذیت میں ڈال دیا۔ ایک دن وہ اس مصائب بھری زندگی' سے بلبلا اٹھیں۔ انہوں نے

اپنے کم از کم عام مسلمان عورتوں کی طرح ہی سہی خرچ کا مطالبہ کر دیا۔

خصوصاً جب مسلمانوں کو شمال وجنوب میں فتوحات حاصل ہوئیں۔ مال غنیمت کثرت سے حاصل ہونے لگا، تو آپ ﷺ پوری سخاوت سے وہ تقسیم کر دیتے امہات المؤمنین جو کی روٹی کے خشک ٹکڑے کھاتیں۔ بعض اوقات ان میں سے کچھ کو تو وہ روٹی بھی نہ ملتی، وہ چند کھجوروں پر ہی رات گزار دیتیں یا پنیر کے چند ٹکڑوں پر گزارہ کرتی۔ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے اجتماعی طور پر نبی اکرم ﷺ سے بڑی لجاجت کے ساتھ اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ ہمیں بھی زیادہ نفقہ دیا جائے۔ آپ ﷺ نے ان کو سردست کوئی جواب نہ دیا۔ جب وہ مسلسل شور کرنے لگیں، ان سب کی ہر وقت ایک ہی رٹ تھی کہ زیادہ خرچ دیا جائے۔ آپ ﷺ سب کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے اور ایک ماہ تک کسی سے کوئی بات نہ کی اور ان سب سے دور رہے۔

امہات المؤمنین پر تو جو گزری سو گزری تمام مسلمانوں کو آپ ﷺ کی اس ناراضگی کا بڑا قلق ہوا۔ اب امہات المؤمنین کو اندازہ ہوا کہ انہوں نے اپنے خاوند سے زیادہ خرچ طلب کر کے اپنا کتنا بڑا نقصان کر لیا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی تفصیل یوں روایت کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں میرا ایک انصاری پڑوسی تھا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کی باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ ایک دن وہ آپ ﷺ کے پاس جاتے اور ایک دن میں جاتا۔ وہ میرے پاس وحی کے متعلق خبریں لاتا اور میں بھی اس کے پاس جا کر اسے بتاتا۔

ہم آپس میں باتیں کرتے کہ بنوغسان اپنے گھوڑوں کو ہمارے خلاف جنگ کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ ایک دن میرا ساتھی آپ ﷺ کے پاس گیا۔ پھر شام کو آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ پھر مجھے پکارا میں اس کی طرف آیا۔ اس نے بتایا کہ ایک بڑا ہی نازک معاملہ پیش آیا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ کیا بنوغسان نے یلغار کر دی ہے؟

اس نے کہا یہ بات نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑی بات ہے اور ہلاکت خیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔

میں نے کہا: اس کا مطلب ہے حفصہ رضی اللہ عنہا (میری بیٹی) خسارے اور نقصان میں پڑ گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنی آستینیں چڑھائیں۔ پھر میں مسجد نبوی میں آیا۔ جب حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا تو وہ رو رہی تھی۔

میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں طلاق دے دی ہے؟

اس نے جواب دیا: مجھے علم نہیں۔

آپ ﷺ یہیں اس گھر میں علیحدہ رہتے ہیں۔ میں آپ ﷺ کی طرف گیا تو وہاں ایک حبشی غلام دربانی کر رہا تھا، میں نے اسے کہا: جا آپ ﷺ سے عمر کے لیے اجازت طلب کر۔

غلام اندر گیا پھر باہر آیا اور کہا: میں نے آپ ﷺ کو بتایا تو آپ خاموش ہو گئے۔ میں مسجد میں منبر کے پاس چلا گیا۔ وہاں لوگوں کا ایک گروہ میں سے کچھ رو رہے تھے۔ میں وہاں کچھ دیر بیٹھا، پھر مجھ پر میرے اندر کی تشویش غالب آ گئی۔ میں دوبارہ غلام کے پاس آیا۔ میں نے کہا عمر کے لیے تو اجازت حاصل کر۔ وہ اندر گیا پھر میرے پاس آ کر کہا: میں نے آپ ﷺ کو بتایا تو آپ خاموش رہے۔

میں دوبارہ منبر کے پاس آیا، کچھ دیر بیٹھا۔ پھر مجھ پر میرے اندر کی سوچ غالب آ گئی۔ میں تیسری بار غلام کے پاس آیا اور اسے کہا: جا عمر کے لیے اجازت حاصل کر۔ غلام اندر گیا اور واپس آ کر بتایا کہ میں نے نبی ﷺ کے سامنے تمہارا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ میں جانے کے لیے مڑا تو غلام مجھے پکار رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ تم آ جاؤ۔ آپ نے تمھیں اجازت دے دی ہے۔ میں اندر گیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔ نبی ﷺ ایک چٹائی پر ٹیک لگا کر لیٹے ہوئے تھے جس کے نشان آپ کے پہلو پر پڑ

چکے تھے۔ میں نے کہا:

یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے اپنا چہرہ میری طرف اٹھایا اور فرمایا: نہیں۔ میں نے بے ساختہ کہا: اللہ اکبر۔ اللہ بہت بڑا ہے۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ ہمیں دیکھتے...... ہم قریشی ہیں اور ہمارا تعلق ایسی قوم سے ہے جو اپنی بیویوں پر غالب ہوتے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو ہم نے ایسی قوم دیکھی جن پر ان کی بیویاں غالب تھیں۔

ہماری بیویاں بھی ان کی بیویوں سے تعلیم حاصل کرنے لگیں۔ ایک دن میں اپنی بیوی کو غصے ہوا تو مجھے ترکی بہ ترکی جواب دینے لگی۔ میں نے اس کے جواب دینے کو برا جانا۔ تو اس نے کہا: تم میرے جواب دینے کو برا کہتے ہو۔ اللہ کی قسم! بے شک نبی اکرم ﷺ کی بیویاں اپنے شوہر کو جواب دیتی ہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو اپنے خاوند سے رات گئے تک ناراض رہتی ہیں اور آپ کے قریب نہیں جاتیں۔

تو میں نے کہا: تم میں سے جس نے بھی یہ کام کیا، وہ خسارے میں ہے اور رسوا ہے۔ کیا تم میں سے کسی ایک کو یہ اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے رسول ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے غصے نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ یقیناً ہلاک ہوجائے گی تو رسول اللہ ﷺ میری باتیں سن کر مسکرا پڑے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے کہا: یارسول اللہ! میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور اسے کہا: تجھے اس سے کبھی دھوکہ میں نہ آنا چاہیے کہ تیری پڑوسن (عائشہ رضی اللہ عنہا) تجھ سے اونچی شان والی اور رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ پھر مسکرا دیے۔ میں نے وضاحت کی۔ یارسول اللہ! میں ذرا ماحول کو خوشگوار بنا رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے گھر کے اندر دیکھنا شروع کیا۔ تو اللہ کی قسم! مجھے آپ کے گھر میں کوئی چیز قابل دید نظر نہیں آئی۔ سوائے چند رنگی ہوئی کھالوں کے جو لٹک رہی

تھیں۔ تو میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کی امت کو خوشحالی عطا کرے۔ بے شک اس نے روم وایران والوں کو خوشحال کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

آپ ﷺ میری بات سن کر اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تجھے شک پڑ گیا ہے۔ ان قوموں کو دنیاوی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ نے فوراً نعمتیں دے دی ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میرے لیے مغفرت طلب کریں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے قسم کھائی تھی کہ اپنی بیویوں کے پاس ایک ماہ تک نہ جائیں گے کیونکہ آپ ﷺ کو ان پر شدید غصہ آ گیا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس عمل پر معاتبت کی۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر وہ آیات اتاریں جن میں آپ کی بیویوں کو اختیار دے دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ

لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں رخصت کر دوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی بے حیائی (عمل میں) لائے گی اس کے لیے عذاب دوگنا بڑھایا جائے گا اور یہ بات اللہ پر ہمیشہ سے آسان ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی اسے ہم اس کا اجر دوبار دیں گے اور ہم نے اس کے لیے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عورتوں میں سے کسی ایک جیسی نہیں ہو، اگر تقویٰ اختیار کرو تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔ اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یاد کرو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے نہایت باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ اپنی خلوت گاہ سے باہر آئے اور اپنی بیویوں کو ان کے اختیار کے متعلق بتایا۔ جیسے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ یا تو

میں ان کو چھوڑ دوں اور میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلی جائیں جہاں سے انہیں دنیاوی زندگی کی لذتیں اور زیب و زینت کا سامان ملنے کی امید ہو یا جو کچھ میرے پاس تنگدستی کی صورت حال ہے اس پر صبر کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی سب سے چھوٹی اور سب سے لاڈلی بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتدا کی۔ آپ ﷺ نے اسے کہا: میں تجھے ایک بات کہنے والا ہوں۔ تجھے جلدی کرنے کی کوئی مجبوری نہیں تو چاہے تو اپنے ماں باپ سے مشورہ کر لے۔ آپ ﷺ نے اس کو وہ آیات پڑھ کر سنائیں جو ان کے متعلق آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذرہ بھر تردّد یا اضطراب سے کام نہ لیا، بلکہ آپ ﷺ سے نہایت وضاحت اور صاف الفاظ سے ہم کلام ہوئی: ''میں کس بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں۔ بے شک میں اللہ، اس کے رسول اور مقام آخرت کی طالب ہوں۔ آپ ﷺ اس کی گفتگو سن کر انتہائی خوش ہوئے اور اس کے جواب نے آپ ﷺ کو مسرور کر دیا۔''

پھر نبی اکرم ﷺ اپنی سب بیویوں کے حجروں میں گئے۔ ان سب کا جواب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والا ہی تھا۔ ان میں سے کسی نے اس جواب کے مخالف جواب نہ دیا۔

بہرحال معاملہ بہتر انداز میں ختم ہوگیا۔ راویوں کے بقول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو ان کو اجازت نہ ملی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی تو ان کو بھی اجازت نہ ملی۔ جب تھوڑی دیر کے بعد ان دونوں نے مل کر اجازت طلب کی تو ان کو اجازت مل گئی جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ کے اردگرد آپ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ ﷺ درمیان میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا۔ وہ بولے میں آپ ﷺ سے ایک بات کرتا

ہوں تاکہ آپ خوش ہو جائیں۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے؟ اگر میری بیوی مجھ سے اخراجات مانگے تو میں اس کی گردن مروڑ دوں۔ یہ بات سن کر نبی اکرم ﷺ اس قدر مسکرائے کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اور وہ مجھ سے اخراجات طلب کر رہی ہیں۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی یہ بات سنی تو سخت ناراض ہوئے اور وہ اور عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیٹیوں (حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما) کو مارنے کے لیے لپکے۔

وہ دونوں کہہ رہے تھے۔ تم دونوں نبی اکرم ﷺ سے وہ چیز طلب کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو مارنے سے منع کر دیا۔ آپ ﷺ کو یہ بات بری لگی کہ وہ دونوں اپنی بیٹیوں پر سختی کریں۔ آپ ﷺ کی مذکورہ دونوں بیویاں خوفزدہ ہوگئیں اور ان کے باپوں کی ہیبت، ان دونوں پر طاری ہوگئی اور انہیں ادراک ہوگیا کہ ان دونوں نے بھی اور ان کی دیگر سوکنوں نے جو کیا سو برا کیا۔ ان دونوں نے بیک زبان کہا: اللہ کی قسم! آج کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز ہرگز طلب نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہ ہوگی۔

گویا بغیر کسی ادنیٰ تردد و اضطراب اور پیشگی تحفظ کے نبی اکرم ﷺ نے اس زندگی کو قبول کر لیا جس میں آپ ﷺ جی رہے تھے۔ سب بیویوں نے اپنے نیک خاوند سے جدا ہونا گوارا نہ کیا۔ چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، بلکہ اس درس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو ایثار و ہمدردی کے اخلاق سے آراستہ کر لیا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی وہ اسی اخلاق کریمانہ پر قائم رہیں۔

پھر سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ایک باخندہ خاتون بن گئیں۔ اپنے ہاتھ سے وہ کاتتی پھر اسے صدقہ کر دیتیں، بہت کم فروخت کرتی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صدقات کرنے سے پیچھے نہ رہتی تھیں، جونہی ان کے پاس مال پہنچتا وہ فوراً خیرات کر دیتیں، بہت کم فروخت کرتی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صدقات کرنے سے پیچھے نہ رہتی تھیں۔ جونہی ان کے پاس مال آتا وہ فوراً صدقہ کر دیتیں۔ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ہزاروں درہم بھیجے شام ہونے سے پہلے پہلے ہی انہوں نے وہ سب بانٹ دیے۔ جب مغرب قریب ہوئی تو انہوں نے اپنی خادمہ کو کہا: میری افطاری کے لیے مجھے کچھ دو۔ وہ دن بھر روزہ سے تھیں۔ کنیز نے خوفزدہ ہو کر کہا: کھانے کے لیے اللہ کی قسم! گھر میں کچھ نہیں۔ کاش! آپ نے ان درہموں میں سے ایک درہم افطاری کے لیے بچا لیا ہوتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے نرمی سے کہا: اگر تو مجھے یاد کرا دیتی تو میں ضرور ایسا کرتی۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے نتیجے میں جو غنیمتیں دیں' آپ گھر کے خرچ کے لیے ایک سال کی کھجوریں ذخیرہ کر لیتے۔ پھر دیگر کھجوریں صدقہ کر دیتے۔ بعض اوقات کوئی آفت یا قحط سالی وغیرہ آ جاتی تو آپ ﷺ ذخیرہ شدہ کھجوروں کو تقسیم کر دیتے اور آپ کے پاس کچھ نہ رہتا، پھر آپ ﷺ کچھ ہی عرصہ بعد وفات پا گئے۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھانے لگے تو رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے۔

تاہم آپ ﷺ ایسا کھانا صبح کے لیے بچا کر نہ رکھتے جو جلد خراب ہونے والا ہو۔ ایک بار ہدیتاً آپ ﷺ کو پرندوں کا گوشت ملا۔ آپ ﷺ کے خادم نے آپ کو ایک پرندہ کھلا دیا اور دوسرا بچ گیا۔ جب دوسرا دن آیا تو انس رضی اللہ عنہ وہ پرندہ آپ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور اسے فرمایا: کیا میں نے تجھے کہا نہیں کہ کوئی چیز دوسرے دن کے لیے بچا کر نہ رکھو؟

اس طرح کی سادہ اور مشکل زندگی کا تقاضا تھا کہ گھروں میں استعمال کی چیزیں نہایت قلیل ہوں۔ اکثر اوقات آپ ﷺ کے سادہ مکانات میں ایک چکی، کچھ برتن اور پیالہ ہی ہوتے اور یہ برتن ایسے نہیں تھے جن پر فخر کیا جا سکے۔ بلکہ وہ نہایت سستے قسم کے۔

برتن ہوتے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی اکرم ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو آپ ﷺ نے ٹوٹی ہوئی جگہ چاندی کی تار لگوالی۔

گزشتہ صفحات میں ہم لکھ آئے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں تو ان کا کتنا سامان تھا اور جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر گئیں تو وہ اپنے ساتھ کتنا جہیز لے کر گئیں۔ وہ اس سے بھی بہت کم تھا جو اس زمانے کی فقیر لڑکیوں کو شادی پر ملتا تھا تو پھر رسول اللہ ﷺ کی بیویوں اور بیٹیوں کے جہیز کی آج کی دلہنوں کے جہیز سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی کے آخری ایام تک حسب معمول سادگی سے گزر بسر کرتے رہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے شمال جنوب اور مشرق ومغرب میں فتوحات عطا کیں اور زمین کے چاروں اطراف سے آپ ﷺ کے پاس غنیمتوں کے ڈھیر جمع ہو جاتے، پھر بھی آپ ﷺ کے گھروں کی حالت نہیں بدلی اور آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے ایسی کوئی چیز نہیں لی جو ایسے مواقع پر بادشاہ اور حکمران لیتے ہیں۔ آپ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ ﷺ اپنی سابقہ ڈگر پر ہی قائم تھے۔ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے مکان پر آئیں اس وقت آپ ﷺ مکمل ہیبت اور جلالت وسلطنت کے مالک تھے۔

ام ہانی نے دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں آپ ﷺ غسل فرما رہے تھے۔ جیسا کہ پہلے ہم پڑھ آئے ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک کپڑا آپ ﷺ کے پردے کے لیے تان رکھا تھا۔

نبی ﷺ کے گھرانوں کی دوسری خصوصیت پیار و محبت

یہ خصوصیت سعادت مند گھرانوں کی اصل بنیاد ہے۔ اسی بنیاد پر ہی رسول اللہ ﷺ کے تمام گھرانے قائم تھے اور جس گھر سے محبت گم ہو جائے اس گھر کے تمام افراد کناروں پر رہ کر زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ روحوں کے بغیر چلتے پھرتے مجسمے ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی محبت ہی نے آپ ﷺ کی سب بیویوں کو سرشار کر رکھا تھا۔

آپ ﷺ کی محبت صرف ایک نبی کی محبت ہی نہیں تھی بلکہ ایک محبوب لاڈلے خاوند کی محبت تھی جس کے وجود سے گھر میں رونقیں ہی رونقیں ہوتی ہیں اور جب وہ گھر سے غائب ہو تو گھر کے تمام افراد کے دل اس سے ملنے کے شوق اور آرزو میں تڑپتے ہیں۔

اسی لیے تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آپ ﷺ کی رضا کے حصول کے لیے ایک دوسری سے مقابلہ کرتیں اور آپ ﷺ کا دل جیتنے کی خواہش کرتی تھیں اور ہر ایک کی کوشش ہوتی کہ آپ ﷺ مجھے دوسروں پر ترجیح دیں۔ آپ ﷺ کی ساری بیویاں آپ کے ساتھ نکاح سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک سعادت مند رہیں۔ اگرچہ آپ ﷺ کی جدائی کا صدمہ سب کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی کو ناپسندیدگی کی وجہ سے کبھی نہیں اٹھایا اور نہ ہی کبھی آپ ﷺ کی کوئی بیوی آپ سے دور بھاگی اور نہ ہی کسی بیوی

کو ایسی گفتگو سنائی دی جس سے اس کی اہانت کا پہلو نکلتا ہو یا اس کی تضحیک ہوتی ہو۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی کسی بیوی کو تھپڑ یا لاٹھی سے نہیں مارا اور نہ کبھی آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو تادیباً یا مزاحاً جھڑکا۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے تمام بیویوں کی طرف سے آپ ﷺ کے احترام اور آپ ﷺ کے ساتھ دلی محبت کا تذکرہ ہو چکا ہے، اب دوبارہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے کس طرح اپنی بیویوں کو واضح طور پر اختیار دیا کہ وہ آپ ﷺ سے طلاق لے لیں یا آپ کے ساتھ مشکل حالات پر صبر کریں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی آپ ﷺ کی شخصیت کی وجہ سے ذرہ بھر تردّد نہ کیا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصی قدر و منزلت کی وجہ سے وہ فخر ضرور کرتی تھیں اور اسی فخر کی بنیاد پر کبھی کبھار ان کا سلوک انوکھا اور تلخ بھی ہو جاتا۔ بہر حال وہ ازدواجی محبت کی حدود سے کبھی باہر نہ نکلیں اور یہ افتخار مزید پر اعتماد محبت کا باعث ہی بنا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک دن خوش کرنے کے لیے کہا: میں جانتا ہوں تو کب مجھ پر خوش ہوتی ہے اور کب مجھ پر ناخوش ہوتی ہے۔ انہوں نے دہشت زدہ ہو کر پوچھا: آپ ﷺ اپنی بات کی وضاحت کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم مجھ پر خوش ہوتی ہو تو قسم اٹھاتے ہوئے یوں کہتی ہو۔ رب محمد ﷺ کی قسم! ایسا نہیں اور ناخوشی کے وقت تم یوں قسم اٹھاتی ہو۔ رب ابراہیم علیہ السلام کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ وہ خوشی سے پکار اٹھیں۔ اللہ کی قسم! میں صرف آپ ﷺ کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ کی اپنی ازواج کے ساتھ آپ ﷺ کی محبت ام زرع والا واقعہ ہے۔ جو نبی اکرم ﷺ نے خود بیان کیا کہ جاہلیت میں گیارہ عورتیں اکٹھی ہوئیں اور انہوں نے باہمی طور پر عہد کیا کہ ہر عورت اپنے خاوند کی خوبیاں اور خامیاں من و عن بیان

کرے گی اور کوئی عورت جھوٹ نہیں بولے گی۔

ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے خاوندوں کی تمام خوبیاں اور خامیاں وضاحت کے ساتھ بیان کردیں۔ آخر میں ام زرع کی باری آئی۔ اس نے اپنے خاوند کی سخاوت، محبت، حسن معاشرت اور شجاعت و جوانمردی کی تمام خوبیاں اعلیٰ واکمل طور پر بیان کیں۔ یہ سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ میرے لیے بہت بہتر ہیں جس طرح ابوزرع، ام زرع کے ساتھ بہتر تھا۔ [مجمع الزوائد: ٤/٣١٧]

(صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر موقوفا مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں تیرے لیے بہت بہتر ہوں۔ ابوزع سے کہ جس طرح وہ ام زرع کے لیے بہتر تھا۔)

امانت ودیانت

رسول اللہ ﷺ کے گھرانوں کے اہم اوصاف میں سے ایک اہم وصف امانت و دیانت ہے اور یہ ایسا وصف ہے کہ جاہلیت میں نزول وحی سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں لوگوں نے آپ ﷺ کو اس کے ساتھ متصف کردیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کا لقب ''الامین'' مشہور ہوگیا۔ یہ ایسا نام تھا کہ تمام مردوزن کی زبانوں سے پورے احترام اور شکر کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے لیے ادا ہوتا تھا۔ اہل مکہ میں یہ نام مشہور و مروّج تھا۔

اور جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد قریش میں حجر اسود کی تنصیب کے موقعہ پر جھگڑا ہونے لگا اور ممکن تھا کہ یہ جھگڑا بہت بڑی قتل و غارتگری اور خونریزی کا موجب بن جاتا۔ ان سب نے اتفاق کرلیا کہ صبح مسجد الحرام میں سب سے پہلے جو شخص آئے گا اسے ہی ہم یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیں گے۔

حسن اتفاق سے محمد بن عبداللہ ﷺ ہی سب سے پہلے وہاں پہنچے۔ قوم کے سارے لوگ خوشی سے جھوم اٹھے کیونکہ وہ آپ ﷺ پر اعتماد کرتے تھے۔ سب پکارنے لگے۔ آہا!

امین آ گئے آہا۔امین آ گئے ۔ہم ان کے فیصلے پر خوش ہیں۔

تمام لوگوں کے ذہنوں میں آپ ﷺ کی معروف صفت سب سے پہلے آئی۔ تو انہوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور اس وصف کے نعرے لگائے۔ کیونکہ وہ آپ ﷺ کے عدل پر مطمئن تھے ۔چونکہ آپ ﷺ آسان اور مختصر طریقے سے ان کی مشکل حل کر دیتے تھے اور اس سے زیادہ پر اثر یہ واقعہ ہے کہ نبوت ملنے کے بعد مشرکین مکہ کہ جو آپ ﷺ کی مخالفت کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اذیتیں دیتے تھے، وہ بھی اپنی امانتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس رکھتے تھے۔ چونکہ ان کے لیے ان کی امانتوں کا سب سے بڑا محافظ اور کوئی نہ تھا۔ یہ اس زمانے کی باتیں ہیں جب روئے زمین پر لین دین اور حساب وکتاب کے لیے کوئی بنک یا مالیاتی اداروں کا وجود نہیں تھا۔ جو لوگوں کے اموال کی حفاظت کرتا۔

اور جب آپ ﷺ کو ہجرت مدینہ کا حکم ہوا اور آپ نے اس کی تعمیل میں ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے پیچھے آپ ﷺ نے اپنے چچا زاد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ صبح سویرے لوگوں کو ان کے اموال اور دوسری امانتیں واپس کر دیں۔

البتہ ''امانت'' اپنے وسیع مفہوم میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کوئی شخص اپنے مفاد کے لیے کسی دوسرے کے حوالے کرتا ہے۔ چونکہ امانت، خیانت کی ضد ہے اور امین، اس شخص کو کہتے ہیں جس پر اطمینان ہو اور جو امانتوں کی حفاظت کرے اور پوری دیانت داری سے عند الطلب ادا کرے۔

قریش مکہ دنیاوی مال و متاع میں رسول اللہ ﷺ کو امین کہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے کبھی آپ ﷺ کے اس وصف پر طعنہ زنی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے کبھی اپنی زبانوں سے اس معاملے میں آپ ﷺ پر کوئی تہمت لگائی اور نہ ہی، عزت، مال یا جان کے متعلق آپ ﷺ کو خائن کہا اور نہ ہی وہ آپ ﷺ کو متہم و مشکوک کہتے تھے۔

لہٰذا یہ بڑی عجیب وغریب کہانی ہے کہ دنیاوی مال ومتاع میں جس شخص کو اپنی زبانوں سے امین کہتے اور اپنے دلوں سے اسے اپنی امانتوں کا محافظ مانتے، آسمانی خبر میں اس شخص کو اہل مکہ جھٹلاتے۔

''بھلا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی بیک وقت امین بھی اور خائن بھی ہو؟''

سب لوگ نبی ﷺ کی زوجات مکرمات ومطہرات کو اسی وصف کے ساتھ متصف قرار دیتے۔ لہٰذا کبھی کسی نے اپنے حقوق کے معاملے میں آپ ﷺ پر یہ تہمت نہیں لگائی اور نہ کبھی کسی نے اس بات کی طرف خفیہ اشارہ ہی کیا۔

آپ ﷺ کے تمام گھر والے اپنے پاس لوگوں کی امانتوں کو پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے اصل مالکوں کے سپرد کرتے اور سب سے عمدہ اور احسن انداز میں یہ فریضہ سرانجام دیتے۔

الوفاء

یہ کوئی عجیب بات نہیں ہوگی اگر رسول اللہ ﷺ کے گھروں کی خصوصی پہچان وفاداری بنے۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ بذات خود کتنے بڑے اور پکے وفادار تھے بلکہ آپ ﷺ اپنے خادموں اور غلاموں کے بھی وفادار تھے۔ نیز جس کا آپ ﷺ سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا۔ اس کے ساتھ بھی آپ ﷺ بھرپور وفاداری کا سلوک کرتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ لمحہ بھر کے تعلق داری کے متعلق بھی پوچھے گا۔''

اور ہم گزشتہ صفحات میں تحریر کر چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے نہ آنے کے متعلق بھی پوچھا جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ اور جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ فوت ہوگئی ہے اور آپ ﷺ کو عمداً خبر نہ دی گئی کہ آپ ﷺ کی راحت میں خلل نہ آئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر ڈانٹا اور پھر اس کی قبر کے پاس اس کی نماز

جنازہ ادا کی۔ (التراتیب:۱/۸۷)

رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں پر جنازہ پڑھتے۔ان کے لیے دعائیں کرتے ......اوران کے احسانات وصالحات کو یاد کرتے۔

آپ ﷺ کی وفا کا مرکز خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جنہیں آپ ﷺ نے ہمیشہ یاد رکھا۔ اس کے احسانات کو یاد کیا اور ہر مناسبت کے وقت آپ ﷺ اس کو اور اس کی سہیلیوں کو یاد رکھتے اور انہیں تحائف بھیجتے، حتٰی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سکنالے سے کہہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ عموماً جس گھر سے بھی نکلتے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ضرور یاد کرتے۔ ایک دن حسب معمول آپ ﷺ نے اسے یاد کیا۔ مجھ پر غیرت نے غلبہ پالیا۔ میں نے کہہ دیا۔ وہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھی ۔اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر آپ ﷺ کو عطا کردی ہیں۔ آپ ﷺ ناراض ہوگئے۔حتٰی کہ آپ ﷺ کے بال شدت غضب سے کھڑے ہوگئے۔

پھر فرمایا:

نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر مجھے عطانہیں کیا۔ جب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائی اور اس نے میری اس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور جب لوگوں نے اپنے اموال سے مجھے محروم کیا تو اس نے اپنے مال کے ذریعے مجھے حوصلہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے اولاد عطا کی جبکہ دیگر بیویوں سے میری کوئی اولاد نہیں۔ [بخاری:۳۶۱۸۔مسلم:۲۴۳۔۲۴۳۵]

اس دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو مان لیا۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا۔آج کے بعد میں کبھی برے الفاظ سے یاد نہیں کروں گی۔ نبی اکرم ﷺ ہر موقع پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کرتے۔آپ ﷺ ہمیشہ ان کی سہیلیوں اور ان کے رشتہ داروں کے متعلق پوچھتے رہتے۔ ان سے صلۂ رحمی کرتے اور ان کو خوش آمدید کہتے اور اگر بکری ذبح کی جاتی تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو ہدیتاً گوشت بھیجا جاتا۔ یہ سب کچھ محض سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شدید محبت ،آپ ﷺ کی طرف سے اس کے ساتھ

وفاداری اور اسلام کے لیے ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف اور ان کے شکر کے طور پر ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک بار ایک بڑھیا آپ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے اس کی نہایت تکریم کی۔ اس کے ساتھ خصوصی لطف وعنایت کا سلوک کیا۔ اسے عزت سے بٹھایا جبکہ دیگر لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ یہ دیکھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا تعجب ہوا۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا: یہ عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی۔

فرنامی ایک عورت کی رسول اللہ ﷺ خصوصی تکریم کیا کرتے تھے۔ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بالوں میں کنگھی کرنے آیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے بوڑھی ہونے کے باوجود یاد رکھا، وہ جب بھی آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے آتی۔ آپ ﷺ اس کی اسی طرح تکریم کرتے۔ [التراتيب الادارية: ٢/ ١١١]

ایک بار آپ ﷺ کے پاس ہدیتاً گوشت آیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے عمدہ گوشت علیحدہ کیا اور ایک خاص عورت کی طرف بھیج دیا اور فرمایا: بے شک خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے اس کے لیے وصیت کی تھی۔ ایک بار آپ ﷺ نے ایک عورت کی آواز سنی جو گھر میں آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔ آپ ﷺ سخت بے چین ہوئے کیونکہ اس کی آواز ہو بہو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ پھر آپ ﷺ سمجھ گئے اور فرمایا: اے اللہ! یہ تو ہالہ ہے جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی۔ جب وہ آتی تو آپ ﷺ کو اس کے آنے کی بے حد خوشی ہوتی۔ [بخاری: ٣٨١٦]

نفیسہ بنت منیہ رضی اللہ عنہا جب اسلام لانے کے بعد بحالت ایمان ہجرت کر کے مدینہ آئی تو آپ ﷺ کو سلام کرنے کے لیے آپ کے پاس آئی۔ جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور اس نیک بخت کا وہ احسان یاد کیا جو اس نے آپ ﷺ کے ساتھ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح معاملہ میں کیا تھا اور آپ ﷺ نے اس کی تکریم کی۔ خانۂ نبوت کی وفاداریٔ کی وہ تصویر بڑی ہی نمایاں ہے جو فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے

پیش کی۔

فتح مکہ کے دن سب سے پہلے آپ ﷺ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر والی جگہ پر گئے تو وہاں گھر کے کھنڈرات بھی نہیں تھے کہ جہاں آپ ﷺ قرار پکڑ سکیں۔ آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد مکمل طور پر ماحول تبدیل ہو گیا تھا۔ عقیل بن ابی طالب نے آپ ﷺ کا مرکز قرار گرا کر زمین ہموار کر دی تھی۔

اس مکان کے بدلے اس جگہ پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے خیمہ لگوایا اور اس پر فتح کا جھنڈا لہرایا اور شاید وہیں کسی کونے میں خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی مدفون ہوں۔

ہم اس سے پہلے آپ ﷺ کی وفا کا تذکرہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے ساتھ تحریر کر آئے ہیں کہ جب آپ ﷺ کو احساس ہوا کہ آپ کے چچا ابو طالب کثیر العیال ہیں تو ان کا بیٹا سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ اپنے گھر لے آئے اور جوانی تک اس کی کفالت کی۔ جبکہ دوسرے بیٹے کے لیے آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے سفارش کی تو وہ جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ وفا کا صلہ نبھایا اور ان کے بڑھاپے کو سہارا دیا۔

نیز ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے چچا کی بیوی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی قبر میں اترے اس کے لیے خصوصی دعا کی اور اس کی وفات سے آپ ﷺ نہایت مغموم ہو گئے کیونکہ آپ کے بچپن میں اس نیک خاتون نے آپ کو پالا پوسا اور ممتا کا پیار دیا۔ ان کی انہیں وفاؤں کا صلہ رسول اللہ ﷺ ان کے سفر آخرت کے موقع پر دیا۔

اور جب غزوۂ موتہ میں آپ ﷺ کے چچازاد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائی۔ ان کی وجہ سے آپ ﷺ غمزدہ ہو کر رونے لگے اور ان کی پرورش کی۔

جب غزوہ مؤتہ میں ہی سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ جنھیں آپ ﷺ نے اسلام سے پہلے منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور لوگ انہیں زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارتے تھے تو

آپ ﷺ نے ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لٹالیا۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنا خصوصی محبوب بنالیا۔ وہ آپ ﷺ کے نواسوں کی طرح ہی آپ ﷺ کو پیارے تھے۔

اور اس سے پہلے آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی چچا زاد زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ کردی اور جب ان دونوں میاں بیوی میں اختلاف پڑ گیا تو آپ ﷺ نے ان کو موافق کرنے کے لیے پوری کوشش کی۔

اور جب حلیمہ سعدیہ بعثت سے پہلے آپ ﷺ کے گھر میں آتی تھی تو آپ ﷺ اسے بالکل نہ بھولے بلکہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی تکریم اور آپ کی وفا کی خاطر اس عورت کی خصوصی تکریم کرتی۔ اسی طرح غزوۂ حنین کے بعد جب آل حلیمہ آپ ﷺ کے پاس قیدیوں کی صورت میں آئے اور اس کا خاوند اور آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی شامل تھے تو آپ ﷺ نے بنوہوازن کے تمام قیدی مرد و زن کو واپس کر دیا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ نے کس قدر وفا کی اس کا اندازہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میری صحبت میں رہ کر جس قدر مجھ پر اپنے مال اور اپنی نصرت کے ساتھ احسان کیے ہیں، اس سے زیادہ کسی اور نے نہیں کیے۔

[مسند احمد: ۱/ ۲۳۹]

آپ ﷺ کی وفا کا ایک نمونہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کی اولاد کی کفالت کی نیت سے اس کی بیوہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح کرنا ہے۔ چونکہ اس کے خاوند نے اسلام کی خاطر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کے ساتھ وفا، اس کے بعد اس کی اولاد کے حقوق ادا کر کے نبھائی۔

آداب واخلاق

نبوی گھرانوں سے مسلمانوں نے متعدد آداب و اخلاق سیکھے جن کے ذریعے وہ تہذیب وتمدن کے علمبردار بن گئے اور چہار دانگ عالم میں اسلامی تہذیب و آداب اور اخلاق عالیہ کے پھریرے لہرانے لگے۔ مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ جب کسی دوسرے کے گھر میں وہ گھر والوں کی ملاقات کے لیے جائیں تو کس طرح ان سے اجازت لیں اور کس طرح احسن انداز سے وہ معاملہ کریں۔ نیز انہیں یہ تعلیم بھی دی گئی کہ وہ دوسروں کے گھر میں بقدر ضرورت وحاجت ہی رہیں اور اپنی حاجت کی تکمیل کے بعد وہ فوراً واپس آجائیں۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کے نکاح اور خلوت کے موقع پر ہوا اور جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

مسلمانوں نے نبی ﷺ کے گھروں میں جاتے وقت پست آواز رکھنے کی نصیحت بھی حاصل کی کیونکہ قرآن نے ان بدوؤں کو گنوار کا لقب دیا جو نبی ﷺ کے گھروں کے پاس آکر آپ ﷺ کو اونچی آوازوں کے ساتھ پکارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

[الحجرات: 5،4]

''بے شک جو لوگ آپ کو (اے نبی) گھروں کے باہر سے بلاتے ہیں، ان

میں سے اکثر نادان ہیں اور اگر وہ آپ ﷺ کے نکلنے تک صبر کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

گویا رسول اللہ ﷺ نے تہذیب و تمدن کا جو اصول ان صحرائی بدوؤں کو بتایا وہ سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے اردگرد رہنے والوں کو یہ تعلیم دی کہ روز مرہ کی زندگی گزارتے ہوئے وہ کس طرح دوسروں کے پاس جانے کے لیے اجازت طلب کریں۔ آنے والا کیا کہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ذمہ قرض کی ادائیگی کے معاملہ میں نبی ﷺ کے گھر آیا اور دروازہ بجایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون ہے؟

میں نے کہا: میں ہوں۔

آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''میں۔ میں۔'' [بخاری: ٦٢٥٠۔٢١٥٥]

اس طرح جابر رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ جب دروازے کے اندر سے کوئی پوچھے تو اسے اپنا مکمل نام بتانا چاہیے۔ کیونکہ میں کہنا اندر والے کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

اور سب سے اچھا طریقہ وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ اپناتے۔

جب آپ ﷺ کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور اندر سے پوچھا جاتا: باہر کون ہے؟

تو آپ ﷺ فرماتے ''میں ابوالقاسم ہوں۔ ابوالقاسم آپ ﷺ کی مشہور کنیت تھی۔

ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر اجازت طلب کرنے لگا۔

اس نے کہا: کیا میں آ جاؤں؟

آپ ﷺ نے اپنے خادم کو کہا: تو باہر جا اور اسے اجازت لینے کا طریقہ بتا اور اسے کہہ کہ وہ سب سے پہلے: السلام علیکم'' کہے۔

پھر پوچھے: کیا اندر آ جاؤں؟!![ابوداود: ۵۱۷۷]

آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اجازت لینے کے آداب کس طرح سکھلائے؟

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین بار اجازت طلب کرو۔ اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک، ورنہ واپس آ جاؤ۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کے ادب کا یہ حال تھا کہ جب وہ آپ ﷺ کے کسی گھر میں آتے تو انگلیوں سے دروازہ کھٹکھٹاتے۔ پہلے وہ ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹاتے تھے۔ علماء نے کہا: یہ طریقہ ادب میں مبالغہ کی دلیل ہے۔[الادب المفرد]

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اجازت میں سے سب سے حیران کن وہ واقعہ ہے جو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی غزوہ سے واپسی کے موقعہ پر بتایا۔

جب مجاہدین مدینہ کے قریب آ گئے تو آپ ﷺ نے پڑاؤ کا حکم دیا اور کسی کو مدینہ جانے کی اجازت نہ دی۔ پھر آپ ﷺ نے قاصد بھیج کر خواتین کو تنبیہ کروا دی کہ وہ اپنے خاوندوں کے استقبال کے لیے تیار ہو جائیں۔ خصوصاً خلوت نشینی کے لیے مستعد ہو جائیں اور آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو تعلیم دینے کے انداز میں فرمانے لگے۔

جب تم اپنے گھر سے طویل عرصہ تک غائب رہو تو شام کے بعد گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹاؤ اور اگر رات کو چارو ناچار گھر آ ہی جاؤ تو اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤ۔ خاوند کی عدم موجودگی میں عورت غفلت کرتی ہے۔ وہ اپنے بال وغیرہ صاف کرے اور وہ اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو کنگھی کر لے۔[بخاری: ۱۸۰۱۔ مسلم: ۷۱۵]

نبی اکرم ﷺ جب اپنے گھر والوں کے پاس آتے تو ان کو سلام کرتے پھر ان کا حال پوچھتے۔ آپ ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ اس طریقے کی اہمیت بتلاتے ہوئے فرمایا: اے بیٹا! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر۔ یہ تیرے لیے

اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا سبب بنے گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: نبی ﷺ جب گھر میں آتے تو سب سے پہلا کام کیا کرتے؟

انہوں نے کہا: ''سب سے پہلے آپ ﷺ گھر والوں کے احوال پوچھتے۔'' [مسلم: ۲۵۳]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے مسواک اور وضو کے لیے پانی رکھ دیتے۔ اللہ تعالیٰ رات کو جب چاہتا آپ ﷺ کو اٹھاتا۔ آپ ﷺ مسواک کرتے اور وضو کے بعد نماز پڑھتے۔ [مسلم: ۷۴۶]

نبی ﷺ جس طرح یہ چاہتے تھے کہ ایک مسافر گھرانہ اندرونی طور پر پُرسکون اور باوقار ہو اسی طرح آپ ﷺ یہ بھی چاہتے تھے کہ باہر سے کوئی ایسی مداخلت نہ ہو جس سے مسلمان بے سکون ہو اور اس کا دل میلا ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کے ساتھ برتنے کے لیے یہ آداب سیکھے اور ان میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔

آپ ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کی بیویوں سے آپ ﷺ کے معمولات کے متعلق پوچھتے رہتے اور ان پر خود عمل کرتے۔

نبوی گھروں کے آداب میں سے اہم ادب چادر اور چار دیواری کے تقدس اور تحفظ کا قیام وبقاء بھی ہے۔ آپ ﷺ گھریلو طور پر کسی مشکوک یا بے مروتی والے فعل یا حرکت کو برداشت نہ کرتے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے اپنی دو بیویوں کو دیکھا کہ وہ آپ کے نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مسجد کی طرف آتے ہوئے دیکھ رہی ہیں۔ آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور ان کی اس حرکت کو ناپسند کیا۔ دونوں بیویوں کو آپ ﷺ کے غصے اور اظہار ناپسندیدگی پر بڑا تعجب ہوا اور وہ کہہ اٹھیں۔ یارسول اللہ ﷺ! وہ تو اندھا ہے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو ملامت کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہوئے

فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟

آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ مسلمان عورتیں ایک اجنبی مرد کو غور سے دیکھیں۔ بے شک وہ نہ دیکھ سکتا ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

احادیث میں وارد ہے کہ مدینہ منورہ کا ایک ہیجڑہ آپ ﷺ کے گھروں میں جایا کرتا تھا۔ کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ یہ مردوں جیسی خواہشات سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت بجالاتا۔

ایک بار نبی اکرم ﷺ نے اس کی یہ بات سن لی وہ عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ کو کہہ رہا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے طائف فتح کر دیا تو میں تجھے غیلان کی ایک بیٹی کے بارے میں بتاؤں گا۔ وہ جب سامنے سے آرہی ہوتی ہے تو اس کے چار بل ہوتے ہیں اور جب وہ مڑتی ہے تو اس کے آٹھ بل ہوتے ہیں، یعنی اتنی دلکش ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس کی اس بات سے اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ بدنیت ہے۔ دوسروں کو بھی خراب کرے گا۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے کہہ دیا' یہ (ہیجڑے) لوگ تمہارے پاس نہ آنے پائیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنے گھروں میں نفسیاتی اور جسمانی آداب کا پورا خیال رکھتے۔

آپ ﷺ نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ ہمیشہ بیٹھ کر کھاتے اور جلد ہی کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتے۔ آپ ﷺ اتنا ہی کھانا چاہتے جس سے آپ ﷺ کی بھوک مٹ جائے اور بس۔ آپ ﷺ اصحاب رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم دیتے کہ جب تم کھانے کا ارادہ کرو تو اللہ کا نام لو اور اگر ابتدا میں بھول جاؤ تو یوں کہو "بسم اللہ اولہ و آخرہ" [ابو داود: ٣٧٦٧]

آپ ﷺ اپنے گھر والوں کو کھانے اور پینے کی چیزوں میں پھونکنے سے منع کرتے۔ جب وہ گرم ہوں۔

آپ ﷺ نے کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا۔ اگر آپ ﷺ پسند کرتے تو کھا لیتے اور جب آپ ﷺ کو کھانا پسند نہ آتا تو چھوڑ دیتے اور جب آپ ﷺ نہ کھانا چاہتے تو فرما دیتے یہ میرے مزاج کے مطابق نہیں۔آپ ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب عرب دونوں ہاتھوں سے کھاتے تھے۔آپ ﷺ اپنے آگے سے کھاتے۔ آپ ﷺ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اپنے ہاتھ دھوتے۔ آپ ﷺ فرماتے: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے برکت ہوتی ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے ہاتھ صاف ہوجاتے ہیں۔آپ ﷺ کھانے سے پہلے اللہ کا نام لیتے اور کھانے کے بعد اللہ کی تعریف کرتے۔آپ ﷺ یہ دعا کرتے:

''اللہ کے لیے تمام تعریفات ہوں جس نے اتنا زیادہ' حلال اور برکت والا کھانا دیا۔ یہ کبھی نہ ختم ہوا اور نہ یہ آخری کھانا ثابت ہوا اور نہ ہم اس سے بے پروا ہیں۔اے ہمارے رب!''

آپ ﷺ گھر والوں کو کھانے کے دوران نظافت و پاکیزگی قائم رکھنے کا حکم دیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر خیر و برکت بڑھاوے تو اسے دو پہر کے کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنا چاہیے۔ [ابن ماجه، بیهقی]

رسول اللہ ﷺ نے پینے کے بھی آداب سکھلائے۔ برتن سے تین سانسوں میں پینا چاہیے اور برتن میں پھونک نہ مارنی چاہیے اور نہ ہی ایک سانس میں پینا چاہتے۔آپ ﷺ نے یہ ادب بھی سکھلایا کہ جب کسی کو چھینک آئے ،وہ اتنا ہاتھ یا کپڑا اپنے منہ پر رکھے۔تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

جب کوئی سونے کا ارادہ کرلے تو وضو کرے پھر اپنے تہہ بند کے پلو سے اپنے بستر کو

جھاڑتے۔ اس طرح کرنے میں کیا حکمت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد اس بستر پر کون کون سی مخلوقات بیٹھی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ شدید چناؤ دارتھے۔ خصوصاً جب آپ ﷺ گھر والوں کے ساتھ خلوت میں جاتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا بدن اور میں نے آپ کا بدن نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ ہم بستری کے وقت شرم وحیاء کو قائم رکھتے، بلکہ آپ ﷺ ان عورتوں کو طہارت کی تفصیل بتاتے ہوئے بھی شرم کرتے جو آپ ﷺ سے مسائل پوچھنے آتیں۔ پھر وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر پوچھتیں اور وہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر بتاتی۔

آپ ﷺ کے بتائے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ ہر معاملے میں دائیں جانب کو پسند کرتے۔

کھانا کھاتے کچھ پیتے وقت، اپنے وضو میرے کنگھی کرنے میں اور لباس پہننے ہیں۔ نیز آپ ﷺ اپنا بایاں ہاتھ قضائے حاجت سے فراغت کے وقت استنجا کرتے ہوئے اور میل کچیل دور کرنے کے لیے استعمال کرتے۔ [بخاری: ۱۶۸۔ مسلم: ۲۶۸۔ ابو داؤد: ۳۲]

نبوی گھرانے سے ملنے والے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ کی نعمتیں دینے والے اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ اپنی بیویوں کو نعمتوں کے شکر اور ان کی حفاظت کی تلقین کرتے۔ آپ ﷺ فرماتے:

اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تو اللہ کی نعمتوں کی قدر کیا کر۔ کیونکہ نعمتیں جب واپس چلی جائیں تو پھر کم ہی لوٹتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو حسن کلام ادب اور نرمی کی تلقین کی۔

اگرچہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے ہاں محبت و الفت کے لحاظ سے خصوصی مقام حاصل تھا اور ان کے لیے باعث افتخار بھی تھا۔ اس کے باوجود وہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خلوت نشین ہوتیں آپ ﷺ کو صدق مقال اور حسن کلام کا مجموعہ پاتیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم تحریر کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ نے جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے ازدواجی تعلقات قائم کیا اور اس کے بعد ولیمہ سے فارغ ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی طرف تشریف لے گئے۔ انہیں اہل البیت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا:

اے گھر والو! تم پر اللہ کی سلامتی، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی سلام کا اسی طرح جواب دیا۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

پھر انہوں نے پوچھا: آپ ﷺ کو آپ کی دلہن کیسے لگتی ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں برکت دے۔

پھر آپ ﷺ باری باری اپنی سب بیویوں کے گھر گئے اور انہیں سلام کیا۔ ان میں سے ہر ایک نے آپ ﷺ کے سلام کا ایسے ہی جواب دیا جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا اور آپ ﷺ سے وہی سوال کیا جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔[بخاری:٤٧٩٣]

اس طرح کے آداب سکھانے کے باوجود نبی اکرم ﷺ اور آپ کی بیویوں کے درمیان تکلفات کبھی حائل نہ ہوئے۔ تمام حالات میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عام انسانوں کی طرح معاملہ کرتیں اور آپ ﷺ بھی اپنی انسانیت کو قائم رکھتے۔

ہاں! البتہ جب وحی الٰہی میں کوئی نصیحت آتی تو ایسی صورت میں آپ ﷺ وحی کی مکمل پیروی کرتے۔ اسی انسانیت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اپنی زوجات مکرمات سے مزاح بھی کر لیتے اور کبھی کبھار آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ کی بیویاں ہلکی پھلکی نوک جھونک بھی کر لیتیں۔ اپنے بھولے پن کی وجہ سے شور شرابا بھی کر لیتیں۔ بہرحال وہ حد ادب سے باہر نہ جاتے۔

کتب سیرت میں یہ واقعہ منقول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے گھر میں آئے تو آپ ﷺ کی چند بیویاں آپ سے اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ جب عمر رضی اللہ عنہ وہاں گئے تو وہ خاموش ہوگئیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ کا کوئی لحاظ نہیں کرتیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بات کا دوبدو جواب دیا: کہ ہم آپ ﷺ کا بھی لحاظ کرتی ہیں لیکن تم رسول اللہ ﷺ سے زیادہ درشت اور اکھڑ مزاج ہو۔

اہل خانہ کی خدمت اور آپ ﷺ کی تواضع کے چند نمونے

نبی اکرم ﷺ نے اپنے گھروں میں جاہلی مرد کے تصور کو ختم کر دیا۔ جس کی پہچان درشت مزاجی تھی۔ جب آپ ﷺ گھر میں ہوتے یا تو تھکاوٹ کے بعد وقتی طور پر آرام کر رہے ہوتے یا عبادت، قیام، ذکر اور دعا وغیرہ میں مشغول ہوتے۔ یا اپنے خاندان کے معاملات کی اصلاح کر رہے ہوتے۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی کے بارے میں پوچھا گیا: تو انہوں نے کہا: آپ ﷺ گھر میں اپنے اہل خانہ کی خدمت کرتے۔ آپ ﷺ اپنے کپڑے کی مرمت کرتے اور اپنے جوتے کی سلائی کر لیتے۔ اپنی بکری کا دودھ دوھ لیتے اور اپنی خدمت خود کرتے۔ اپنے ڈول کی رسی کو گرہ لگا لیتے لیکن جونہی نماز کا وقت ہوتا آپ نماز کی طرف چل پڑتے یا انہوں نے کہا: آپ ﷺ فوراً اٹھ پڑتے۔ گویا آپ ﷺ ہمیں پہچانتے ہی نہیں اور نہ ہم آپ ﷺ کو پہچانتے ہیں۔ [بخاری: ٦٧٦۔ ٦٠٣٩]

اس سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ اپنے گھر والوں کو اپنی ذات کے ساتھ مانوس کر لیتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ بابرکت، سب سے زیادہ سخی اور دیگر مردوں کی طرح کے ہی ایک مرد تھے لیکن آپ ﷺ کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ نمایاں رہتی۔ [بخاری: ٦٠٣٩]

تاہم آپ ﷺ کی یہ انکساری اور اپنی ذات کی اور اہل خانہ کی خدمت سے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے دلوں میں آپ ﷺ کی قدر کم نہ ہوتی۔

گزشتہ صفحات میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی زوجات کی باتوں پر صبر کرتے جب ان میں سے کسی پر نسوانی غیرت غلبہ پالیتی تو آپ ﷺ اسے معذور سمجھتے۔ بشرطیکہ ان کی طرف سے ایسا تصرف اور ایسا سلوک دنیاوی امور اور روز مرہ کی زندگی تک ہوتا اور وہ جونہی گناہوں کی دہلیز کے قریب آنے کی کوشش کرتیں یا معروف نیکی سے ہٹنے کا میلان ان کی طرف سے ظاہر ہوتا تو فوراً آپ ﷺ ان کی کج روی کو تبدیل کر دیتے۔

بعض اوقات آپ ﷺ کسی سے گھر میں ہی روٹھ جاتے اور اس سے بات نہ کرتے۔ آپ ﷺ کی تواضع کی یہ بھی دلیل ہے کہ گھر میں آپ ﷺ کو جو ملتا کھا لیتے اور جو لباس ملتا زیب تن کر لیتے۔ آپ ﷺ نے مختلف رنگوں کے عمامے باندھے ، کھردرے اور موٹے کھیس یا کملی اوڑھ لیتے اور موٹی عبا پہن لیتے۔ جبکہ نرم اونی اور گداز ریشمی چادریں آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں بانٹ دیتے۔

آپ ﷺ کے ایثار اور اللہ پر توکل کے نمونے

رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ معلق رہتے۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ تھا کہ تمام حرکات وسکنات کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔

جب معاملہ یوں ہو تو نبی اکرم ﷺ خورد ونوش یا مال اور سونے چاندی کو اپنے پاس ذخیرہ کیسے کر لیتے۔ آپ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ کو یاد آ گیا کہ کچھ سونا آپ کے گھر میں پڑا ہے۔ آپ نے لوگوں کے ساتھ نماز کو خفیف کر دیا اور جونہی نماز سے فارغ ہوئے جلدی سے اپنے گھر کی طرف لپکے اور کچھ سونا اٹھا کر واپس پلٹے اور فرمایا: اس سونے نے مجھے نماز میں پریشان کر دیا تو میں نے چاہا کہ اس سے فارغ ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے وہ سونا محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔

جب آپ ﷺ مرض الموت میں اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ آپ ﷺ کو یاد آیا کہ کچھ دینار آپ ﷺ کے گھر میں پڑے ہیں تو آپ ﷺ مسلسل اپنے گھر والوں کو ان کے بارے نصیحت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے وہ تقسیم کر دیئے اور آپ ﷺ کو دلی اطمینان تب ہوا جب آپ ﷺ نے ان سے جان چھڑا لی۔

آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کیسے ملاقات کروں گا۔ اگر چند دینار میرے گھر میں رہ گئے۔ بحرین کے خراج سے آپ ﷺ کو 90 ہزار درہم ملے۔ آپ ﷺ نے وہ سب مسجد کی چٹائی پر پھیلا دیے۔ پھر آپ نے وہ لوگوں میں بانٹنا

شروع کیے۔ اپنی ذات کے لیے آپ ﷺ نے ان میں سے کچھ بھی نہ لیا۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس مہمان بن کر آیا۔ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس کی مہمان نوازی کرے گا، اللہ اس پر رحم کرے گا۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے اور اس کو لے کر چل دیے۔ [بخاری: ٥٨٨٩۔ مسلم: ٢٠٥٤]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مسلسل تین دن تک رسول اللہ ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ اگر ہم چاہتے تو ہم سیر ہو جاتے لیکن آپ ﷺ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے۔ (اسے بیہقی نے روایت کیا)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ ہدیتاً آتا تو آپ ﷺ ہمیں اپنے ساتھ اصحاب صفہ کو شامل کر لیتے اور جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ آتا تو آپ ﷺ وہ سارے کا سارا اصحاب صفہ کی طرف بھیج دیتے۔

ایک دن آپ ﷺ کے پاس ایک لڑکا آیا اور اس نے کہا: میری والدہ آپ ﷺ سے فلاں فلاں چیز مانگ رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج ہمارے پاس کچھ نہیں۔ اس نے کہا: وہ کہتی ہے آپ ﷺ مجھے اپنی قمیض پہنا دیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی قمیض اتاری اور اس لڑکے کو دے دی۔ پھر آپ ﷺ اپنے گھر میں اس حال میں بیٹھ گئے کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

جب نماز کا وقت ہوا۔ آپ ﷺ مسجد نہ جا سکے۔ کیونکہ آپ بلا قمیض تھے۔ نمازیوں کو آپ ﷺ کے متعلق اندیشہ ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے متعلق دریافت کیا۔ جب ان کو آپ ﷺ کی حالت کا پتہ چلا تو وہ خوفزدہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟

اسی وقت یہ فرمان الٰہی نازل ہوا:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ [الاسراء:29]

''اور نہ (آپ اے نبی ﷺ) اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کرلیں اور نہ اسے کھول دیں پورا کھول دینا ورنہ ملامت شدہ تھکے ہارے ہوئے بیٹھ رہو گے۔''

نبی ﷺ صدقہ کا مال اپنے قبضے میں لیتے، کسی دوسرے کے سپرد نہ کرتے۔ تاکہ آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے مانگنے والے کے ہاتھ پر رکھیں۔ آپ ﷺ خود اس کے پاس جا کر اسے دیتے۔ [ابن ماجه: تراتيب ادارية ص ۳۱]

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ پھر وہ سخاوت، انفاق فی سبیل اللہ اور عمل صالح کا مدرسہ بن گئیں۔ ایثار اور توکل علی اللہ میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تمام امہات المؤمنین کی قائد اور قدوہ تھیں۔ تمام ازواج مطہرات میں سے سیدہ زینب الھلالیہ رضی اللہ عنہا کو فقراء و مساکین سے محبت کی وجہ سے ام المساکین کہا جاتا ہے اور آپ ﷺ کی تمام ازواج کی خصوصی خوبیاں تھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرف عطیہ بھیجا۔ جب مال لانے والا خادم اس کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگیں کاش! کچھ اور ہوتا۔

انہوں نے یہ سوچا تاکہ شاید امیر المومنین نے اسے میرے پاس اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگیں: اللہ عمر کی مغفرت کرے۔ میرے علاوہ میری دوسری بہنیں یہ مال تقسیم کرنے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتی ہیں۔ لوگوں نے ان کو بتایا یہ سارا مال صرف تمہارے لیے ہے۔

انہوں نے کہا سبحان اللہ!

پھراس مال کو کپڑے سے ڈھانپ دیا اور کہنے لگیں تم ڈال دو اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دو۔

وہ مال اپنے قرابت داروں، یتیموں، مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرنے لگیں۔ پھر کپڑے کے نیچے کچھ مال باقی بچ گیا۔ انہیں برزہ بنت بالع نے کہا: اے ام المومنین! اللہ آپ کی مغفرت کرے۔ اللہ کی قسم! اس مال میں ہمارا بھی حق ہے۔ انہوں نے جواب دیا: جو کچھ کپڑے کے نیچے ہے وہ تمہارا ہے۔ جب انہوں نے کپڑا اٹھایا تو پچاسی درہم نکلے۔ جب تک مال ختم نہ ہوگیا انہیں چین نہ آیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کسی سے کم ایثار والی نہ تھیں۔ جب ان کے پاس کوئی محتاج آتی اور ان کے پاس صرف کھجوریں ہوتیں تو وہ بھی اس مانگنے والی کو دے دیتیں۔

ایک دن وہ روزے سے تھیں کہ ان کو کچھ عطیہ ملا۔ انہوں نے فوراً کنیز کو کہا: کہ یہ مال فلاں فلاں اور فلانی فلانی عورت کو دے دو۔ آخر کار ان کے پاس ایک درہم بھی نہ رہا۔ شام کا وقت ہوگیا انہوں نے کنیز کو افطاری لانے کے لیے کہا۔ لیکن اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ کنیز نے انہیں ملامت کی کہ کچھ افطاری کے لیے کیوں نہ بچایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں اگر تو مجھے یاد کرا دیتی تو میں ضرور ایسے ہی کرتی۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بہت صدقات کیا کرتیں۔ ان کے ہاتھ میں درہم و دینار ٹھہرتے نہیں تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ھبہ کردی۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کی رضا مطلوب تھی کیونکہ انہیں اندیشہ ہوگیا کہ آپ ﷺ مجھے طلاق دینے والے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کو کہنے لگیں۔ یارسول اللہ ﷺ! جس چیز کی ضرورت ہر عورت کو ہوتی ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن

مجھے آپ ﷺ کی بیویوں میں اٹھایا جائے۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ایک نیک خاتون تھیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں۔ پھر صدقہ کر دیتیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق گواہی دی۔ دینی معاملات میں کوئی عورت زینب رضی اللہ عنہا سے بہتر نہیں تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والی، بات کے لحاظ سے سب سے زیادہ سچی، سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی تھیں اور جس کام کی اجرت وہ صدقہ کرتی تھیں اس کو کرنے میں اپنی جان کھپاتی تھیں۔ وہ صدقہ کے ذریعے اللہ عزوجل کا تقرب چاہتی تھیں۔

امہات المومنین نے اس سخاوت وصداقت کی تعلیم رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی تھی اور یہ نبوی گھرانے کی پہچان تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بکری آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدیتاً دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اسے تقسیم کر دے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا، جب خادمہ لوٹ کر آتی تو اس سے ضرور پوچھتی۔ انہوں نے کیا کہا: خادمہ نے بتایا انہوں نے کہا: اللہ تم میں برکت کرے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں اور ان میں بھی اللہ برکت کرے۔ تم اسی طرح جواب دو جس طرح انہوں نے کہا: ''اور اجر ہمارے لیے محفوظ رہے گا۔''

[ابن السنی: ۲۷۸]

ان تصرفات میں صرف تکریم ہی نہیں بلکہ ان میں نرمی اور محبت کا اظہار بھی ہے۔

خوشبو اور صفائی

رسول اللہ ﷺ جن اشیاء سے نفرت کرتے تھے، ان میں سے سب سے مکروہ چیز بدبو تھی اور آپ ﷺ کو گھر میں سے جو چیز سب سے زیادہ محبوب تھی وہ خوشبو لگانا تھا۔ آپ ﷺ خوشبو پسند کرتے اور اس کی تعریف کرتے، بلکہ ایک بار آپ ﷺ نے خوشبو کو اپنی زندگی کی محبوب ترین چیز کہا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیا سے تین چیزیں میرے لیے محبوب بنادی ہیں۔ ① خوشبو۔ ② عورت اور ③ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

آپ ﷺ نے خوشبو سے محبت کی وجہ سے کثرت سے مسواک کیا کرتے تھے۔ کیونکہ مسواک منہ کو پاک کرتی ہے اور رب کو راضی کرنے والا عمل ہے۔ آپ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے۔ آپ ﷺ خوشبو لگانے میں اس قدر مبالغہ کرتے کہ آپ ﷺ کے ننھے خادم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظروں کا مرکز بن گئی۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے بدن کی خوشبو سے بڑھ کر نہ کوئی عنبر اور نہ کستوری سونگھی۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کی اس عادت کا علم تھا۔ آپ جب اس کے پاس جاتے تو وہ آپ ﷺ کو اپنے پاس خصوصی خوشبو لگاتیں جو وہ حبشہ سے ساتھ لائی تھیں۔ یہ خوشبو آپ ﷺ کو اس زوجہ محترمہ کی یاد دلاتی اور آپ ﷺ کے دل کو مسرور کرنے کا باعث بنتی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو عطر لگانے کی ذمہ دار تھیں۔ انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے جب حج کا ارادہ کیا تو میں رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگاتی۔ پھر آپ ﷺ اپنی بیویوں کے پاس جاتے۔ پھر آپ ﷺ احرام باندھ لیتے۔ آپ سے خوشبو کے جھونکے آ رہے ہوتے اور جب آپ طواف زیارت سے پہلے دس ذوالحج کو حلال ہوگئے (آپ ﷺ نے احرام کھول دیا) تب بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو خوشبو لگائی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو عطر اس قدر مبالغہ سے لگاتیں کہ آپ ﷺ کے سر اور داڑھی میں عطر کی چمک نظر آتی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے بالوں کا بہت زیادہ اہتمام کرتیں۔ جب آپ ﷺ مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوتے تو آپ ﷺ اپنا سر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب کرتے جبکہ وہ اپنے گھر میں ہوتیں تو وہیں سے وہ آپ ﷺ کے بالوں میں کنگھی کرتیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے تحریر کر دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ لہسن اور پیاز نہیں کھاتے تھے اور آپ ﷺ نے ایک خاص موقع پر شہد کھانے سے بھی انکار کر دیا جب کہا گیا کہ مغافیر (بدبودار) کا شہد۔ آپ ﷺ نے کھایا ہے۔ (پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سورۂ تحریم میں اس بات پر تنبیہ کی تو تب آپ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور شہد کھانا شروع کر دیا)

آپ ﷺ نے صالح ہم مجلس کو کستوری بیچنے والے سے تشبیہ دی ہے کہ جو لوگوں کو تحفہ دیتا ہے یا لوگ اس سے خریدتے ہیں یا اس سے پاک خوشبو سونگھتے ہیں اور برے ہم مجلس کو آپ ﷺ نے بھٹی دھونکنے والے سے تشبیہ دی ہے۔ جس سے بدبو آتی ہے اور لوگوں کے کپڑے جلتے ہیں۔

ایک مسلمان کو طہارت و نظافت کی اہمیت پر درس دینے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ یہ دین کے مبادی میں سے ہے۔ تاہم نبوی گھروں کی ایک خاص پہچان نظافت و طہارت بھی تھی۔

رحمت و محبت

یہ دونوں نعمتیں نبوی گھرانوں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ نبی اکرم ﷺ لوگوں کے ساتھ نرمی کرتے اور ان پر رحم کرتے۔ اسی طرح اپنے گھروں میں امہات المؤمنین بھی ایسا ہی کرتیں۔ آپ ﷺ تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کی قبر پر روئے۔گویا آپ ﷺ ان کو کبھی نہ بھلا سکے اور جب آپ ﷺ کو جعفر رضی اللہ عنہ کی غزوہ مؤتہ میں شہادت کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی اولاد پر رحم کیا اور انہیں اپنے ساتھ لپٹالیا۔

نبی ﷺ کو اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ پر رحم آیا۔جب وہ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کو اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے ننھے بیٹے کی وفات پر رحم آیا جس دن اس کا سانس اکھڑ رہا تھا اس کو دیکھ کر آپ ﷺ کے آنسو بہہ پڑے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ڈال دی ہے۔ بے شک اللہ اپنے رحمدل بندوں پر رحم کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے اس بدو کی بات کو رد کر دیا جس نے کہا کہ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت نکال دی تو کیا میرے بس میں ہے؟ نبویؐ گھرانے محبت بھرے گھر تھے۔آپ ﷺ کی سب ازواج مطہرات آپ سے سچی محبت کیا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ بھی ان سب سے محبت کرتے تھے۔ وہ آپ کی طرف

پسندیدگی اور فضل کی نظر سے دیکھتی تھیں اور آپ ﷺ انہیں دلی محبت کی نگاہ سے دیکھتے۔

گرمیوں میں ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی جوتی کی مرمت کر رہے ہیں اور آپ ﷺ کی پیشانی پسینہ میں شرابور ہو چکی ہے اور پسینہ آپ ﷺ کے رخساروں پر ٹپک رہا ہے۔ وہ نہایت قریب سے آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے اسے خوفزدہ دیکھا اور وہ آپ کو مسلسل دیکھے جارہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور اس سے پوچھا تو کیوں مبہوت ہوگئی ہے؟

اس نے کہا: اگر تجھے عرب کا مشہور شاعر ابوکبیر الہذلی دیکھ لیتا تو اسے علم ہو جاتا کہ اس کے ان اشعار کا مصداق ہونے کا آپ ﷺ کا زیادہ حق ہے۔

اور تو حیض کی میل کچیل' دودھ پلانے کے فساد اور لاعلاج بیماری سے پاک ہے۔
جب میں نے اس کے چہرے کی سلوٹوں کو دیکھا تو وہ چودھویں کے چاند کی طرح دمکنے لگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ روزے کی حالت میں اس کا بوسہ لیتے تھے۔ یہ آپ کا ان کے ساتھ اظہار مودت کی وجہ سے تھا۔

آپ ﷺ ان سے کھیل کود کرتے۔ ان سے محبت کا اظہار کرتے اور اسے پیار سے ادھورے نام سے پکارتے۔ مثلاً یا عویش اور یا عائش کہہ کر پکارتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار رنجیدہ ہو جاتیں تو آپ ﷺ ان کو بہلانے کی کوشش کرتے تاکہ اس کی رنجش ختم ہو جائے اور وہ حالت اعتدال پر آجائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں غصے کی حالت میں تھی تو نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے میری ناک پکڑ کر مروڑ دی۔ پھر فرمایا: یا عائش! تو اس طرح کہہ۔ اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور میرے دل کی بھڑاس ختم کر دے اور تو مجھے شیطان سے پناہ دے دے۔ [ابن السنی: ٦٢٢]

رسول اللہ ﷺ کا اپنی بیویوں سے الطاف و عنایت کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ ان سب کے ساتھ دلی محبت کا معاملہ کرتے۔ چونکہ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر رکھ دیتے جبکہ وہ ایام حیض میں ہوتیں اور تب بھی رسول اللہ ﷺ قرآن کی تلاوت کرتے۔ [بخاری:۲۹۷۔مسلم:۳۰۱]

آپ ﷺ کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس حالت میں وہ متروک ہے یا ناپسندیدگی کی حالت میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بیویاں بھی ایسے مناسب مواقع کی جستجو میں رہتیں جن میں وہ آپ ﷺ کی طبیعت کو خوشگوار بنا سکیں اور آپ کی تھکن کے بدلے راحت دے سکیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں تھے۔ جب آپ ﷺ میرے پاس آئے تو میں نے استقبال کرتے ہوئے آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیا اور آپ ﷺ کو یہ الفاظ کہے۔ اس اللہ کے لیے تمام تعریفات ہوں جس نے آپ ﷺ کی نصرت کی۔ آپ ﷺ کو غلبہ عطا کیا اور آپ ﷺ کی تکریم کی۔

[ابن السنی:۵۳۲]

نبی اکرم ﷺ اپنی کسی بیوی کے پاس آئے تو وہ اپنی انگلی پر پھنسی کی وجہ سے درد سے بلبلا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف بھرپور توجہ دی۔ آپ ﷺ نے فوراً ذریرہ (خاص خوشبو) منگوائی پھنسی پر لگائی اور فرمایا: تو یہ دعا کر: اے اللہ! بڑے کو چھوٹا کرنے والے اور چھوٹے کو بڑا کرنے والے۔ میری اس مصیبت کو چھوٹا کر دے۔ تو اس پھنسی کی جلن ختم ہو گئی۔ [ابن السنی]

گویا اس طرح ایک طرف تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کی لیکن ساتھ ہی ساتھ مادی دوا بھی استعمال کی۔ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر خصوصی شفقت کرتے کیونکہ انہیں اولاد سے محرومی کا احساس تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو ایک بار درد بھرے لہجے میں کہا: یارسول اللہ! آپ کی ساری بیویوں کی کنیتیں ہیں لیکن میری کوئی کنیت نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے بیٹے عبداللہ پر اپنی کنیت رکھ لے۔ یعنی ام عبداللہ رضی اللہ عنہا۔ [ابوداود: ٤٩٧٠]

کچھ سیرت نگاروں نے لکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے ایک نومولود گر گیا اور یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اپنی کنیت اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام پر رکھی۔ جو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا بیٹا تھا۔

آپ ﷺ کی اپنی بیویوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کو ضرار پہنچانے والی اشیاء و اعمال سے ڈرایا کرتے تھے بلکہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو آپ ﷺ اس کے لیے دعا کے ذریعے پناہ باری تعالیٰ حاصل کرتے۔

آپ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ مریض پر رکھتے اور یوں دعا فرماتے: اے اللہ! لوگوں کے رب! تو بیماری دور کر دے تو شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا ایسی نہیں جو بیماریوں کو ختم کر دے۔ [بخاری: ٥٢٤٣۔ مسلم: ٢١٩١]

آپ ﷺ کے گھر میں آپ ﷺ کے الطاف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مزاح یا سنجیدگی میں بھی کبھی غیر اخلاقی بات نہیں کی۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے عیب جوئی کرنے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

بلکہ آپ ﷺ کا چہرہ ہمیشہ مسکراتا ہوا ہوا ہوتا۔ نرم و گداز اور ہشاش بشاش اور دائمی بشارت لیے ہوتا۔

ہاں! البتہ اللہ کے دین کے لیے اور حق بات کے خلاف پر آپ ﷺ ضرور غصہ کرتے اور آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ جب آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ

مزاح فرماتے۔ آپ ﷺ اپنا لہجہ نرم فرما لیتے اور ان کو ضرور بہلاتے اور لبھاتے۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے تحریر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند مغیث پر خصوصی شفقت فرمائی اور اس کے لیے بریرہ رضی اللہ عنہا کے آگے سفارش کی۔ حالانکہ آپ رسول اللہ ﷺ تھے۔ چونکہ بریرہ رضی اللہ عنہا غلامی سے آزاد ہو گئی تھی جبکہ اس کا خاوند تا حال غلام تھا اور اپنی بیوی سے شدید محبت کرتا تھا۔ [بخاری: ۲۵۸۳]

عبادت واذکار

ہمارے نبی ﷺ سید العابدین والذاکرین والزہداین تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حوالے سے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ﴾ [المزمل: ۲۰]

''بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ آپ ﷺ دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور ایک تہائی رات تک قیام کرتے ہیں اور لوگوں کا ایک گروہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا ہے (جو آپ ﷺ پر ایمان لائے)۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴾ [آل عمران: ۴۱]

''اور آپ (اے نبی) اپنے رب کو بہت یاد کریں اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ ﴾ [الکھف: 24]

''اور آپ ﷺ (اے نبی!) جب بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ [المزمل:۸]

''اور آپ (اے نبی) اس (رب) کے آگے آہ وزاری کریں۔آہ وزاری کرنا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝﴾ [المزمل:1تا4]

''اے کملی اوڑھنے والے !رات کے کچھ حصے میں قیام کیا کریں۔آدھی رات تک یا اس میں سے کچھ کم کردیں یا اس میں کچھ اضافہ کرلیں اور قرآن کو ترتیل سے پڑھیں۔''

اسی لیے سنت مطہرہ میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے گھروں میں بہت کم سوتے تھے۔آپ ﷺ رات کی ابتدا میں سوتے اور رات کے آخری حصے میں قیام کرتے تھے۔[بخاری:١١٤٦۔مسلم:٧٣٩]

جب آپ ﷺ رات کو قیام کے لیے بیدار ہوتے تو نماز کا اختتام دو خفیف رکعتوں کے ساتھ کرتے۔[مسلم:٧٦٧]

آپ ﷺ گیارہ رکعت پڑھتے۔رمضان میں یا رمضان کے علاوہ کبھی آپ ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ قیام لیل میں نماز نہ پڑھتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ چار رکعات نماز ادا کرتے۔پس تم ان کے حسن اوران کی طوالت کے بارے میں نہ پوچھو۔پھر آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے۔ تم ان کے حسن اوران کی طوالت کے بارے میں نہ پوچھو۔پھر تین رکعات پڑھتے۔

[بخاری:١١٤٧۔١١٢٣۔ مسلم:٧٣٨]

تاہم آپ ﷺ رمضان کے بعد سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے۔[ترمذی: ۷۴۵]

بعض اوقات آپ ﷺ آدھی رات کے وقت اتنا طویل سجدہ کرتے کہ آدمی قرآن کریم سے پچاس آیات پڑھ سکتا ہے۔

آپ ﷺ جب عبادت کے لیے قیام کرتے تو اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں میں ورم آجاتا۔آپ ﷺ اپنے قیام اللیل میں طویل سورتیں پڑھا کرتے۔

ایک بار آپ ﷺ نے ایک رکعات میں سورہ بقرہ ،آل عمران اور نساء تینوں سورتیں پڑھیں اور جب سورۃ النساء کی اس آیت پر پہنچے:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴾

[النساء: ٤١]

”تو اس وقت کیا منظر ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ان پر آپ ﷺ کو گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔“

تو رسول اللہ ﷺ رونے لگے۔آپ ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں اکثر طور پر یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری حمد کرتے ہیں۔اے اللہ! تو میری مغفرت فرما۔[بخاری: ٧١٨۔٤٨٤]

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو رکوع وسجدے میں یہ پڑھتے ہوئے بھی سنا کرتی:

((سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ)) [مسلم: ٤٨٧]

”فرشتوں اور روح کا رب ہی تسبیح وتقدیس کے لائق ہے۔“

جب آپ ﷺ سے مرض یا کسی اور وجہ سے رات کا قیام فوت ہوجاتا تو آپ ﷺ دن کو بارہ رکعت زائد نماز پڑھتے۔[مسلم: ۷۴۶۔۱۴۰]

نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے تنگ گھر میں جب رات کو نماز پڑھتے تو وہ آپ ﷺ کے قبلہ رخ ہوتی جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے ،اسے اشارہ کرتے تو وہ اپنے پاؤں سکیڑ لیتی اور جب آپ ﷺ سجدے سے اٹھتے تو وہ اپنے پاؤں پھیلا لیتی تو آپ ﷺ نماز میں جو کچھ پڑھتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وہ سب کچھ سنتیں۔

ایک رات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بستر سے غائب پایا وہ آپ ﷺ کو تلاش کرنے لگیں۔تو آپ انہیں مسجد میں ملے۔اندھیرا بہت شدید تھا۔انہوں نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو وہ آپ ﷺ کے پاؤں کو چھو گیا جبکہ دونوں پاؤں اٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ دعا کر رہے تھے۔

اے اللہ! میں تیری رضا کے واسطے تیرے غصہ سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری عافیت کے واسطے تیری عقوبت سے پناہ چاہتا ہوں اور تیرے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں تیری ثناء کو شمار نہیں کرسکتا۔آپ ﷺ بالکل ویسے ہیں جیسے آپ ﷺ نے اپنی ثنا بیان کی ہے۔[مسلم:٤٨٦]

البتہ رمضان میں آپ ﷺ بہت زیادہ عبادت کرتے۔آپ ﷺ رات بھر قیام کرتے۔اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے اور رمضان کے آخری عشرے میں اپنا تہہ بند کس لیتے۔آپ ﷺ اعتکاف کرتے اور عبادت میں مزید محنت کرتے۔آپ کے بعد آپ کی ازواج بھی اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں۔[بخاری:٨١٧۔مسلم:١١٧٤'١١٧٢]

نبی اکرم ﷺ اتنا طویل قیام اللیل کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آ جاتا۔ جب آپ ﷺ کو کہا جاتا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں کردیے تو آپ ﷺ فرماتے کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

[بخاری: ١٣٠۔مسلم:٢٨١٩'٢٨٢٠]

تمام ازواج مطہرات و امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن عبادت میں خوب محنت کرتی تھیں۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے احوال میں ہے۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا جمعہ کے دن روزہ رکھتی تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا: وہ ایک دن اس سے پہلے یا ایک دن اس کے بعد کا اضافہ کرلیں۔ وہ اللہ کی تسبیح کرنے کی بہت شوقین تھیں۔

ایک بار نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت ان کے پاس سے گزرے تو وہ تسبیح کر رہی تھیں۔ جب دوپہر کو آپ ﷺ لوٹے تو دیکھا وہ اسی جگہ بیٹھی ہوئی ہیں اور تسبیح کر رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے استفسار کیا۔ کیا تو اس وقت کی یہاں ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے اسے سمجھانے اور تعلیم دینے کے انداز میں فرمایا:

کیا میں تمہیں ایسے الفاظ بتاؤں اگر ان کا وزن تیری سارے دن کی تسبیح کے مقابلے میں کیا جائے تو وہ بھاری ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان الله عدد خلقه

تین بار۔ وہ اللہ اپنی مخلوقات کی تعداد کے برابر پاک ہے۔

سبحان الله زنه عرشه

تین بار۔ وہ اللہ اپنے عرش کے وزن کے برابر پاک ہے۔

سبحان الله رضاء نفسه

تین بار۔ وہ اللہ اپنی ذات کی رضا کے برابر پاک ہے۔

سبحان الله مداد كلماته

تین بار۔ وہ اللہ اپنے کلمات کی وسعت کے برابر پاک ہے۔[مسلم:٢٧٢٦]

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کہتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، جس نے رات اور دن میں بارہ رکعات (نفل) نماز پڑھی۔ ان کے سبب جنت میں

اس کے لیے ایک گھر تعمیر کر دیا جائے گا۔انہیں یہ نماز پڑھنے کی تمنا ہوئی۔ وہ کہتی ہیں جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ یہ نماز کبھی نہیں چھوڑی۔

نبی اکرم ﷺ اپنے گھروں میں دائمی اذکار دہراتے رہتے، لیکن آپ ﷺ ہر حالت اور ہر مناسبت کے لحاظ سے خاص ذکر الٰہی بھی کرتے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی اور یہی حال آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی زبانوں کا تھا۔

جب آپ ﷺ صبح کرتے یا شام کرتے تو یہ دعا کرتے:

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اچانک ملنے والی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اچانک پہنچنے والے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' [ابن السنی]

جب آپ ﷺ کوئی لباس، قمیض، چادر یا عمامہ وغیرہ زیب تن کرتے تو آپ ﷺ یہ دعا کرتے:

((اللھم انی اسالك من خیرہ وخیر ماھولہ واعوذبك من شرہ وشرہ ما حولہ)) [ابن سنی: ۵۷۱]

''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر اور جس کے لیے یہ ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے اس کے شر اور جس کے لیے یہ ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

جب آپ ﷺ اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

﴿بِاسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا﴾

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور کر دے اور تو ہمیں جو رزق دے اس سے شیطان کو دور کر دے۔''

[بخاری ۱٤۱۔ مسلم: ۱٤۳٤]

اللھم انی اعوذبك من الرجس النجس الخبیث المخبث الشیطان الرجیم

''اے اللہ! بے شک میں نجس، پلید، خبیث، مخبث شیطان مردود سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

یا آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

اللھم انی اعوذبك من الخبث ولخبائث

''اے اللہ! میں خبیث شیطانوں اور خبیثہ شیطانیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

اور جب آپ ﷺ واپس آتے تو یہ دعا کرتے:

الحمدللہ اذا قنی لذلہ والبقی فی قوتہ ودفع عنی اذاہ

''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس (کھانے) کی لذت چکھائی اور اس کی قوت میرے اندر محفوظ کردی اور اس کی تکلیف مجھ سے دور کردی۔''

جب آپ ﷺ کسی چیز کو پسند کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس کی نعمت کے ذریعے سب نیکیاں مکمل ہوتی ہیں۔''

اور جب کوئی چیز ناپسند کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمدللہ علی کل کال [ابن السنی:۳۷۸]

''تمام تعریفات ہر حال میں اللہ کے لیے ہیں۔''

جب آئینہ دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمدللہ کما حسنت خلقی فحسن خلقی

''تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔جس طرح تو نے میری تخلیق عمدہ

بنائی، اسی طرح میرے اخلاق بھی عمدہ بنا۔"

یا آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

الحمدلله الذی سوی خلقی فعدله وکرم صورة وجھی محسنھا وجعلنی من المسلمین [ابن السنی:۱۶۳۔ابن ماجه:۳۸۰۳]

"تمام تعریفات اس اللہ کی ہیں جس نے عدل کے ساتھ میری خلقت کو بیزار کیا اور میرے چہرے کی صورت کو عزت دی، اسے بہت خوبصورت بنایا اور مجھے مسلمان بنایا۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر کثرت سے کون سی دعا پڑھا کرتے۔ اس نے کہا: آپ ﷺ اکثر یہ دعا پڑھا کرتے۔

((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلَى دِيْنِكَ)) [الترمذی:۳۵۲۲]

"اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنے دین کی طرف پھیر دے۔"

اور جب آپ ﷺ سونے کے لیے اپنے بچھونے پر جاتے تو آپ ﷺ متعدد دعائیں پڑھتے جو آپ ﷺ سے منقول ہیں۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب نبی ﷺ سونے کا ارادہ کرتے تو آپ اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں رخسار کے نیچے رکھتے۔ پھر آپ تین بار یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ [ابوداؤد:۵۰۴۵]

"اے اللہ! تو مجھے اس دن اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات جب شب بسری کے لیے اپنے بستر پر جاتے تو آپ ﷺ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے اور ان میں اپنا لعاب ملتے پھونک مارتے اور سوۃ اخلاص (قل ھو اللہ احد) سورۃ فلق (قل اعوذ برب

الفلق) اور سورۃ الناس (قل اعوذ برب الناس) پڑھتے ۔(اور ایک روایت میں تین بار پڑھنے کا آیا ہے)۔

پھر آپ ﷺ کا ہاتھ آپ کے بدن پر جہاں تک پہنچتا آپ وہاں تک پھیرتے۔ آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ پھیرنا اپنے سر اور اپنے چہرے سے شروع کرتے اور اپنے بالائی جانب سے شروع کرتے ۔آپ ﷺ جو دعائیں پڑھا کرتے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَانِي وَآوَانِي وَأَطْعَمَنِي وَسَقَانِي وَالَّذِي مَنَّ عَلَيَّ فَأَفْضَلَ وَالَّذِي أَعْطَانِي فَأَجْزَلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالِ اللَّهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكَهُ وَإِلَهَ كُلِّ شَيْءٍ أَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ)) [ابو داود:٥٠٥٨]

”تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے عافیت دی اور جائے قرار دی اور مجھے کھلایا اور مجھے پلایا۔ جس نے مجھ پر احسان کیا تو مجھے افضل بنایا اور جس نے مجھے بے حساب عطا کیا۔ ہر حال میں تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔ اے اللہ! ہر چیز کے رب اور بادشاہ اور ہر چیز کے معبود (حقیقی) میں آگ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

یا آپ ﷺ یہ دعا کرتے:

((اللھم امتعنی بسمعی وبصری واجعلھما الوارث منی وتنصرنی علی عدوی وارنی منه ثاری اللھم انی اعوذبك من غلبة الذین ومن الجوع فانه بئس الضجیع)) [ابن السنی:٧٣٤]

”اے اللہ! تو مجھے میری سماعت اور میری بصارت کے ذریعے فائدہ پہنچا اور

ان دونوں کو میرا وارث بنا اور تو میرے دشمن کے خلاف میری مدد کر اور تو مجھے اس میں میرا انتقام دکھا۔ اے اللہ! میں تجھ سے قرض کے غلبے سے پناہ طلب کرتا ہوں اور بھوک سے کیونکہ وہ بہت برا بچھونا ہے۔''

آپ ﷺ یہ دعا فرماتے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ مَا أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ اللّٰهُمَّ أَنْتَ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَالْمَأْثَمَ اللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ [ابوداؤد:٥٠٥٢]

''اے اللہ! میں تیرے عزت والے چہرے اور تیرے مکمل کلمات کے ذریعے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی پیشانی تو نے پکڑی ہوئی ہے۔ اے اللہ! تو ہی قرض اور گناہ دور کرتا ہے۔ اے اللہ! تیرے لشکر کو شکست نہیں دی جاتی اور تیرے وعدوں کے خلاف نہیں ہوتا اور تیرے عذاب سے اونچی شان والے کو اس کی شان نہیں فائدہ دیتی۔ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔''

آپ ﷺ یوں دعا کرتے:

((باسمك اللهم احيا واموت))

''اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ جیتا اور مرتا ہوں۔''

یا آپ ﷺ یوں دعا کرتے:

((كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِي شَرٍّ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ أَنْتَ

الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ زَادَ وَهْبٌ فِي حَدِيثِهِ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ))

[ابوداؤد:۵۰۵۱۔ترمذی:۳۴۰۰]

’’اے اللہ! آسمانوں کے رب اور زمینوں کے رب اور عظمت والے عرش کے رب ہمارے رب اور ہر چیز کے رب۔ دانہ اور گٹھلی اگانے والے تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے۔ میں ہر اس شریر کے شر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں جس کی پیشانی تو نے پکڑی ہوئی ہے تو ہی اول ہے، تجھ سے پہلے کوئی نہیں اور تو ہی باطن ہے۔ تیرے پیچھے کوئی نہیں تو ہم سے ہمارا قرض اتار اور ہمیں فقر سے عافیت دے۔‘‘

یا آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ)) [ابوداؤد:۲۷۱۵۔ترمذی:۳۳۹۶۔ ابوداؤد: ۵۰۵۳]

’’تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور وہ ہمیں کافی ہوگیا اور اس نے ہمیں جگہ دی۔ کتنے ہی ایسے ہی لوگ ہیں جن کو کوئی کافی نہیں اور نہ کوئی ان کو جگہ دینے والا ہے۔‘‘

یا آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

((وَضَعْتُ جَنْبِي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَأَخْسِئْ شَيْطَانِي وَفُكَّ رِهَانِي وَاجْعَلْنِي فِي النَّدِيِّ الْأَعْلَى)) [ابوداؤد:۵۰۵۴]

’’میں نے اللہ کے نام سے اپنا پہلو رکھا۔ اے اللہ! تو میرے گناہ بخش دے اور

میرے شیطان کو ذلیل کر اور میرے رہن شدہ کو آزاد کر اور تو مجھے مجلس اعلیٰ میں بنادے۔''

سو جب نبی ﷺ رات کو قیام کے لیے بیدار ہوتے تو اس وقت بھی بہت دعائیں کرتے۔ آپ ﷺ فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ [بخاری]

''اس اللہ کی تعریف جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندہ کیا اور اس کی طرف حساب کے لیے جانا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو بیدار ہوتے۔ دس بار اللہ اکبر کہتے اور دس بار الحمدللہ کہتے اور آپ ﷺ دس بار فرماتے:

سبحان الله وبحمده

''ہم اللہ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔''

اور دس بار آپ ﷺ **سبحان القدوس** کہتے۔ یعنی ہم اللہ کی تقدیس اور تسبیح کرتے ہیں اور آپ ﷺ دس بار استغفار کرتے اور دس بار، لا الہ الا اللہ کہتے۔

اور پھر دس بار فرماتے:

اللهم انی اعوذبك من ضيق الدنيا وضيق يوم القيامة

''اے اللہ! میں دنیا اور روز آخرت کی تنگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نماز اختتام کرتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو یوں دعا کرتے:

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللّٰهُمَّ

زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. [ابو داؤد: ٥٠٦١]

”تیرے علاوہ کوئی معبود (حقیقی) نہیں تو پاک ہے۔ اے اللہ! تو میرے گناہ کی مغفرت فرما اور میں تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو میرے علم میں اضافہ فرما اور مجھے ہدایت دینے کے بعد تو میرے دل میں کجی پیدا نہ کر اور تو مجھے اپنے پاس سے اپنی رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔“

یا آپ ﷺ یوں دعا کرتے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ. [ابن السنی: ٧٥٧]

”اللہ کے علاوہ کوئی معبود (حقیقی) نہیں وہ یکتا و غالب ہے۔ آسمانوں اور زمینوں اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اس کا رب ہے وہی غالب اور بخشنے والا ہے۔“

یا آپ ﷺ یہ دعا فرماتے:

اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ

خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ [بخاری]

''اے اللہ تمام تعریفات تیرے لیے ہیں تو آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا نگران ہے اور تمام تعریفات تیرے لیے ہیں۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ سب کی بادشاہی تیری ہے اور تمام تعریفات تیرے لیے ہیں تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے کی روشنی ہے اور تمام تعریفات تیرے لیے ہیں۔ تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے اور تیری ملاقات حق ہے اور تیری بات حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور محمد ﷺ حق ہے اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے لیے اسلام لایا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر توکل کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری توفیق سے جھگڑا کیا اور تیری طرف اپنا فیصلہ لے آیا۔ پس تو میرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما اور جو میں نے چھپا کر کیے اور جو میں نے اعلانیہ کیے تو ہی سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب کے بعد ہوگا۔ تیرے علاوہ کوئی معبود (حقیقی) نہیں اور اللہ کے علاوہ نہ کوئی سہارا ہے اور نہ کوئی توفیق دینے والا۔''

اور آپ ﷺ رات کو سجدۂ تلاوت میں یہ دعا کرتے:

((سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ))

[ابو داؤد: ١٤١٤۔ ترمذی: ٥٨٠]

''میرے چہرے نے اس کے آگے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی طاقت اور ہمت کے ساتھ اس کے کان اور آنکھیں بنائیں۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے گھر سے نکلتے وقت کی دعا روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا کرتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا [ترمذی: ۳۴۲۷، ۵۰۹۴]

''میں اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ پر بھروسہ کر کے نکلتا ہوں۔ اے اللہ! میں گمراہ ہونے یا گمراہ کرنے یا پھسلنے یا پھسلانے یا ظلم کرنے یا ظلم کیے جانے یا جہالت کرنے اور اپنے اوپر جہالت کیے جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

آپ ﷺ اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے۔

سبحان الله وبحمده استغفر الله واتوب عليه [بخاری: ۸۱۷، مسلم: ۲۱۸]

''میں اللہ کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرتا ہوں۔ میں اللہ سے مغفرت کا طلبگار ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔''

چونکہ نبی اکرم ﷺ عبادت میں کثرت کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ تو آپ ﷺ کے اہل وعیال بھی آپ ہی کی طرح اور آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عبادت میں اسی طرح محنت کرتے تھے۔ تاہم آپ ﷺ ان سے ہر کام میں توسط اور اعتدال کا مطالبہ کرتے اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں تاکہ وہ اپنی عبادت پر دوام اختیار کریں۔

آپ ﷺ نے دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی دیکھی تو پوچھا یہ کیوں بندھی ہوئی ہے؟ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے باندھ رکھی ہے۔ جب وہ نماز میں قیام سے عاجز آجاتی ہیں تو اس رسی کا سہارا لیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے اس طریقہ سے روک دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے کھول دو۔

آپ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ جب تک وہ چست ہوں اور ان کی طبیعت عبادت پر مائل ہو، وہ عبادت کریں اور نیند اور راحت سے اپنا حصہ وصول کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تم جب تک چست رہو، نماز پڑھو اور جب تھک جاؤ تو تمہیں سو جانا چاہیے۔ [بخاری: ۱۱۵۰۔ مسلم: ۷۸٤]

ایک بار نبی ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، تو ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا: یہ فلاں عورت ہے۔ جس کی نماز کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو۔ تم لوگ اتنی عبادت کیا کرو جتنی تم میں طاقت ہو۔ اللہ کی قسم! وہ نہیں اکتائے گا بشرطیکہ تم ہی نہ اکتا جاؤ۔

آپ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین عبادت وہی تھی جس پر عمل کرنے والا دوام اختیار کرتا تھا۔ [بخاری: ۱۱۵۱۔ مسلم: ۷۸۵]

اور عبادت میں اعتدال اس دین کی سنتوں میں سے ہے۔ اس بات کی مزید ان تین آدمیوں کے واقعہ سے ہوتی ہے جو نبی اکرم ﷺ کے کسی گھر میں آئے اور گھر کے اندر آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا۔ جب ان کو آپ ﷺ کے معمولات کے بارے میں پتہ چلا تو گویا انہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کے مقابلے میں اپنی عبادت کو کمتر سمجھا اور کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ سے ہمیں کیا نسبت ہے؟ چونکہ آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا: میں تو اب مسلسل روزے رکھوں گا۔ کبھی افطار نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں تو رات بھر قیام کروں گا بالکل نہیں سوؤں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے بالکل الگ تھلگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔

جب نبی اکرم ﷺ کو ان کی کہی ہوئی باتوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی باتوں کو ناپسند کیا اور ان جیسی باتوں سے منع کیا اور فرمایا: میں تو تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ رات کو قیام اللیل بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں تو جو میری سنت سے منہ موڑے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ [بخاری:٥٠٦٣۔ مسلم:١٤٠١]

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

نبی اکرم ﷺ کسی غلط فعل یا گناہ اور معصیت الٰہی کے کسی قول وعمل پر راضی نہ ہوتے اور نہ ہی کبھی آپ ﷺ ایسے مواقع پر خاموش رہتے کیونکہ آپ کی خاموشی دکھائی دینے والے اس عمل پر آپ کی رضامندی سمجھتے تھے اور آپ ﷺ کی طرف سے اقرار اس عمل کے قانون وشریعت بننے کی دلیل کے طور پر لیا جاتا۔

آپ ﷺ ہر حالت کی مناسبت سے ایسے وسائل ضرور اختیار کرتے جو آپ کے مقصد کے حصول کے لیے معاون ہوتے۔ مثلاً کبھی تو آپ ﷺ کا لہجہ نہایت شدید ہوتا اور کبھی آپ ﷺ نرم انداز میں نصیحت پر اکتفا کرتے۔ کبھی آپ ﷺ اس پر مثبت یا منفی تبصرہ فرما دیتے اور اگر آپ مناسب سمجھتے تو اس قول وعمل سے یا تو روک دیتے یا دوسروں کو بھی وہ کرنے کا حکم دیتے۔

نبی اکرم ﷺ اپنے گھر والوں سے ابتدا کرتے۔ انہیں آپ حکم دیتے اور انہی کو منع کرتے اور ان کی مصلحت کے پیش نظر آپ ﷺ حکم لگانے میں اجتہاد کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الاحزاب:۳۳]

''سوائے اس کے نہیں اللہ تعالیٰ اے اہل بیت تم سے نجاست دور کرنا چاہتا ہے

اور وہ تمہیں اچھی طرح پاک کرنا چاہتا ہے پاک کرنا۔"

نبی اکرم ﷺ نے اہل بیت کے معاملے میں کبھی کمزوری نہیں دکھائی۔ چاہے غلط کام تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ ایک بار آپ ﷺ نے اپنے جگر گوشہ اپنی پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میں تجھے اللہ کے ہاں ذرہ بھر فائدہ نہیں دوں گا۔

ایک بار نبی اکرم ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے لیکن دروازے کے پاس آ کر واپس چلے گئے اور گھر میں داخل نہیں ہوئے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر آئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ ابا جان تشریف لائے تھے لیکن گھر میں آئے بغیر واپس چلے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی بیٹی کے دروازے پر منقش پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو مجھے دنیا کے سامان اور زیب و زینت سے کیا لینا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر اپنی بیوی کو بتایا کہ اس کے باپ نے کیا کہا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

وہ جو چاہتے ہیں مجھے حکم دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ فلاں شخص کو دے دو۔ اس کے گھر والوں کو اس کی ضرورت ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کے اہداف میں سے ایک عظیم ہدف ہے۔ جس میں وسیع تفاصیل ہیں۔

اگر آپ ﷺ کی کسی بیوی نے کوئی ایسا لفظ اپنے منہ سے نکال دیا جو آپ ﷺ کو ناپسند ہوتا تو اسے فوراً منع کر دیتے۔ گذشتہ صفحات میں ہم تحریر کر چکے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو کہہ دیا کہ آپ ﷺ کو صفیہ رضی اللہ عنہا کا صرف پستہ قد ہی کافی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ایک ایسا لفظ کہا ہے اگر سمندر میں ملایا جائے تو اس کے ذائقے پر بھی غالب آ جائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے ایک بار نبی اکرم ﷺ کو ایک شخص کے گناہوں کے بارے میں بتایا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجھے کسی گناہ گار انسان کے بارے میں بتایا جائے، جبکہ میں خود ایسا ایسا ہوں۔ جب آپ ﷺ کی مرض الموت میں آپ ﷺ کی بیویاں آپ کے پاس بیٹھی تھیں تو صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کاش! آپ کی بیماری مجھے لگ جائے۔ تو کچھ بیویوں نے آپس میں ایک دوسری کی طرف کن اکھیوں سے اشارہ کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے منہ سے کوئی ایسی بات کی ہو جو آپ ﷺ کو اچھی نہ لگی۔

تو آپ ﷺ کی مرض نے ان کے ڈانٹنے سے نہ روکا۔ آپ ﷺ نے ان کو فرمایا: تم کلی کرو۔ انہوں نے تعجب سے کہا ہم نے تو کچھ نہیں کھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو بات کی ہے، اس کی بدبو ابھی تک تمہارے منہ میں ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نادر مثال وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے عملاً دس ذوالحج کو منیٰ میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ فضل اس وقت نئے نئے بالغ ہوئے تھے۔ بنو خثعم کی ایک حسین و جمیل خاتون نبی اکرم ﷺ کے پاس دینی مسائل پوچھنے کے لیے آئی۔ تو فضل رضی اللہ عنہ بار بار اس کی طرف دیکھنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ نے فضل کو ٹھوڑی سے پکڑا اور ان کا چہرہ دوسری طرف گھما دیا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو کہا: آپ نے اپنے چچازاد کی گردن موڑ دی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک نوجوان لڑکا اور ایک نوجوان لڑکی دیکھی تو مجھے ان دونوں کے اندر فتنے کا ڈر پیدا ہو گیا۔ [بخاری، ترمذی]

وقار و متانت کا التزام اور لہو ولعب سے اجتناب

نبی اکرم ﷺ کے گھرانوں کی خصوصی پہچان وقار و متانت ہے۔ وہاں پاکیزہ کھیل کود کے علاوہ دنیاوی اور شہوانی لہو ولعب کا دخل نہیں۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں تحریر کر دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری پر ترس آیا۔ آپ ﷺ نے اس کے حجرے کا پردہ پھیلایا اور مسجد میں اسے اپنی پشت پر کھڑا کر کے حبشیوں کا کھیل دکھایا۔ جو وہ خنجروں اور لاٹھیوں سے کر رہے تھے، حتی کہ وہ خود سیر ہو گئی۔ [التراتیب: ۱/۱۲۱]

آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لڑکیوں کو لے آتے تاکہ وہ آپس میں کھیلیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خوش وخرم رہے۔ [التراتیب: ۲/۱۲۶]

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس عیدالاضحیٰ کے دنوں میں آئے تو اس کے پاس دو لڑکیاں جنگ بعاث کے حوالہ سے اشعار گا رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے کپڑا لیا اور پلو بدل کر لیٹ گئے۔

اسی اثناء میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو اس نے اپنی بیٹی کو ڈانٹا کہ شیطانی آلات نبی اکرم ﷺ کے پاس کیوں ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: آپ انہیں کچھ نہ کہیں اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں:

کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس عیدالاضحیٰ کے دنوں میں آئے تو وہاں دو

لڑکیاں دف کے ساتھ گا رہی تھیں اور نبی اکرم ﷺ وہیں کپڑا لے کر لیٹے ہوئے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بچیوں کو ڈانٹا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: اے ابوبکر! آپ ان دونوں کو کچھ نہ کہیں کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں۔[التراتیب الاداریہ: ۲/۱۲۱-۱۲۶]

اگرچہ آپ ﷺ نے یہ سب سلوک پیش کیا۔ تاہم آپ ﷺ کے گھر والوں نے کبھی آپ ﷺ کو منہ بھر کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کے گھر والوں نے آپ ﷺ کے ہنستے وقت آپ کا تالو کبھی نہیں دیکھا۔ اکثر طور پر آپ ﷺ صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کرتے۔

آپ ﷺ جب بادل یا آندھی آتی دیکھتے تو آپ ﷺ کے گھر والے اس کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر دیکھ لیتے۔

ایک بار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! لوگ جب گھٹائیں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ یہ امید کرتے ہوئے کہ اس میں بارش ہوگی لیکن میں آپ ﷺ کو دیکھتی ہوں جب آپ بادل دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرے سے ناپسندیدگی کے آثار اٹھتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! مجھے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو آندھی کا عذاب دیا گیا اور ایک قوم والوں نے گھٹائیں دیکھیں تو کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسیں گے۔ پھر انہی بادلوں کے ذریعے اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔

آپ ﷺ کی اتنی سنجیدگی کے باوجود آپ کو یہ پسند نہ تھا کہ آپ کے پاس جو لوگ ہوں وہ مزاج بن کر زندگی بسر کریں۔ جب آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دلہن کو اس کے انصاری خاوند کے پاس لے کر گئی ہے تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی کھیل تماشہ تھا کیونکہ انصاری کھیل کود کو پسند کرتے ہیں۔

جب عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو آپ ﷺ نے انہیں سکھانے کے انداز میں فرمایا: کیا تم نے یہ اشعار نہیں گائے؟

اتینا کم اتینا کم ...... فحیونا نحیکم

ولولا الحبة السمراء ...... ما جئنا بواديكم

''ہم تمہارے پاس آئے، ہم تمہارے پاس آئے۔ تم ہمیں خوش آمدید کہو ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔ اگر سنہری گندم نہ ہوتی تو ہم تمہاری وادی میں نہ آتے۔''

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک کنیز عید الفطر کے دن دف بجاتے ہوئے اور سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار گاتی ہوئی ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ انہوں نے اسے ڈانٹ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام سلمہ رضی اللہ عنہا تو اسے کچھ نہ کہہ کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ [التراتیب: ۲/۱۳۵]

رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے تو وہاں ایک عورت آئی۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا تو اسے پہچانتی ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں تو نہیں پہچانتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ فلاں قبیلہ کی گلوکارہ ہے، یہ تجھے گانا سنانا چاہتی ہے۔ تو اس نے پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے گانا گایا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شیطان نے اس کے دونوں نتھنوں میں پھونک ماری ہے۔

[المرجع السابق۔ النسائی]

علم و رشد

نبی اکرم ﷺ کے سب گھر علم و رشد کے گھرانے تھے۔ آپ ﷺ کی بیویاں عالمہ و فاضلہ تھیں۔ وہ اپنے پاس آنے والی عورتوں کو مسائل کی تعلیم دیتی تھیں۔ خاص کر ان مسائل میں جن کی تفصیل بتانے سے نبی اکرم ﷺ کو حیا آڑے آتی تھی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین والمؤمنات کو یہ حکم دیا:

﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ [الاحزاب:٣٤]

''اور تم (اے نبی کی بیویو) جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت (احادیث) پڑھی جاتی ہیں، اس کے ساتھ نصیحت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین خبر رکھنے والا ہے۔''

آپ ﷺ کی سب بیویوں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ذکاء، فطانت اور تحصیل علم کے ساتھ تعلیم و تعلم پر سب سے زیادہ حریص تھیں۔ دینی مسائل کے متعلق سب کچھ آپ ﷺ سے پوچھتی تھیں اور اپنے تیز اور مضبوط فہم و ذہانت کی وجہ سے اسے یاد کر لیتی تھیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا علمی و تشریعی مصدر بنا۔ نیز جن مسائل میں اختلاف پڑ جاتا وہ اسی کی طرف رجوع کرتے۔ وہ اپنی ہر مشکل کا

حل ان سے پوچھتے اور انہیں یہاں سے جواب شافی وکافی مل جاتا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کثیر مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصحیح وتصویب واستدراک کرتیں.حتی کہ وہ جلیل القدر صحابہ کے نزدیک بھی واجب الاحترام سمجھی جاتیں۔عام صحابہ کی تو بات ہی کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی کے متعلق اکثر علم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے پاس سے ملا۔سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔میں نے جا کر کہا:اے امی جان! میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے آپ سے شرم آتی ہے۔انہوں نے کہا جو بات تو اپنی اس ماں سے پوچھتے وقت نہیں شرماتا جس نے تجھے جنا ہے تو مجھ سے وہ بات پوچھنے کے لیے تو نہ شرما۔کیونکہ میں بھی تیری ماں کی طرح ہوں۔میں نے کہا: غسل کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟

انہوں نے کہا:تم باخبر کے پاس آئے ہو۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے اور مرد کے ختنے والی جگہ عورت کے ختنے والی جگہ سے چھو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔[مسلم نے اسے روایت کیا ہے]

ان سے پوچھا گیا: بے شک سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان روایت کرتے ہیں کہ نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے۔گھر، بیوی اور سواری کا جانور۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ساری بات یاد نہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب گھر آئے تو رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے۔اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے وہ کہتے ہیں تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے۔گھر، بیوی اور سواری کے جانور ہیں۔تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کا آخری حصہ سنا اور پہلا حصہ نہیں سنا۔

نبی اکرم ﷺ کی بیویوں نے آپ ﷺ کے وہ گھریلو حالات امت تک پہنچائے ہیں جو کسی اور کے لیے روایت کرنا ناممکن تھا۔

ان روایات کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے نبی ﷺ کی کھانے پینے، عبادت کرنے اور آپ ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق نہایت خصوصی عادات اور سنن کا علم ہوا اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی پسند اور ناپسند کیا تھی۔ اس کے علاوہ دیگر ایسے امور کا علم بھی ہوا جو شریعت کے بنیادی اصول شمار ہوتے ہیں۔

اگر یہ ساری فریضہ امہات المؤمنین سرانجام نہ دیتیں تو سنت مطہرہ کا بیشتر حصہ ضائع ہو جاتا۔ امہات المؤمنین چونکہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص حالات میں بھی رہتی تھیں۔ اس لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی شریعت میں حلال وحرام کا علم ان کو سب سے زیادہ تھا۔

نیز امہات المؤمنین امانت وحی کی حفاظت اور ادائیگی کے لیے بھی سب سے زیادہ معتمد علیہ ذریعہ وحی ہیں۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

① سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس مکتوب قرآن کے چند پارے ایسے بھی تھے جو اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ اسی لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے وقت ان سے وہ پارے مستعار لیے اور سب کو ایک نسخے میں ترتیب وار اکٹھا کیا اور پھر وہ پارے انہوں نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو لوٹا دیے۔ ان کو قرأت اور کتابت میں مہارت حاصل تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ام سلیمان شفاء رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ وہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی کتابت سکھلائیں۔ [التراتیب: ۱/ ۵۰]

② محدثین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بائیس سو احادیث نقل کی ہیں۔ جن میں سے بیشتر احادیث صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات ہیں۔ انہوں نے علم اور فقہ کے وہ وہ

مسائل امت کے لیے بیان کیے ہیں جو کسی اور عورت نے نہ کیے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام بیویوں نے احادیث وسنن روایت کی ہیں اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو وحی کی تعلیم دی۔ گویا وہ سب رشد وہدایت اور علم وتقویٰ کا سنگ میل تھیں۔

صحابیات رضی اللہ عنہن نبی اکرم ﷺ کی بیویوں کے کچے مکانات میں آتی تھیں ۔ وہ آپ ﷺ سے دین کے مسائل پوچھتیں ۔ یا امہات المؤمنین سے مسائل پوچھتی تھیں۔ جیسے ایک عورت نبی اکرم ﷺ سے طہارت کا مسئلہ پوچھنے آئی۔ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرماتھے۔ اس عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ جب وہ حیض کے بعد غسل سے فارغ ہوتو کس طرح طہارت حاصل کرے؟

آپ ﷺ نے اسے غسل کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ روئی کا ایک ٹکڑا لے کر اس پر مشک لگاؤ اور اس کے ذریعے طہارت حاصل کرو۔ اس نے پوچھا: میں کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ طہارت حاصل کر۔ اس نے پوچھا: کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ۔ تو اس کے ساتھ طہارت حاصل کر۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اور اسے بتایا تو مشک لگی روئی خون والے مقام پر رکھ دے۔ [مسلم: ۳۳۲]

گزشتہ صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ جو زائرین کرام نبی اکرم ﷺ کے دیدار اور تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی نیت سے آتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو اجازت لینے کا طریقہ سکھلاتے۔ مثلاً سیدنا کلدۃ بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تو سلام کیے بغیر آپ ﷺ کے پاس چلا گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: تو واپس جا اور یوں کہہ السلام علیکم ! کیا میں آجاؤں؟ [الترمذی: ۲۷۱۰۔ ابوداود: ۵۱۷۶]

بنو عامر کے ایک آدمی نے غلط طریقے سے اجازت طلب کی۔ جب نبی اکرم ﷺ

اپنے کسی گھر میں تشریف فرماتھے تو اس نے آتے ہی کہا: کیا میں اندر آ جاؤں؟

رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم کو فرمایا: جاؤ اس آدمی کو اجازت لینے کا صحیح طریقہ سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ پہلے تو سلام کرو۔ پھر پوچھو کیا میں آ جاؤں؟

اس آدمی نے خادم رسول اللہ ﷺ کی بات توجہ سے سنی۔ پھر اسی طرح کیا جس طرح سنا تھا تو آپ ﷺ نے اسے آنے کی اجازت دے دی۔ تب وہ آپ ﷺ کے پاس آ گیا۔ [ابوداود:۵۱۷۷]

رسول اللہ ﷺ اپنے گھروں میں ہمیشہ اپنی بیویوں کے لیے بہت اچھے معلم و مرشد بن کر پیش آتے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تعلیم دی کہ میں اذان مغرب کے وقت یہ دعا پڑھوں۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِدْبَارُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِي [ابوداؤد:۵۳۰۔الترمذی:۳۵۸۹]

”اے اللہ! یہ وقت تیری رات کے آنے کا ہے اور تیرے دن کے جانے کا ہے اور تیرے دین کی دعوت دینے والوں کی آوازیں بلند ہونے کا ہے۔ تو میری مغفرت فرما۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب چاند طلوع ہو رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: تو اس اندھیرے کے شر سے کہ جب وہ چھا جائے اللہ کی پناہ پکڑ۔

[عمل اليوم والليلة ـ ابن سنی:٦٤٨]

بلکہ نبی اکرم ﷺ اپنے سب گھر والوں کو ہی نہیں آپ ﷺ کے پاس جو بھی آتا آپ ﷺ اسے تعلیم دیتے۔

ایک بار آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تجھے کیا چیز روکتی ہے کہ تو وہ دعا پڑھے جو میں نے آپ ﷺ کو بتائی ہے۔

تو جب صبح یا شام کرے تو یہ دعا پڑھا کر:

یاحي ویاقیوم بك استغیث فاصلح لی شانی کله ولا تکلني الی نفسي طرفة عین [ابن السنی:٤٨]

''اے زندہ و نگرانی کرنے والے میں تیرے آگے فریاد کرتا ہوں۔ پس تو میرے لیے میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما دے اور تو مجھے پلک جھپکنے کی دیر تک کے لیے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔''

آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تم کہو:

اللھم اھدنی و سددنی

''اے اللہ! تو مجھے ہدایت دے اور سیدھا رکھ۔''

اور ایک روایت میں ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَالسَّدَادَ [مسلم:٢٧٢٥]

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے ہدایت اور سیدھا رستہ طلب کرتا ہوں۔''

آپ ﷺ اپنے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے تھے۔ اے بیٹا جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو سلام کر۔ یہ تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے باعث برکت ہوگا۔ [الترمذی:٢٦٩٩]

آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: تو اس طرح دعا کر:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ مِنَ الْخَیْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَأَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ وَأَسْأَلُكَ مِنَ الْخَیْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ

وَرَسُوْلُكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْتَعِيْذُكَ مِمَّا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْأَلُكَ مَا قَضَيْتَ لِي مِنْ أَمْرٍ أَنْ تَجْعَلَ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا [احمد:١/١٤٦ ـ ابن ماجه:٣٨٤٦]

اے اللہ میں تجھ سے جلد یا بدیر آنے والی سب بھلائی مانگتی ہوں۔اس سے جو مجھے معلوم ہے اور جو میں نہیں جانتی۔اور میں تجھ سے جنت اور اس کے قریب کر دینے والا ہر قول وعمل مانگتی ہوں اور میں تجھ سے آگ اور اس کے قریب کر دینے والے ہر قول وعمل سے پناہ چاہتی ہوں۔اور میں تجھ سے ہر اس بھلائی کا سوال کرتی ہوں جس بھلائی کا سوال تجھ سے تیرے بندے اور تیرے رسول محمد ﷺ نے کیا اور میں تجھ سے ہر اس شر سے پناہ چاہتی ہوں جس (شر) سے تجھ سے تیرے بندے اور تیرے رسول محمد ﷺ نے پناہ چاہی ہے اور میں تجھ سے ہر اس معاملے کا انجام اچھا ہونے کا سوال کرتی ہوں جس کا فیصلہ تو نے میرے لیے کر دیا ہے۔"

آپ ﷺ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ اگر میں لیلۃ القدر پا لوں تو اس میں کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو کہہ:

((اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي)) [الترمذی:٣٥١٣]

"اے اللہ! بے شک تو معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے بھی معاف کر دے۔"

بلکہ نبی اکرم ﷺ اپنے مہمانوں کو بھی تعلیم دیتے تھے۔چونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ایک رات اپنی خالہ اور ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بسر کی تو نبی اکرم ﷺ قیام اللیل کے لیے بیدار ہوئے آپ ﷺ نے ایک لٹکتی ہوئی مشک سے ہلکا

سا وضو کیا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز شروع کر لی۔ میں بھی اٹھا، آپ ﷺ ہی کے وضو کی طرح میں نے بھی وہیں سے وضو کیا جہاں سے آپ ﷺ نے کیا تھا۔ پھر میں نبی ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا اور نماز شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے مجھے وہاں سے پھیر کر اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اتنی نماز ادا کی جو اللہ کو منظور تھی۔

[بخاری:٧٢٦]

آپ ﷺ کے گھر والوں اور مہمانوں وغیرہ کے لیے اذکار و ادعیہ سے بڑھ کر گھریلو احتیاطات اور شبہات تک پہنچ جاتی تھیں۔ تاکہ ہر طرح کا امن و سلامتی رہے اور کسی قسم کا نقصان یا ایذا کسی کو نہ پہنچے۔ آپ ﷺ فرماتے: تم برتنوں کو ڈھانپ دو اور مشکیزہ کا منہ باندھ دو اور دروازہ بند کر دو اور چراغ بجھا دو کیونکہ چوہیا گھر والوں پر ان کا گھر جلا دیتی ہے۔[مسلم:٢٠١٢]

آخر میں ہم یہ نکتہ تحریر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ چھوٹے بچوں کو بھی تعلیمات و نصیحتوں سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ بچہ خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہوتا۔ آپ ﷺ کے پاس صدقہ کی کچھ کھجوریں آئیں۔ آپ ﷺ کے پاس اس وقت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بچے نے اچانک ایک کھجور اٹھالی اور جلدی سے اپنے منہ میں ڈال لی۔

جونہی رسول اللہ ﷺ کی نظر میں بچے کی حرکت آئی آپ ﷺ نے اپنے منہ سے "کخ کخ" کی آواز نکالی۔ اور فرمایا: بیٹا! تو اسے تھوک دے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے اور ایک روایت میں ہے ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔[بخاری:١٤٩١۔ مسلم:١٠٦٩]

احترام انسانیت

نبوی گھرانوں سے دوسروں کے احترام کی نایاب مثالیں ظاہر ہوئی ہیں۔ چاہے شخصیت کا احترام ہو یا رائے کا احترام ہو۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ سرورکونین و مصطفیٰ و مرتضیٰ تھے۔ آپ ﷺ پر آزمائش بہت بھاری آئیں اور آپ ﷺ کو عظیم و جسیم صدقات جھیلنے پڑے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک درجن بھر بیویاں تھیں۔ آپ ﷺ ان میں سے ہر ایک کی قدر و منزلت اسی طرح کرتے جو اس کو جچتی۔ آپ ﷺ ان کی بڑائی و حوصلہ افزائی کرتے۔ دینی و دنیاوی امور و معاملات میں آپ ﷺ سنجیدگی سے ان کی آراء قبول کرتے اور ان کا احترام کرتے۔

جب نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ خلوت نشین ہوئے تو آپ ﷺ نے اسے اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو رواج کے مطابق میں تیرے پاس تین راتیں گزاروں اور پھر باری مقرر کروں اور اگر وہ چاہیں تو کنواری عورت کی طرح تمہارے پاس سات راتیں گزار کر باری مقرر کروں۔ تو اس نے اپنی مرضی سے تین راتیں گزارنے کو پسند کیا کیونکہ اس کے پاس پہلے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے چار بچے بھی تھے، اس نے سوچا کہ بچوں کی نگہداشت میں حرج ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ یہیں اپنی قربانی کے جانور ذبح کرو اور احرام کھول دو۔ تو آپ ﷺ کے جاں نثاروں نے اس

حکم کی اطاعت نہ کی تو آپ ﷺ کو ان کی یہ شوخی پسند نہ آئی اور غصے اور افسوس کے ملے جلے جذبات لیے اپنے خیمے میں داخل ہوئے۔ وہاں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین مشورے کا الہام کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فوراً تسلیم کرلیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی اطاعت بخوشی کی۔

نبی اکرم ﷺ پر جب پہلی وحی اتری تو آپ ﷺ تھر تھر کانپتے ہوئے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئے۔انہوں نے آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی کی۔آپ ﷺ کو تسلی دلائی اور آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ میں آپ ﷺ کو لے کر اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے پاس جاتی ہوں۔تو آپ ﷺ نے اس نیک بخت خاتون کی رائے قبول کی اور ورقہ سے ملاقات کرنے چلے گئے۔یوں آپ ﷺ کو اطمینان حاصل ہوگیا۔

جب صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا کھانا لے کر آپ کے پاس مسجد میں گئیں اور آپ ﷺ اعتکاف بیٹھے تھے۔آپ نے خوشی سے اس کا استقبال کیا۔اسے اپنے پاس بٹھایا ،اس کے ساتھ انس ومحبت بھری گفتگو کرتے رہے۔ پھر جب وہ واپس جانے لگی تو آپ ﷺ اس کے احترام کی وجہ سے اس کے ساتھ مسجد کے دروازے تک گئے اور وہاں سے الوداع کیا۔حالانکہ آپ ﷺ اپنی عبادت میں مشغول تھے۔آپ ﷺ نے جب فرمایا کہ جن لوگوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے میری بیعت کی، آگ انہیں نہیں چھوئے گی۔ تو حفصہ رضی اللہ عنہا نے اعتراض کیا:یارسول اللہ ﷺ کیوں نہیں؟اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ﴾ [مریم:۷۱]

"اور تم میں سے ہر ایک اس (آگ) پر سے گزرے گا۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات کو سختی سے نہیں جھٹلایا اور نہ ان کو ڈانٹا بلکہ نرمی سے

کہا: یہ فرمان بھی اللہ عزوجل ہی کا ہے۔

﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾ [مریم: ۷۲]

''پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے اور اس میں ظالموں کو گھٹنوں کے بل اوندھے منہ چھوڑ دیں گے۔''

جب صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کے ہاتھوں میں جنگی قیدی بن کر آئی اور نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنے لیے چن لیا۔ آپ ﷺ کو پورا پورا احساس تھا کہ اس کی قوم کو جس مرد کے مقابلے میں شکست ہوئی اس کے متعلق اسی کے جذبات کیسے ہوں گے اور اس کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا ہے۔

آپ ﷺ نے اس لڑائی کے اسباب کے متعلق اسے واضح طور پر بتایا کہ جن کی وجہ سے ان لوگوں پر جنگ مسلط کی گئی۔ تب وہ مطمئن ہوئی۔ اس طرح آپ ﷺ نے اس کی تالیف قلب کی۔ سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بتائے بغیر اپنی ایک لونڈی کو آزاد کردیا۔ آپ نے نرمی سے اسے سمجھایا اور آپ ﷺ نے اسے مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنی لونڈی اپنے رشتہ داروں کو ہدیۃً دے دیتی تو اسے دوہرا اجر ملتا۔

لیکن آپ ﷺ نے اس کی رائے کا احترام کیا۔ نیز اس کی احسن طریقے کی طرف رہنمائی بھی کردی۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: یارسول اللہ! مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے گویا میں نے اپنی لونڈی آزاد کردی ہے؟ آپ ﷺ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا: کیا تو نے اسے آزاد کردیا ہے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بولیں! جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن اگر تم اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تجھے زیادہ اجر ملتا۔ [بخاری: ۲۵۹۴۔ مسلم: ۹۹۹]

عدل وانصاف

جب نبی اکرم ﷺ لوگوں کو عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتے تو پہلے آپ ﷺ اپنے اہل وعیال میں اس کو عملاً ثابت کرتے اور آپ ﷺ اپنے گھر والوں پر پہلے اسے نافذ کرتے جن میں آپ ﷺ کی بیویاں، آپ کی اولاد اور آپ کی اولاد کی اولاد شامل تھے۔ چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی معاملات میں بھی آپ ﷺ عدل کا دامن نہ چھوڑتے اور بڑے اور اہم معاملے میں تو آپ ﷺ کا اوڑھنا بچھونا عدل وانصاف ہی ہوتا۔ آپ ﷺ اپنے ایام پورے عدل وانصاف سے اپنی بیویوں میں تقسیم کرتے۔ یہ آپ بالکل نہ چاہتے کہ ان بیویوں میں سے کسی کو آپ ﷺ زیادہ خرچ دے دیں اور بقیہ کے ساتھ آپ دوسرے کم تر معاملہ کریں۔ نیز آپ ﷺ زندگی کے تمام امور میں اپنی بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھتے۔ آپ ﷺ سب کے احساسات و جذبات کی بھرپور قدر کرتے۔

آپ ﷺ پوری کوشش کرتے کہ جیسا سلوک ایک بیوی سے آپ ﷺ کرتے ہوں بعینہٖ دوسری بیویوں سے بھی ویسا ہی سلوک کریں۔ تاہم انسانی دل انسان کے قابو سے باہر کبھی کبھی ہو جاتا ہے تو اس کے جذبات دائیں بائیں زیادہ پھیل جاتے ہیں۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو اس طبعی میلان سے بھی انتہائی کوفت ہوتی۔ چونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ

کے سامنے نہایت آہ و زاری اور تضرّع کے ساتھ گڑگڑاتے اور کہتے اے اللہ! میری وہ تقسیم ہے جس پر میرا قابو ہے تو جس پر میرا قابو نہیں تو اس پر میرا مؤاخذہ نہ کر۔

عدل وانصاف قائم رکھنے کے لیے ہی آپ ﷺ تمام بیویوں میں سے ہر ایک کے پاس برابر برابر ٹھہرتے اور جب آپ ﷺ نے کوئی سفر، جہاد وغیرہ کے لیے کرنا ہوتا تو آپ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلتا وہ آپ ﷺ کے ہمراہ سفر میں جاتی۔ آپ ﷺ کے عدل و انصاف کا بے مثال نمونہ آپ ﷺ کی بیویوں کے درمیان وہ ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ﴾ [الاحزاب:۵۱]

''آپ ﷺ (اے نبی) جس (بیوی) کو چاہیں ان (بیویوں) سے مؤخر کر دیں اور اپنے پاس جس کو چاہیں جگہ دیں اور آپ نے جس (بیوی) کو علیحدہ کر دیا اس کو طلب کر لیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ فرمان الٰہی نازل ہونے کے بعد بھی ہم میں سے اس سے اجازت طلب کرتے جس کی باری ہوتی۔

تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔ یا رسول اللہ ﷺ میں نہیں چاہتی کہ میں آپ ﷺ پر کسی اور کی وجہ سے ترجیح دی جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ کے عدل کے واقعات ختم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ پیغام اسلام کی بنیاد ہی عدل پر استوار ہے۔

دکھوں اور غموں سے بھرا ہوا گھرانہ

نبی اکرم ﷺ نے اپنے بچپن ہی سے دکھوں اور مصائب کے درمیان پرورش پائی۔ چھوٹی عمر میں ہی آپ ﷺ یتیم ہو گئے۔آپ ﷺ نے اپنا بچپن اور لڑکپن بلکہ جوانی کا کچھ حصہ بھی اپنے ماں باپ کے گھر کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں گزارا۔طویل شب وروز آپ ﷺ نے فاقہ کشی میں گزارے۔آپ کی قوم نے آپ سے جنگ کی اور آپ ﷺ کے اصحاب پرظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔آپ ﷺ پر جنون' جادو' کہانت اور جھوٹ کی تہمت لگائی۔پھرانہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے خلاف سازش کی اور کم وبیش تین سال تک آپ ﷺ کو اپنے رشتہ داروں سمیت شہر سے دور ایک گھاٹی میں محبوس ومحصور کردیا۔انہوں نے آپ کا آپ کے ساتھیوں سمیت معاشرتی و اقتصادی بائیکاٹ کردیا۔

اگرچہ آپ ﷺ کی قوم والوں نے تو آپ ﷺ کے قتل کی بھی منصوبہ بندی کرلی لیکن آپ ﷺ سینہ سپر ہو کر ثابت قدم رہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی اولاد اور اپنے قرابت داروں کی یکے بعد دیگرے اموات سے بھی آزمایا۔

آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی آپ ﷺ کے والد فوت ہو گئے تو آپ ﷺ اپنی والدہ کی شفقت سے بھی جلد ہی محروم ہو گئے۔پھر آپ ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے ناتواں کندھوں پر آن پڑی۔کچھ عرصے بعد وہ بھی چل

بسے۔ اسی سال آپ ﷺ کی پیاری غمگسار بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی وفات پائی۔ یہ دونوں آپ ﷺ کی دعوت دین میں آپ ﷺ کے دست وبازو تھے۔ آپ ﷺ کے تینوں بیٹے قاسم، طیب اور ابراہیم رضی اللہ عنہم بچپن میں ہی فوت ہوگئے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی تینوں بیٹیاں زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن بھی آپ ﷺ کی زندگی میں ہی وفات پاگئیں۔ آپ ﷺ کو اپنے بہادر چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا صدمہ بھی سہنا پڑا۔ جن کا مثلہ کر کے ان کی نعش کو مسخ کر دیا گیا۔

پھر آپ ﷺ نے اپنے پیارے چچا ابوطالب کے پیارے بیٹے جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی دیکھ لی۔ گویا مختصر مدت گزرتی اور آپ ﷺ کے عزیزوں اور قریبیوں میں سے کوئی نہ کوئی اللہ سے جا ملتا۔ اس کے علاوہ بھی نبی اکرم ﷺ نے قلق و اضطراب میں اپنی ساری عمر گزار دی۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں منافقین کی سازشوں اور مکاریوں سے آپ ﷺ کا واسطہ پڑا۔ وہ ہر وقت سوچتے رہتے کہ کس طرح اسلامی مملکت کے تار و پود بکھیر دیے جائیں۔

پھر ہمارے مشاہدے میں یہ بات آچکی ہے کہ ان منافقین مدینہ کو جونہی فرصت میسر آئی مکروفریب کا ایک گھناؤنا جال بن کر رسول اللہ ﷺ کی پیاری اور عفت مآب طاہرہ و طیبہ بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگادی۔

اس سازش کے نتیجے میں نبی اکرم ﷺ سمیت بیشتر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر رنجیدہ وکبیدہ ہوئے۔ طویل ایام تک وحی منقطع رہی۔ بالآخر عرش الٰہی سے سیدہ عفیفہ کی براءت نازل ہوئی۔ گویا رسول اللہ ﷺ زندگی بھر غمزدہ و پریشان ہی رہے اور اپنے رب کی ملاقات کے لیے جانے تک آپ ﷺ کو گھڑی بھر سکون قلب میسر نہ آیا۔

بعدازاں

نبی اکرم ﷺ کے گھرانے ان صفات کا نادر و نایاب اور بے مثال نمونہ تھے جو ہم

نے اس کتاب میں تحریر کردی ہیں اور جن میں ایک سچے مسلمان کے گھر کے تمام افراد کے لیے بہترین نمونہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب:۲۱]

''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔''

لہٰذا جس مسلمان کا گھر رسول اللہ ﷺ کے گھروں کا جتنا زیادہ مشابہ ہوگا، وہ خود رسول اللہ ﷺ کے اتنا ہی قریب ہوگا۔ اس لیے اسے اللہ کی ڈھیروں حمد کرنا چاہیے۔

اور جس کا گھر اس کے برعکس ہو۔ یعنی اس کے گھر کی مشابہت رسول اللہ ﷺ کے گھر سے کم ہو یا بالکل نہ ہو تو وہ دوسروں کی بجائے اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ کیونکہ جو برے نتائج اس کے سامنے اس کے گھر کے افراد کے آرہے ہیں۔ جو اسے ناپسند ہیں تو یہ صرف اس کی اپنی لاپرواہی اور غفلت کا نتیجہ ہیں اور اگر ہم گزشتہ صفحات کا خلاصہ لکھنا چاہیں تو وہ درج ذیل نکات میں ہوسکتا ہے:

① نہ تو نبی ﷺ نے اور نہ آپ کے گھروں کے کسی ایک فرد نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کا رہن سہن اور ان کی بودوباش عام گھروں اور عام لوگوں جیسی نہیں بلکہ اسے کوئی خصوصیت حاصل ہے۔

② نبی اکرم ﷺ کے گھر انسانی مصائب وصدمات سے خالی نہ تھے۔ ان میں بھی چھوٹی بڑی مشکلات اور تنگدستیاں آتی رہتی تھیں۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان والا واقعہ اور شہد نہ پینے والا واقعہ اور کم اخراجات کی شکایت اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروپ کی شکایت۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن جب ان مشکلات کا جلد یا بدیر کوئی حل سامنے آتا تو دلوں سے فوراً محو ہو جاتا۔

③ نبی اکرم ﷺ صرف شہوت کی تکمیل نہ کرتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ کی

بیویاں بھی ایسی نہ تھیں۔ بلکہ آپ ﷺ کی ذمہ داریاں آپ ﷺ کے گھروں میں نہایت اہم تھیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنی بیویوں سے ایک ماہ تک علیحدہ رہے۔ تاکہ انہیں عظیم عبرت حاصل ہو جائے۔ نیز آپ ﷺ رمضان السبارک مہینے کے آخری دہائی میں مسجد میں اعتکاف کرتے تو اپنی کسی بیوی کے قریب بھی نہ جاتے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے عنفوان شباب اور قوت کے زمانے میں تو صرف ایک بیوی کے ساتھ رہے۔ اس ایک کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس نہ کوئی آزاد عورت تھی اور نہ کوئی لونڈی تھی۔ دیگر درجن بھر بیویوں کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنی عمر کے پچاس سال گزار کر ہی نکاح کیے۔

④ نبی اکرم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کو اپنے ساتھ رہنے پر کبھی مجبور نہیں کیا اور جب آپ ﷺ کی بیویوں نے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیا اور آپ ﷺ کے سامنے زیادہ شوروغل کیا تو آپ نے ان سب کو دو باتوں کا اختیار دیا کہ یا تو مجھ سے آزاد ہو جاؤ یا اسی تنگدستی ہی میں گزارا کرو۔ تو سب نے دوسری حالت کو ترجیح دی۔

⑤ اسی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ سے علیحدہ ہونے پر تیار نہ ہوئی۔ درحقیقت وہ سب آپ سے شدید محبت کرتی تھیں اور ان میں سے ہر بیوی کی کوشش ہوتی کہ وہ آپ ﷺ کی خوشنودی کس طرح حاصل کرتی ہے اور کس قدر آپ ﷺ کے قریب ہو سکتی ہے۔

⑥ نبی اکرم ﷺ کی لامحدود اور بڑی بھاری مشکلات نے آپ ﷺ کو جہاد پر جانے سے کبھی نہ روکا۔ نیز آپ ﷺ قبائل سے معاہدے کرتے اور اہم ترین معاملات کی منصوبہ بندی کرتے۔ ان سب امور نے آپ ﷺ کو اپنے گھر والوں کے درمیان رہنے اور ان کو نصیحت کرنے سے کبھی آڑے نہ آئیں۔ آپ ﷺ کو جب بھی موقع ملتا

یا آپ ﷺ مناسب سمجھتے اپنے گھر والوں کا حال دریافت کرتے اور ان کو رشد و تعلیم مسلسل دیتے۔ جبکہ ہم بیشتر لیڈروں، حکمرانوں اور ذمہ داروں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے گھرانے تعلیم و تربیت سے یکسر خالی ہو جاتے ہیں اور ان پر فساد غالب آ جاتا ہے کیونکہ ان گھروں کے مالکوں کو اپنے گھروں کے افراد پر توجہ دینے کی فرصت نہیں ملتی۔

⑦ رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں وہ سب افعال و حرکات ہوتیں جو عوام کے گھروں میں ہوتی ہیں۔ جن کو گھر کا مالک پسند نہیں کرتا۔ تو ایسی صورت میں جب ایسے فعل و حرکت سے انکار واجب ہوتا تو آپ ﷺ کھلم کھلا انکار کر دیتے اور جب خاموشی بہتر ہوتی تو آپ ﷺ بھی خاموش ہو جاتے۔ تاہم آپ ﷺ رنجیدہ ضرور ہوتے اور اگر بری حرکت کے مرتکب فرد یا افراد کی طرف سے عذر پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اسے فوراً قبول کر لیتے اور جب طعن و تشنیع سے کام نکلتا تو آپ ﷺ ضرور ملامت کرتے اور جب کسی کام سے ڈرانا ضروری ہوتا اور آپ ﷺ اس وقت چشم پوشی کر لیتے جب اور کوئی رستہ نہ بچتا۔ اس کے بعد معاملات خود بخود اپنی ڈگر پر آ جاتے۔

⑧ نبی اکرم ﷺ اپنی بیویوں اور اپنے گھر والوں کو عبادت کی تعلیم دیتے تھے اور اس پر انہیں رغبت دلاتے اور تہجد کے لیے رات کو بیدار کرتے۔ ایک رات آپ ﷺ گھبرا کر اٹھے۔ آپ ﷺ یوں فرما رہے تھے:

''سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے کیا کچھ ظاہر کیا اور اس نے کیسے کیسے فتنے اتارے، گھروں کی مالکنوں کو کون جگائے گا تاکہ وہ نماز پڑھ لیں۔''

⑨ نبی ﷺ نے مسجد کی تعمیر سے پہلے اپنی بیویوں کے حجروں کو تعمیر نہ کیا۔ ابتدا میں صرف دو کچے حجرے بنائے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔ پھر جوں جوں آپ ﷺ کو ضرورت پڑتی گئی آپ اپنی بیویوں کے لیے رہائشی حجرات بناتے رہے۔ آپ ﷺ اپنی ضرورت کے ساتھ ساتھ چلتے۔

⑩ نبی ﷺ کے گھروندے تمام مسلمانوں کے گھروں سے زیب و آرائش میں کم تر تھے۔ بلکہ آپ کے گھرانے سب گھرانوں سے زیادہ فقیر تھے۔ جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فتوحات عطا کیں تو پھر بھی آپ ﷺ کا طرز زندگی نہ بدلا اور نہ ہی دنیا سے کوئی فائدہ آپ ﷺ نے اٹھایا۔ فتوحات کے بعد بھی آپ کی پہلی حالت ہی برقرار رہی۔

رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آپ ﷺ کے آخری ایام کیسے گزرے؟

جزیرۃ العرب میں اسلام کو قرار مل چکا تھا اور ہدایت نبوت کا سورج نصف النہار تک پہنچ گیا اور مسلمانوں کی نگاہیں دعوت اسلام کی نشرو اشاعت کے لیے چاروں طرف پھیلنے لگی تھیں کہ اللہ کی تقدیر کا فیصلہ آپ ﷺ کے آنگن میں اتر پڑا۔

اس دن رسول اللہ ﷺ اپنے ایک صحابی کا جنازہ مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد (جنت البقیع) میں پڑھا کر آئے۔ تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کی پیاری بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر پٹی باندھ رکھی ہے اور سر درد سے پریشان ہے اور بار بار کہہ اٹھتی ہیں، ہائے میرا سر...... ہائے میرا سر۔ آپ ﷺ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بلکہ اللہ کی قسم! میں یہ جملہ کہنے کا زیادہ مستحق ہوں کہ ہائے میرا سر۔ [بخاری: ٥٦٦٦]

کیونکہ اس دن رسول اللہ ﷺ کے سر میں غیر معمولی درد نمودار ہوا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مزاح کے انداز میں فرمایا: ''اے عائشہ! تجھے کیا پریشانی ہے اگر تو مجھ سے پہلے مرگئی تو میں اپنی نگرانی میں تجھے غسل دلواؤں گا۔ کفن پہناؤں گا۔ تیری نماز جنازہ پڑھاؤں گا اور تجھے اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتاروں گا اور اپنے ہاتھوں سے تیری قبر پر مٹی ڈالوں گا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جھرجھری آ گئی۔ وہ اپنا درد بھول گئی۔ گویا ان کے سر میں درد کا نام ونشان تک نہ رہا، کیونکہ ان کے اندر نسوانی غیرت جاگ چکی تھی۔ کہا: اللہ کی قسم! اگر میں

آپ ﷺ کی یہ پیشکش قبول کرلوں تو آپ ﷺ قبرستان سے جونہی لوٹیں گے آپ میرے گھر میں اپنی نئی دلہن کے ساتھ خلوت نشین ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ اس کی سکناپے سے بھرپور تلخ لہجے سے لت پت یہ گفتگو سن کر مسکرا پڑے۔ آپ ﷺ کو اس درشت جذبے پر رحم آ گیا جو بجھنا یا پست ہونا بالکل جانتا ہی نہ تھا۔ پھر آپ ﷺ اپنے اس درد کی طرف متوجہ ہوگئے جس نے آپ کو مغلوب کرنا شروع کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا درد شدید سے شدید تر ہوتا ہوگیا۔ گویا وہ آپ کی برداشت سے باہر ہوگیا۔ آپ ﷺ بستر پر لیٹنے کے لیے مجبور ہوگئے۔ آپ ﷺ ابھی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ آپ ﷺ کا درد روز بروز شدید ہوتا جارہا تھا۔ بالآخر آپ ﷺ بے ہوش ہوگئے۔ اہل خانہ نے آپ ﷺ کی حالت کے متعلق مشورہ کیا تو انہیں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا (جو ہجرت حبشہ سے واپس آ چکی تھی) کہ وہ آپ کے منہ کی ایک جانب (باچھ) سے دوا ڈالیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اہل خانہ کی طرف اشارہ کرنے لگے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ وہ کہنے لگے: مریض تو دوا کو ناپسند کرتا ہی ہے۔ جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کی حرکت کو برا جانا اور آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کیا یہ ان عورتوں کی کار کردگی ہے جو حبشہ سے آئی ہیں اور بات ہی یہی تھی کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے حبشہ میں سے یہ طریقہ سیکھا تھا۔

وہ کہنے لگی: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں شک تھا کہ آپ ﷺ کو درد قولنج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ایسی بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس میں مبتلا نہیں کرے گا۔

گھر کے تمام افراد کو اسی طرح ایک باچھ سے دوا پلائی جائے گی۔ سوائے میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے۔ یہ رعایت آپ نے ان کے احترام کی وجہ سے دی۔ نبی ﷺ کی یہ

دعا پوری ہوئی کیونکہ آپ نے یہ دعا ان کو سزا اور تادیب کے طور پر دی تھی۔اس وجہ سے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ سلوک آپ کے ان کو منع کرنے کے باوجود کیا۔[صحیح ابن حبان: ٦٥٨٧]

پھر چند روز بعد نبی اکرم ﷺ کو خصوصی عیادت اور خدمت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنی سب بیویوں کو اکٹھا کیا اور آپ نے ان سے اس حال میں اجازت طلب کی کہ آپ ﷺ اپنی بیماری کے ایام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارنا چاہتے ہیں؟ تو سب زوجات مکرمات نے آپ کو بصد خوشی اجازت دے دی۔ آپ کو ان کے درمیان صرف عدل مطلوب تھا۔ جبکہ آپ ﷺ دنیا سے الوداع ہونے کے قریب تھے اور اپنی شدت مرض میں مبتلا تھے۔ تاکہ ان میں سے کسی کے دل میں کوئی میل باقی نہ رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری مزید شدید ہوگئی تو آپ ﷺ میں نماز کے لیے مسجد تک جانے کی سکت نہ رہی۔ آپ ﷺ نے اپنے اردگرد لوگوں سے کہا: تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ نماز کی امامت کرائیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ اچھا نہ لگا اور انہوں نے یہ مناسب نہ جانا کہ اس موقع پر ان کے باپ اس مقام پر فائز ہوں اور ان کو اندیشہ ہوا کہ نبی ﷺ پر اس موقع پر ابا جان کی غیر موجودگی میں کوئی برا وقت نہ آ جائے اور پھر لوگ میرے باپ سے بدشگونی لیں۔

وہ نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تاویل کرنے لگیں کہ یارسول اللہ ﷺ بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ کمزور دل آدمی ہیں۔ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور دوسری بار فرمایا: تم لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی شکایت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا تک پہنچا دی اور ان سے کہا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے درخواست کریں تاکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر امامت کے لیے نہ کہا

جائے۔ اگرچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شک بھی پڑ گیا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کے لیے امامت طلب کر سکتی ہے۔

اور شاید حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے باپ کی امامت کی تمنا ہو۔ لہٰذا اس نے بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کو آپ سے بدلوانے کی کوشش کی۔ تاہم اس کو یہ امید تھی کہ میری یہ درخواست بالکل معمولی سی ہے۔ رسول کریم ﷺ کو ان کی اس بات پر غصہ آ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے کلام اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کا برا منایا اور سختی سے ان کی باتوں کو رد کرتے ہوئے فرمانے لگے: تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ بے شک تم عورتیں سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتوں کی طرح ہو۔ یعنی اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہو۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بڑی ندامت ہوئی کہ انہوں نے اپنی بات سے رسول اللہ ﷺ کو ناراض کر دیا جبکہ آپ ﷺ بیماری کی وجہ سے اپنے بستر پر ہیں۔

نبی اکرم ﷺ پر غشی طاری ہو جاتی، پھر آپ ﷺ کو افاقہ ہو جاتا۔ اچانک آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو آپ کو یاد آیا کہ آپ کے گھر میں سات دینار پڑے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق پوچھا اور گھر والوں کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو صدقہ کر دیں۔ گھر کے تمام افراد آپ ﷺ کی اچانک مرض کی وجہ سے پریشان تھے اور وہ آنے والی مشکل گھڑی کو بخوبی محسوس کر رہے تھے۔ انہیں دیناروں کا ہوش ہی نہ رہا۔

آپ ﷺ پر پھر غشی طاری ہوگئی۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو دیکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس ہیں اور وہ آپ کی خدمت کر رہی ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا: اے عائشہ تو نے سات دیناروں کا کیا کیا؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دلگیر آواز میں بولیں وہ ابھی تک میرے پاس ہیں۔ مجھے آپ ﷺ کے ساتھ مصروفیت کی وجہ سے ان کا خیال ہی نہ رہا۔ آپ نے ان کو کہا: وہ میرے پاس

لے آ۔ نبی ﷺ نے وہ دینار اپنی مٹھی میں لے لیے۔ پھر آپ نے نہایت سختی سے کہا: اگر میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ یہ میرے پاس ہوں تو محمد کا اپنے رب پر کیا یقین رہا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو فقراء پر تقسیم کردیے گئے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی بیماری میں چالیس غلام آزاد کیے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ ﷺ نے تریسٹھ غلام آزاد کیے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی جتنے سال عمر تھی۔ [التراتیب: ۱/ ۲۸]

جب نبی اکرم ﷺ کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو کہا: تم مجھ پر سات ایسی مشکیزوں کا پانی انڈیلو جن کے منہ بندھے ہوں۔ شاید میں لوگوں کے پاس چلا جاؤں۔ آپ ﷺ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بٹھایا گیا۔ پھر آپ ﷺ کی بیویوں نے آپ ﷺ پر ان مشکیزوں کا پانی ڈالنا شروع کیا۔ تا آنکہ آپ ﷺ نے اشارے سے ان کو کہہ دیا کہ بے شک تم نے اپنا فریضہ ادا کردیا۔ آپ ﷺ کو راحت محسوس ہوئی۔ آپ لوگوں کی طرف گھر سے نکل پڑے۔ لوگ آپ کا دیدار کر کے بہت خوش ہوئے۔

لیکن زیادہ دیر نہ گزری کہ رسول اللہ ﷺ کو دوبارہ بیماری نے آلیا اور آپ ﷺ اپنے بچھونے پر جا لیٹے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پتہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوئی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر معوذات پڑھ کر اپنے لعاب سے تر پھونک مارتے اور اپنے جسم اطہر پر پھیرتے۔ اسی لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود وہ سورتیں پڑھتیں جو آپ ﷺ پڑھتے تھے اور اپنی قرأت کے بعد وہ اپنے لعاب سے ہاتھوں پر پھونک مارتی۔ پھر آپ ﷺ کے دست مبارک کو آپ کے تمام بدن اطہر پر پھیرتیں۔ آپ اس مرض الموت میں اپنے لیے اللہ سے شفا کی دعا نہ کرے۔

جب کہ اس سے پہلے آپ ﷺ جب بھی بیمار ہوتے تو کثرت سے اپنے رب سے اپنے لیے شفا کی دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ وہ آپ ﷺ کو مرض سے

عافیت دے۔ جہاں تک عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ تھا۔

انہیں آپ ﷺ کی بیماری کی وجہ سے عظیم صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ٹھہری ہوئی پتلیوں اور اڑی ہوئی رنگت والے چہروں کے ساتھ آپ ﷺ کی عیادت کرتے۔ ان کی حالت نہایت الم انگیز ہوتی۔

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھتیجا سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ کو ان کا چہرہ اجنبی سا لگا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اے شداد تجھے کیا ہوا ہے؟

شداد نے جواب دیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھ پر دنیا تنگ ہوگئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے خوش کرنے اور ان کے اطمینان کے لیے فرمایا: دین باقی ہے۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ نیز آپ ﷺ نے اسے کہا: اگر ملک شام اور بیت المقدس تمہارے ہاتھوں فتح ہوئے اور تم اور تمہاری اولاد وہاں حکومت کرو تو تمہیں اس پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ اگر اللہ نے چاہا: (بالکل ایسے ہی ہوا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کا امیر بنایا اور وہ بیت المقدس میں فوت ہوا)۔

رسول اللہ ﷺ کا درد شدید ہوگیا۔ آپ کو کرب ڈھانپ لیتا اور آپ پر موت کی بے ہوشیاں آنے لگیں اور آپ ﷺ کے پاس آپ کے گھر والوں کے دل ڈوبنے لگے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ صدمہ پہنچا۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کے محبوب و عظیم والد پر ایسی حالت طاری ہوچکی ہے جیسے وہ اپنے باپ کے لیے کسی صورت میں پسند نہ کرسکتی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، انہیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

بالآخر اس نے اپنے عظیم باپ کو یہ کہتے ہوئے سن لیا: ''ہائے میرا کرب'' وہ پکار اٹھیں۔ اے میرے ابا جان۔ آپ ﷺ کے کرب کی وجہ سے ہائے میرا کرب۔ آپ ﷺ

نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آج کے بعد تیرے اباجان پر کوئی کرب نہیں ہوگا۔
[بخاری: ٤٤٦٢]

لیکن جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ دکھی ہے۔ تو آپ نے اسے اپنے قریب کیا اور سرگوشی کی جس سے وہ رونے لگی۔

آپ ﷺ کو اس کا رونا اچھا نہ لگا اور اس کے دکھ کی وجہ سے آپ ﷺ کو بھی صدمہ پہنچا۔ لہٰذا آپ نے اسے دوبارہ اپنے قریب کیا اور ہلکی سی سرگوشی کی تو وہ مسکرانے لگی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کی اس کربناک حالت میں اپنی بیٹی سے دوبارہ سرگوشی کرنا اور فاطمہ کا رونا اور مسکرانا بڑا عجیب لگا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اس گھڑی اس کے باپ ﷺ نے اس کے ساتھ کیا سرگوشی کی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کا راز افشا نہیں کرسکتی۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس پانی سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اس میں ہاتھ ڈال کر کرتے۔ پھر اپنے چہرے پر ملتے اور فرماتے: لاالٰہ الااللہ۔ بے شک موت کی سختیاں یقینی ہیں۔ اے اللہ! تو موت کی تنگنائیوں اور موت کی بے ہوشیوں پر میری مدد فرما۔ [الترمذی: ٩٧٨۔١٦٢٣]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا آپ ﷺ کے پاس آیا تو وہ مسواک کر رہا تھا۔ آپ نے اسے ایسی نظر سے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک لی اور آپ کے لیے اسے نرم کیا۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ آپ ﷺ کو پکڑا دی۔ آپ نے پہلے کی طرح خوب زور سے مسواک کی۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی حالت بوجھل ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا اور آپ ﷺ کا سر مبارک اپنے سینے سے لگالیا۔ شاید اس طریقے سے آپ ﷺ کی تکلیف میں کچھ تخفیف ہو جائے۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے سے ٹیک کی

حالت میں فرمایا:اے اللہ!تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے تو عالیشان دوست سے ملادے۔[بخاری: ٤٤٤٠۔٥٦٧٤۔مسلم: ٢٤٤٤]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو غور سے دیکھنے لگی۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ آپ کی نگاہیں ایک جگہ جم گئی ہیں۔پھر آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ کو افاقہ ہوا۔آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور لڑکھڑاتی آواز میں یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

[النساء: ٦٩]

''اور جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔''

اے اللہ!اچھا ساتھی سعادت مند، جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کے ساتھ۔ اے اللہ! تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔آپ ﷺ نے آخری بات جو کی وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز، نماز، اور تمہارے غلام۔

آپ ﷺ تادم واپس اپنے حلق میں اور آپ کی زبان سے یہی الفاظ سنائی دیتے رہے۔ بالآخر آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر ہی پرسکون ہوگئے۔پھر آپ ﷺ کا ہاتھ ڈھلک گیا اور رسول اللہ ﷺ ان لمحات میں ایک موٹی چادر اور موٹے تہہ بند میں ملبوس تھے۔آپ ﷺ نے ان دونوں کپڑوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔

[بخاری: ٣١٠٨۔مسلم: ٢٠٨٠]

یہ ١٣ ربیع الاول سوموار کی دوپہر تھی اور سال ١١ھ تھا۔گویا آپ ﷺ کی بیماری تیرہ دن رہی۔صفر کے آخری دن بدھ کے روز آپ ﷺ بیمار ہوئے۔مدینہ منورہ میں ایک

عظیم شور بپا ہو گیا۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صدمات کے بادل چھا گئے اور وہ حالت کرب میں چلے گئے۔ تاریخ کی کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان حالات کی مکمل تفصیل موجود ہے۔آپ ﷺ کی موت ایک عظیم واقعہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لامحدود صدمہ سے دوچار ہوئے۔

ابتدا میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی موت کا یقین ہی نہ آیا۔ بلکہ وہ اس میں شک میں پڑ گئے۔انہیں گمان ہونے لگا کہ آپ ﷺ سوئے ہوئے ہیں یا آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہے۔اسی اثناء میں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو الہام ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی مہر نبوت دیکھے جو آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی۔تو اس کی جگہ پر انہوں نے اپنا ہاتھ رکھا لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔گویا اسے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان سے اٹھالیا گیا تھا۔آپ ﷺ کی موت کی یہی دلیل ثابت ہوئی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر سے آئے اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کی میت کے پاس چلے گئے۔جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھی۔ آپ ﷺ پر ایک سرخ جھانروالی چادر تھی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا۔پھر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا:یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ۔آپ کی زندگی کی طرح آپ کی موت بھی بابرکت ہے اور جو موت آپ پر اللہ تعالیٰ نے فرض کی تھی، تحقیق وہ موت آپ کو آچکی ہے۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کپڑا آپ ﷺ کے چہرے پر ڈالا اور باہر آگئے۔

جس حجرے میں آپ ﷺ کی روح قبض ہوئی تھی وہ ایک حیران کن اور نہایت انوکھی خوشبو سے مہک گیا جو بھی آپ کے پاس آیا اسے وہ خوشبو محسوس ہوئی ۔بلکہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سینے پر رکھا تو ان کے ہاتھ تک ایسی کستوری کی خوشبو پہنچی کہ جو زندگی بھر ان کے ہاتھ میں رہی۔کھانے،دھونے یا کام کاج کی وجہ سے وہ

خوشبو نہ کم ہوئی نہ ختم ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ کے گھر والے آپ کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔

سیدنا علی اور عباس رضی اللہ عنہما آئے۔ عباس رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹے فضل اور قثم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم ﷺ کا آزاد کردہ شقران بھی آ گئے۔ نیز ان کے پاس سیدنا اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے جو بدری صحابی تھے۔

یہ سب لوگ آپ ﷺ کے جسد اطہر کو غسل دینے کی تیاری کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں تقسیم کر لیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ آپ ﷺ کو پہلو بدلوانے لگے۔ سیدنا اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے اور علی رضی اللہ عنہ کپڑے کے اوپر سے آپ کا جسم ملتے جاتے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم پر موت کے وہ آثار نہ دیکھے جو عام لوگوں کے جسم پر ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے مرنے کے بعد ہی اسی طرح نرم و گداز تھے جس طرح آپ ﷺ اپنی زندگی میں تھے اور جب لوگوں نے تین سفید کپڑوں میں کستوری لگا کر آپ کو کفنایا۔ ان میں سے دو سوتی کپڑے تھے۔ چادر اور تہہ بند۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو ان دونوں کپڑوں میں لپیٹ دیا اور یہ بھی کہا گیا ہے وہ تینوں کپڑے سحولی تھے یعنی یمن کی سحول نامی بستی میں بنے گئے تھے۔ اس کفن میں قمیض اور عمامہ نہیں تھا۔ [بخاری: ١٢٦٤۔ مسلم: ٩٤١]

پھر لوگوں نے آپ ﷺ کو چارپائی پر لٹا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ کو دفن کرنے کی جگہ میں اختلاف ہو گیا۔ اس اختلاف سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں نکالا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے، اسے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

بنو ہاشم پہلے آئے انہوں نے آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی، پھر مہاجرین آئے، ان کے بعد انصار آئے، پھر عورتوں، پھر بچوں نے آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی۔ سب لوگ

بغیر کسی امام کے اکیلے اکیلے نماز جنازہ پڑھ کر نکلتے رہے۔ پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ آئے اور جس جگہ آپ ﷺ کی روح قبض ہوئی تھی وہاں انہوں نے آپ ﷺ کی لحد نما قبر کھودی۔ آپ ﷺ کی موت کا صدمہ جس قدر آپ ﷺ کی زوجات کریمات کو ہوا اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم اکٹھی ہو کر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن ایک دوسرے کا غم بہلاتی رہیں اور آنسو بہاتی رہیں۔ ہم میں سے کوئی لمحہ بھر نہ سوئی۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے چارپائی پر موجود تھے۔ ہم آپ ﷺ کو دیکھ دیکھ کر بہل جاتیں۔ اچانک ہم رات گئے قبر کھودنے والوں کی آوازوں نے پریشان کر دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان کہی تو ان کی آواز رندھ گئی جس سے ہمارے حزن وملال میں بھی اضافہ ہو گیا۔ لوگ حجرے میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ تب حجرہ بند کر دیا گیا اور انہیں اندر جانے سے روک دیا گیا۔

ہائے رے ہماری مصیبت! آج کے بعد ہم پر جب بھی کوئی مصیبت آتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی جدائی والی مصیبت یاد کرتے تو آنے والی مصیبت ہمیں نہایت خفیف لگی۔ [ابو اقدمی]

آپ ﷺ کی قبر کو برابر کرنے سے پہلے آپ کے جسد اطہر کے نیچے آپ کی سرخ چادر بچھائی گئی۔ آپ ﷺ عموماً اسے اوڑھا کرتے۔ چونکہ لوگوں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا تھا۔ تم میری لحد میں میری یہ چادر بچھانا۔ کیونکہ زمین انبیاء کے جسموں پر غالب نہیں آتی۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی قبر میں اترے۔ اسی طرح سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹے فضل اور قثم رضی اللہ عنہما بھی لحد میں اترے۔ اسی طرح ان کے ساتھ شقران اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی قبر میں اترے۔ کچھ دیگر لوگوں کا بھی قبر میں اترنا مروی ہے۔ سیدنا اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تجھے اللہ کا واسطہ

دے کر رسول اللہ ﷺ کی نسبت انصار کے حصے کا سوال کرتا ہوں۔ یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے گنجائش پیدا کر دی۔ لہٰذا وہ بھی قبر میں اتر گئے۔

اور اس سے پہلے کہ محمد ﷺ کی قبر کو آپ کے گھر والے بند کریں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی قبر میں پھینک دی اور انہوں نے اتر کر انگوٹھی لینے کا ارادہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے ان کو روک دیا اور حسن رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ آئیں اور انگوٹھی ان کو پکڑا دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری زندگی جہاد، تھکن اور صدمات سے چور ہو کر اپنے رب سے اس حال میں ملے کہ وہ ان سے راضی اور یہ اپنے اللہ سے راضی تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے کوئی دینار و درہم نہیں چھوڑا اور نہ ہی آپ ﷺ نے اپنے پیچھے کوئی غلام یا کنیز چھوڑی اور دنیا کی اشیاء میں سے بھی کچھ نہ چھوڑا۔ آپ نے اپنے پیچھے اپنا سفید خچر تھا اور آپ ﷺ کے ہتھیار تھے اور زمین کے چند قطعات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غنیمت میں عطا کیے تھے، وہ سب اشیاء صدقہ کر دی گئیں۔ [بخاری:۲۷۳۹]

آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے گروی تھی۔

[بخاری:۲۹۱٦۔مسلم:۱٦۰۳]

اور کچھ پگھلی ہوئی چیز لی تھی۔ جب آپ ﷺ کو دفن کر دیا گیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے بلال! کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالنا اچھا لگا؟ [بخاری:٤٤٦۲]

رسول اللہ ﷺ کے جسمانی اوصاف

رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور گول اور ملائم و گداز تھا۔ آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ آپ ﷺ کے چہرے کی رنگت سرخی مائل سفید تھی۔ آپ ﷺ کا دہن مبارک کشادہ اور آپ ﷺ کے ہونٹ نہایت حسین تھے۔ آپ ﷺ کی آنکھیں کشادگی لیے ہوئے تھیں اور آپ ﷺ کی پلکیں لمبی تھیں۔ آپ ﷺ کے سر کے بال قدرے گھنگریالے تھے۔ جو کبھی تو آپ ﷺ کی کانوں کی لو تک پہنچ جاتے اور اکثر اوقات آپ ﷺ کے کندھے اور کانوں کے درمیان تک ہوتے اور کبھی اتنے لمبے اور گھنے ہوتے کہ آپ ﷺ کے کندھوں کو چھونے لگتے۔

آپ ﷺ کے گنتی کے چند بال ہی سفید ہوئے۔ جب آپ ﷺ کی آخری عمر آپ کے سفید بالوں کو شمار کیا گیا تو وہ بیس کے لگ بھگ تھے جو آپ ﷺ کے سر، آپ کی کنپٹیوں اور آپ کی ٹھوڑی کے اوپر پھیلے ہوئے تھے۔ خوشبو کے استعمال کی وجہ سے آپ ﷺ کے کچھ بال سرخی مائل تھے۔ آپ ﷺ درمیانے قد اور درمیانے وزن کے ساتھ سڈول جسم کے مالک تھے۔ گویا نہ تو آپ نحیف اور نہ آپ ﷺ موٹے تھے۔ آپ ﷺ کا سینہ چوڑا تھا۔ آپ ﷺ کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ قدرے زیادہ تھا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں موٹے اور مضبوط تھے۔ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔

آپ ﷺ کی ہتھیلیاں نرم وگداز تھیں۔ آپ ﷺ کے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہ کوئی موٹا اور نہ باریک ریشم کپڑا اور نہ آپ ﷺ کے بدن کی خوشبو سے زیادہ اچھی خوشبو میں نے سونگھی۔

آپ ﷺ کی ایڑیوں پر کم گوشت تھا۔ آپ ﷺ کے بائیں کندھے کی بالائی جانب مہر نبوت تھی جو کبوتری کے انڈے کے برابر بالوں کے ایک گچھے کی صورت میں تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی ایک جھلک

رسول اللہ ﷺ اکثر خاموش رہتے۔ آپ ﷺ بغیر ضرورت کے نہ بولتے تھے۔ آپ کی گفتگو نہایت واضح ہوتی، نہ بے فائدہ ہوتی اور نہ ہی ادھوری۔ نیز آپ ﷺ فصیح اللسان بھی تھے۔ آپ ﷺ پے در پے، مسلسل غم آتے رہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ غور وفکر کرتے رہتے۔ نعمت خواہ کتنی قلیل ہی ہو آپ ﷺ اس کا شکر ضرور بجالاتے۔ آپ ﷺ نعمتوں میں عیب نہ نکالتے تھے۔

آپ ﷺ نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر آپ ﷺ کو پسند آتا تو کھا لیتے اور اگر ناپسند کرتے تو اسے چھوڑ دیتے۔ آپ ﷺ دنیاوی اعتراض کے لیے کبھی غصے میں نہ آتے۔ آپ ﷺ اپنی ذات کے لیے بھی غصہ نہ کرتے اور نہ آپ نے کبھی اپنا انتقام لیا۔ لیکن جب حق پر اعتدا ہوتی تو آپ ﷺ کے غصے کو کوئی چیز ٹھنڈا نہ کرسکتی۔ جب تک آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیتے۔ جب آپ ﷺ ناراض ہوتے تو منہ موڑ لیتے اور اپنا رخ پھیر لیتے۔

اور جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو اپنی آنکھیں موند لیتے نہ تو آپ ﷺ بدگو تھے، نہ آپ بدفعل تھے اور نہ ہی بازاروں میں آوازے کسنے والے تھے۔ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف اور درگزر سے کام لیتے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کے علاوہ آپ ﷺ نے کبھی کسی چیز کو نہیں مارا۔ آپ نے کبھی اپنے خادم کو اور کبھی عورت

کو نہ مارا۔

جب آپ ﷺ کو دو باتوں یا کاموں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان دو میں سے وہی بات یا کام چنتے جو آسان ہوتا۔بشرطیکہ اس میں کسی طرح کی معصیت نہ ہوتی۔ جب آپ ﷺ گھر میں ہوتے تو دیگر انسانوں کی طرح عام اور سادہ بن کر رہتے۔ اپنے کپڑے خود صاف کرتے۔ اپنی بکری خود دوہتے اور اپنے کام خود کرتے۔ آپ ﷺ اٹھتے بیٹھتے ذکر الٰہی کرتے۔ مسکراہٹ ہمیشہ آپ ﷺ کے چہرے پر چھائی رہتی۔ آپ ﷺ کے اخلاق نہایت عمدہ اور روّیہ ہمیشہ نرم ہوتا۔ نہ آپ ﷺ بدگو تھے ،نہ آپ ﷺ کا رویہ درشت ہوتا،نہ آپ ﷺ شوروغل کرتے اور نہ آپ ﷺ عیب جوئی کرتے۔آپ ﷺ نے تین باتوں سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھا۔جھگڑالوپن...... تکبر...... لایعنی گفتگو۔

آپ ﷺ نہ کسی کی مذمت کرتے،نہ کسی پرعیب لگاتے اور نہ ہی کسی کے عیب تلاش کرتے۔آپ ﷺ ہمیشہ وہی بات منہ سے نکالتے جس کے ثواب کی آپ ﷺ کو امید ہوتی۔جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو اپنے پاس بیٹھنے والوں کو جھنجھوڑتے۔گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں جو آپ ﷺ کو پہلی بار دیکھتا آپ ﷺ کی ہیبت اس پر طاری ہوجاتی اور جو آپ ﷺ کو پہچان کر آپ کے ساتھ میل ملاقات رکھتا، وہ آپ سے محبت کرنے لگتا۔آپ اپنے تمام ہم مجلسوں کو ان کا حصہ ضرور دیتے۔یعنی سب پر برابر توجہ دیتے۔آپ ﷺ کا کوئی ہم مجلس یہ نہ سوچتا کہ میرے مقابلے میں دوسرے شخص کو آپ ﷺ زیادہ اہمیت دے رہے ہیں یا مجھ سے بڑھ کر اس کی تکریم کر رہے ہیں۔

آپ ﷺ کے پاس جب کوئی حاجت منداپنی حاجت بیان کرتا ،آپ ﷺ اس کی وہ حاجت ضرور پوری کرتے یا اس کو نرم انداز میں جواب دیتے۔آپ ﷺ نے اپنے

اخلاق کے ذریعے لوگوں کو وسیع الظرف اور وسیع القلب بنا دیا۔ آپ ﷺ تمام لوگوں کے باپ کی طرح تھے اور سب امتی آپ ﷺ کے لیے اپنے حقوق میں برابر تھے۔

آپ ﷺ کی مجلس علم، حیاء، صبر اور امانت و دیانت والی مجلس تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ کے ہاں لوگوں کو تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت حاصل ہوتی۔ آپ ﷺ کی مجلس میں بڑوں کے وقار کا خیال رکھا جاتا۔ چھوٹوں پر رحم کیا جاتا۔ ضرورت مند پر ایثار کیا جاتا اور اجنبی کی حفاظت کی جاتی۔

آپ ﷺ کسی کی بات کو منقطع نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ وہ حد سے تجاوز کرتا۔ ایسی حالت میں اس کو مطلقاً منع کر دیتے یا کسی خاص بات سے روک دیتے۔ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ دل کے غنی تھے اور سب سے زیادہ سچی گفتگو والے تھے اور سب سے زیادہ نرم سلوک والے تھے اور معاشرے کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز تھے۔

آپ ﷺ کی تعریف کرنے والا کہتا: میں نے آپ ﷺ کی مانند نہ آپ سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد کوئی دیکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کی آل اور آپ ﷺ کے اصحاب پر سلامتی اور رحمتیں بھیجے اور تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

خلاصہ

رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی

سیرت نبویہ پر ایک نئے انداز کی کتاب ہے۔جس میں رسول اللہ ﷺ کی اپنے کنبہ اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ اجتماعی زندگی کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب میں اجمالی طور پر رسول اللہ ﷺ کے تمام گھروں کی گھریلو زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سب سے پہلے آپ ﷺ کے دادا کے گھر پھر آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے گھر میں آپ ﷺ کی پرورش اور بچپن سے لڑکپن تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں۔آپ ﷺ کب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہوئے ،اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس گھر میں رسول اللہ ﷺ نے کس طرح اپنی جوانی گزاری اور آپ ﷺ نے اس گھر میں رہتے ہوئے کس طرح اپنے اہل وعیال کے ساتھ گزر بسر کی۔

اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسالت سے پہلے اور رسالت ملنے کے بعد آپ ﷺ کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔تا آنکہ اس گھر کی مالکن ''غم کے سال میں'' نے وفات پائی۔

پھر آپ ﷺ ہجرت مدینہ کی رات غارِ ثور میں کیسے پہنچے اور وہ چند تفاصیل بھی لکھی گئی ہیں جو غار ثور میں آپ ﷺ کے قیام کے دوران پیش آئیں اور جب آپ ﷺ کا قافلہ مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھا تو ام معبد کے خیموں کے پاس کیا پیش آیا۔پھر

مدینہ منورہ میں پہنچ کر آپ ﷺ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے امہات المومنین کے حجرات مکمل کیے تو آپ وہاں منتقل ہو گئے۔

کتاب میں ان حجرات کے متعلق ایسی تفاصیل دی گئی ہیں کہ قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ حجرات کی تعمیر کے وقت وہ بذات خود وہاں موجود تھا۔ اسی طرح اس کتاب میں ان حجرات میں بسنے والی شہزادیوں یعنی امہات المؤمنین کا آپس میں سلوک اور ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حسن معاملہ تفصیل سے لکھ دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے گھروں کی معمولی سی تفصیل بھی شامل کی گئی ہے۔

اور آپ ﷺ کے پاس جو بچے ہوتے تھے اور آپ ﷺ کی بیویوں کے ساتھ ان کے سابقہ شوہروں سے اولاد آتی تھی۔ آپ ﷺ کا ان کے ساتھ ح سن سلوک کی جھلکیاں بھی موجود ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرتے تھے کیسے ان کے ساتھ مل جل کر رہتے، کیسے ان کے ساتھ ہم کلام ہوتے اور کیسے آپ ﷺ ان کو نصیحت کرتے۔

کتاب میں ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کے لیے ان کے گھروں میں آ رہے تھے۔ ان میں آپ ﷺ کے قرابت دار بھی ہوتے۔ دور کے رشتہ دار بھی ہوتے۔ آپ ﷺ پر احسان کرنے والے بھی ہوتے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والے بھی ہوتے اور وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کے ساتھ عداوت کرنے والے بھی ہوتے۔ بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے بھی ہوتے اور یہ بھی تحریر کر دیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مذکورہ لوگوں کے گھروں میں جایا کرتے تو وہ آپ ﷺ کا استقبال کس طرح کرتے۔ آپ ﷺ کی ضیافت کس طرح کرتے اور آپ ان کے لیے کیا دعا کرتے اور ان کو کیا کیا خوش خبریاں دیا کرتے۔

اس کتاب میں ایک مستقل فصل تحریر کی گئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا حسن سلوک، آپ ﷺ کے آزاد کردہ لوگوں، آپ ﷺ کے خادموں اور آپ ﷺ کی کنیزوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے قرابت داروں اور اپنے محسنین کا شکر کس طرح ادا کرتے۔

آخر کتاب میں ایک اہم فصل بھی تحریر کی گئی ہے۔ جس میں نبوی گھرانوں کے اوصاف اور ان میں رہنے والوں کے اخلاق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

بالکل آخر کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جب آپ ﷺ مرض الموت میں سکرات الموت میں بے ہوش ہو جاتے تھے تو آپ ﷺ کی زوجات اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیا گزرتی۔ پھر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے عالی شان دوست اور آقا اپنے رب اعلیٰ کے ساتھ کو کس طرح اپنے لیے منتخب کیا۔

وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد وآلہ وصحبہ واتباعہ الی یوم الدین آمین

ادارے کی نئی کتب

- فتاویٰ البانی (جلد اول، دوم) (زیرِ طبع)
- انسائیکلوپیڈیا سیرت صحابہ (سوالاً جواباً)
- انسائیکلوپیڈیا سیرت صحابیات (سوالاً جواباً) (زیرِ طبع)
- انسائیکلوپیڈیا سیرت امہات المومنین (سوالاً جواباً) (زیرِ طبع)
- سیرت النبی ﷺ (سوالاً جواباً)
- معلومات قرآن (سوالاً جواباً)
- احکام و مسائل برائے طہارت و نماز (سوالاً جواباً)
- نبی رحمت ﷺ کی مثالی بیویاں (زیرِ طبع)
- جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم (زیرِ طبع)
- سفیر صحابہ رضی اللہ عنہم (زیرِ طبع)
- جمال مصطفیٰ ﷺ (زیرِ طبع)
- قبر سے محشر تک
- زندگی ایسے گزاریں
- مقالات راشدیہ (جلد ۹)
- مقالات راشدیہ (جلد ۱۰)
- گناہوں کا کفارہ